سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

عِلاجُ الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عِلاجُ الغضبْ

یہ وعظ مسمّٰی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم سنہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۶ جُون سنہ ۱۹۸۷ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہُوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۸۸ء کو ہُوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، مُلتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی سنہ ۱۹۸۹ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیاء۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرماویں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرماویں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ـــــــــــ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں

۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور

۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ "وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ" اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا برا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال بُرا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ بُرا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلے کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے، جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعویٰ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کرلے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہوجائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رُخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادّہ زیادہ ہے، اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہوگیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کردیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہوگیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر رُوح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِ هَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوج یا کوئی انتقامی جذباتی اور ضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کرلو، اسی کا نام ہے "کظم غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہوگئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کرلے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو؛ غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہوسکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہوسکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى إِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ أَمْنًا وَّإِيْمَانًا (جامع صغیر ص۱۷۹ ج۲)

ترجمہ: جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھردے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کرسکتا ہے، اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا کَاَنَّ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰی وَجْهِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہیئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا درآنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کر لے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا یَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اُونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہو جائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کر دے ، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے" (رُوح المعانی صہ۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ :۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر صہ۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ :

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ صہ۴۳۴)

ترجمہ: "غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی ذرہ بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص ۴۳۴)

ترجمہ: "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی؟

اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ (مسلم ص۵۱ ج۲)

یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرمادیا۔ اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہوجائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہوجاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرمادی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہوجاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے؛ ایسا کیوں ہے ؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو۔ لوہے کو پارس سے لگا دو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرلو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے ۔ جگر مراد آبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبدالحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان؛ انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہو گئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانویؒ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں؛ میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کردے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر اُسترا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرما لیا؛ یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے، فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا۔ تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دئے تھے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
بایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو توسب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا " اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ " وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ جَلِيْسُهُمْ ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہورہا ہے اِکْرَامًا لَّهُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلا رہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب جنتی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپیٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے ؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربّی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں ؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربّی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگِ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحابِ بدر جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگِ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اُٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہوگیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظۂ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا۔ یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے، ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بخشتوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوتی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں۔ اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پیلے کسی پَر کھنے والے کی کسوٹی پر پَرکھئے، شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی " ناٹھیک " ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کر رہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کر رہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہو جائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کر لو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آ گیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہو گئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے بَیل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں، پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلا گیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں، آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہدیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبد الغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف و لذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرما دیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی و ندامت و معذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہوا نمک تیز ہو گیا، ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہو جائے تو ہم کیا چاہتے ہیں؟ کہ داماد معاف کر دے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کر رہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مُرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مُرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہو گئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مُرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھُٹا کر مضامین کیسے ملیں گے ؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہو گیا اور علوم پھر آنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ" (ابوداؤد صفحہ ٣٤٦ ج ١)
یعنی گفتگو کرنی ہو تو جانور کی پیٹھ سے اُتر کر بات کرو، یہ نہیں کہ جانور کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں گھوڑے وغیرہ سفر طے کرنے کے لئے ہیں اسلام جانوروں تک پر رحمت فرماتا ہے جب جانوروں کے ستانے کی بھی ممانعت ہے تو میرے دوستو! جو بیویوں کو ستاتے ہیں وہ کس قدر عذاب مول لے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ
(مشکوٰۃ صفحہ ٢٨٢) کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اخلاق کا معیار یہ ہے کہ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی (صفحہ ١٣ ج ٥) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شوہر کریم ہوتے ہیں ان پر عورتیں غالب آجاتی ہیں۔ غالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تیز باتیں کر لیتی ہیں، ناز نخرے دکھا دیتی ہیں کیونکہ ان کو ناز دکھانے کا بھی حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تُو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تُو مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ مُحَمَّدٍ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ۔ ابراہیم کے رب کی قسم۔

(صحیح بخاری صفحہ ٧٨٩ ج ٢)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا رُوٹھنے کا حق ہے، یہ ان کا ناز ہے لہٰذا اس کی بھی شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ دیکھئے حدیث میں فرمایا یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا یہ عورتیں غالب آجاتی ہیں کریم شوہر پر وَیَغْلِبُهُنَّ لَئِیْمٌ اور جو لوگ بداخلاق ہیں وہ ان پر ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کر کے غالب آجاتے ہیں۔

بعضے علاقوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ پہلی رات عورت کو رُعب میں لانے کے لئے بڑی پٹائی کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ کیا جہالت اور ظلم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

فَأُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا

میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہوں۔

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا

اور میں بداخلاق ہو کر ان پر غلبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔

اور بخاری کی روایت ہے (ص۷۷۹ ج ۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے۔ دیکھئے ٹیڑھی پسلیاں کام دے رہی ہیں یا نہیں، ان کو سیدھی کرو گے تو ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور رحمت سے معاملہ کیا جائے تو زندگی جنت کی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اس کے شوہر نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ کر لیا کہ اے خدا ہاتھ ہی تو ہے نمک تیز ہو گیا۔ اگر میری بیٹی نمک تیز کر دیتی تو میں یہی چاہتا کہ داماد اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا اے خدا میں آپ کی رضا کے لئے اس کو جو میری بیوی ہے لیکن آپ کی بندی بھی ہے، اس کی نسبت آپ کے ساتھ بھی ہے، اس کو معاف کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سفارش وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کو رد کرتے ہیں۔ ابھی ایک ڈی آئی جی یا کمشنر سفارش لکھ دے کہ اپنی بیوی کا خیال رکھنا۔ تو بتائیے کہ ہم لوگ کتنا خیال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سفارش نازل فرمارہے ہیں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہاں ہمارا کیا معاملہ ہے اور کیا ہونا چاہئے ہر شخص اپنی حالت پر غور کرلے۔

لہٰذا اس شخص نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا اور بیوی کو معاف کردیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ میاں معاملہ تو بڑا خطرناک تھا۔ بڑے گناہوں کا معاملہ پیش ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ایک بندی نے جس دن سالن میں نمک تیز کردیا تھا اور تم نے میری اس بندی کی خطا معاف کردی تھی جاؤ اس کے صلہ میں آج تم کو معاف کرتا ہوں۔

بس غصہ کو پی جانا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ غصہ آگ ہے اس کو روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس پر اجر بھی عظیم ہے اور مجاہدہ کے بقدر مشاہدہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو اس مجاہدہ کی بدولت بڑی کرامت حاصل ہوگئی اور اولیاء کی کرامت برحق ہے۔ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ اسلامی عقائد میں سے ہے اس لئے کرامتِ اولیاء کا انکار بڑی گمراہی کی بات ہے البتہ کرامت کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب وہ چاہے خود صادر کردے بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اپنے کسی مقبول بندے کو عطا فرما دیتے ہیں کرامت فعلِ عبد نہیں ہے فعلِ معبود ہے۔

امام بخاریؒ باب کفالت کے اندر اولیاء اللہ کی کرامت کی حدیث لائے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بیان کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ولی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں پیغمبر ایک امتی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور ولی تھے ایک ضرورت پیش آئی انہوں نے ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرضہ مانگا، قرض دینے والے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا، اللہ تعالیٰ باعتبار شاہد کے کافی ہیں یعنی شاہد کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے پھر اس نے کہا کہ کوئی کفیل اور ذمہ دار لاؤ کہ اگر تم نہ دو تو ہم کس سے وصول کریں؟ تب انہوں نے جواب دیا کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا اللہ تعالیٰ ہی ہمارا وکیل اور کارساز ہے وہی ہمارا کفیل ہے۔ یہ دو مضمون سُن کر اس نے کہا صَدَقْتَ تم نے سچ کہا تم اپنے قول میں صادق ہو اور فوراً ایک ہزار دینار قرض دے دیا اور وہ دریا پار چلے گئے اور اپنی ضرورت کو پُورا کیا۔

جس دن قرض ادا کرنے کا وعدہ تھا اس دن وہ دینار لے کر پھر آئے لیکن کوئی سواری نہ ملی، بے چارے بے چین تھے کہ کوئی کشتی ملے تو دریا پار جا کر اس کا قرض دے دیں۔ جب کوئی سواری نہ ملی تو انہوں نے لکڑی کا ایک موٹا سا کُندا لیا، اس میں سوراخ کیا اور ایک ہزار دینار اس میں رکھ دئے اوپر سے کیل لگا کر مضبوطی سے بند کر دیا اور اللہ کے بھروسہ پر دریا میں ڈال دیا اور کہا یا اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے قرضہ لیا تھا اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے کوئی سواری مل جائے لیکن نہ ملی بس آپ اس کو حفاظت سے اس تک پہنچا دیجئے جس سے میں نے قرض لیا تھا۔ اب

ہواؤں کے تھپیڑوں میں لکڑی کا وہ بڑا سا ٹکڑا چل رہا ہے کہیں اور بھی جا سکتا تھا۔ یہ کرامت تھی کہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس بستی میں پہنچ گیا' اُدھر وہ صاحب انتظار کر رہے تھے کہ شاید کسی کشتی سے وہ شخص میرا مال لے کر آجائے کہ اچانک دیکھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا بہتا ہوا آرہا ہے وہ انہوں نے اپنی بیوی کے لئے لے لیا کہ چلو چولہا گرم کرنے کا سامان اللہ نے بھیج دیا۔ بس اس پر کلہاڑی جو ماری تو ایک ہزار دینار اس میں سے نکل آئے۔ اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھا ہوا تھا کہ اے شخص مجھ کو سواری نہیں ملی لہٰذا مجبوراً میں اللہ کے بھروسہ پر یہ بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد ان کو کشتی بھی مل گئی۔ کشتی پر بیٹھ کر وہ پھر ایک ہزار دینار لائے کہ ممکن ہے کہ پہلے دینار نہ ملے ہوں۔ لہٰذا جب انھوں نے پیش کئے تو اس نے کہا کہ آپ نے تو پہلے ہی بھیج دئے تھے اور سارا واقعہ بیان کیا کہ لکڑی کے اندر سے اس طرح سارا روپیہ مل گیا۔ فَانْصَرَفَ بِالْفِ دِیْنَارٍ رَاشِدًا پس نہایت ہی خوش اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل اور کرامت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔ (بخاری شریف کتاب الکفالۃ صفحہ ۳۰۶ ج ۱)

اس لئے اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے لیکن لوازم ولایت میں سے نہیں ہے۔ بعضے بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ہر ولی کے لئے کرامت لازم ہے ولی کے لئے اہتمام تقویٰ، اتباعِ سنّت، اتباعِ شریعت یہ چیزیں تو لازم ہیں لیکن عصمت بھی لازم نہیں ہے کہ کبھی ان سے خطا ہی نہ ہو۔ نبوت کے لئے تو عصمت لازم ہے لیکن ولایت کے لئے کبھی خطا کا صدور منافیٔ ولایت نہیں بشرطیکہ وہ اس کی تلافی کرے معافی مانگ لے۔ اللہ سے توبہ کرلے استغفار کرلے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سال تک ایک شخص رہا تھا۔ اس نے حضرت سے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ ہوا پر اُڑتے ہوئے، پانی پر بغیر کشتی کے چلتے ہوئے نہیں دیکھا تو مایوس ہو کر واپس ہونے لگا اور کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کے اندر کوئی کرامت نہیں پائی۔ لہٰذا واپس جارہا ہوں۔

حضرت جُنیدؒ نے فرمایا کہ اے شخص تُو نے دس سال کے اندر مجھ سے کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کا کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت نہیں پایا۔ اس پر حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا آہ جس غلام نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر تُو کیا کرامت چاہتا ہے؟

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں الاستقامة فوق الف کرامة سنّت و شریعت پر استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غصّہ کو ضبط کرنے سے اور مخلوق کی ایذاؤں کو برداشت کرنے سے بعض بزرگوں کو بڑی کرامت عطا ہوگئی۔ حضرت شاہ ابُو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر چلتے تھے اور جنگل کی لکڑی کاٹ کر شیر پر رکھتے تھے۔ اور اگر کبھی شیر شرارت کرتا تھا تو زندہ سانپ کا کوڑا تھا اس سے شیر کی پٹائی کرتے تھے۔ خراسان سے ایک شخص ان سے بیعت ہونے خرقان گیا۔ لیکن ان کی بیوی بڑی تیز مزاج تھیں۔ پُوچھا کیسے آئے.... کہا کہ حضرت سے مُرید ہونے آیا ہوں۔ کہنے لگیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے زیادہ اس پیر کا حال دُنیا کیا جان سکتی ہے؟ رات دن میں اس کے ساتھ ہوں بالکل بنا ہوا

مکار ہے تم کہاں چکر میں آ گئے؟ تمہارے دماغ میں عقل بھی ہے یا نہیں؟ ایسی باتیں سنائیں کہ وہ تو رونے لگا کہ میرا ہزار میل کا سفر بے کار ہو گیا۔ محلّہ والوں نے کہا کہ ان کی بیوی مزاج کی تیز ہے خبردار بدگمانی مت کرو، جاؤ شیخ جنگل سے لکڑیاں لے کر آرہے ہوں گے۔ وہاں دیکھا کہ شیر پر بیٹھے ہوئے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی تشریف لا رہے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کو کشف ہو گیا کہ یہ بیگم کی باتیں سن کر باغم آرہا ہے یعنی غمگین ہے، شیخ ہنسے اور فرمایا کہ بھائی کچھ پریشان نظر آرہے ہو کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ حضرت آپ کے گھر میں تو بڑی تلخ مزاج ہے ایسی بیوی سے آپ نے کیوں شادی کی، تو شیخ نے فرمایا کہ یہ جو مجھے شیر کی سواری ملی ہے اور زندہ سانپ کا کوڑا ملا ہے یہ کرامت اسی خاتون کی تکلیفوں پر صبر کا انعام ہے۔

اور اب مولانا رومیؒ کی زبانی سنئے کہ شاہ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا:

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیرِ نر بے گارِ من

اگر میرا صبر اس عورت کی تکلیفوں کے بوجھ کو نہ اٹھاتا تو بھلا یہ شیرِ نر کب میری بے گاری کرتا اور میرا غلام بنتا؟

عادت اللہ یہی ہے کہ جس کو کوئی نعمت دیتے ہیں مجاہدہ کرا کے دیتے ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کتنے نازک مزاج تھے۔ دشمن نے جب ان کو گولی ماری کسی نے پوچھا حضرت مزاج کیسے ہیں؟ فرمایا کہ گولی سے تو کوئی تکلیف نہیں، لیکن گندھک کی بدبو سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ دہلی کی جامع مسجد سے نماز پڑھ کر واپس ہوتے تھے اگر راستہ میں کوئی

پلنگ ٹیڑھا پڑا ہوا دیکھ لیا تو سر میں درد ہوگیا۔ رضائی میں اگر دھاگے ٹیڑھے ڈال دئے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ دہلی کا بادشاہ حاضرِ خدمت ہوا اور پانی پی کر کٹورا صراحی پر ترچھا رکھ دیا۔ حضرت کے سر میں درد ہوگیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی خدمت کے لئے میں ایک خادم دینا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ اب تک تو میں خاموش تھا تم نے پانی پی کر کٹورا صراحی پر ترچھا رکھ دیا جس سے میرے سر میں درد ہوگیا تمہارا خادم میں کیا قبول کروں جیسے تم ہو ایسا ہی تمہارا خادم ہوگا۔

ان مرزا مظہر جانِ جاناں کو الہام ہوا کہ دلی میں ایک نہایت بدمزاج، غصہ والی اور بداخلاق عورت ہے اگر تم اس سے نکاح کرلو تو سارے عالم میں ہم تمہارا ڈنکا پٹوا دیں گے۔ اہل اللہ کو الہام ہوجاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بس صرف آواز نہیں آتی ورنہ ہروقت دل میں باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ یہ کرلو، یہ نہ کرو۔ ؎

قولِ اوراَلحن سنے آوا تنے

اسی کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نے اللہ تعالیٰ سے سودا کرلیا۔ اہل اللہ تو ہروقت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر اپنے دل و جان قربان کرنے کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ؎

ان کی مرضی پر مری قربان جاں
اللہ اللہ میں تھا اِس قابل کہاں
جو تُو مشتری ہے تو اے جانِ عالم
بہ نوک سنانت جگر می فروشم
بہ تیغ ادائے تو سر می فروشم

ایک کابلی آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ گھر سے کھانا لے آؤ۔ آواز دے کر کہا کہ حضرت نے کھانا منگایا ہے کھانا دے دو، بس پھر کیا تھا حضرت کو خوب بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ پہلے سے کیوں نہیں منگایا۔ ایک گھنٹہ سے کھانا لئے بیٹھی ہوں اور وہاں مجلس ملفوظات وارشادات ہو رہی ہے بڑے پیر بنے بیٹھے ہیں اور ہمیں اذیت پہنچا رہے ہیں بندوں کے حقوق کا خیال نہیں، پیر کیا ہے مکّار ہے وغیرہ وغیرہ، کابلی نے تو چھُرا نکال لیا مگر پھر خیال آیا کہ یہ تو میرے شیخ کی بیوی ہے اس لئے فوراً رکھ لیا اور اپنی زبان میں کہا تم ہمارے شیخ کا بی بی ہے اس لئے چھوڑ دیا ورنہ ابھی کام تمام کر دیتا اور آکر عرض کیا حضرت ایسی کڑوی عورت سے آپ نے کیوں شادی کی۔ فرمایا کہ بیوقوف یہ سارے عالم میں مظہرِ جانِ جاناں کا جو ڈنکا پٹ رہا ہے یہ اسی عورت کی برکت سے۔ ہے، اس کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہوں اور اس صبر پہ اللہ تعالیٰ نے مجھے استقامت عطا فرمائی ہے یہ اسی کا انعام ہے۔

دوستو! ایمان لانے کے بعد اللہ کے راستہ پر جمے رہنا اسی کا نام استقامت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

گھڑی میں اولیاء اور گھڑی میں بھوت بننے والے تو بہت سے ہیں

کچھ دن تو بالکل فرشتے بن گئے اور جب نفس کا غلبہ ہُوا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بالکل شیطان بن گئے۔ جب غصہ چڑھا تو پھر یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں کون ہوں اور میرا اللہ کون ہے۔ پھر ان کو پتہ ہی نہیں رہتا کہ میں ابھی تلاوت کر رہا تھا اور رات کو تہجد بھی پڑھی ہے اور اشراق بھی پڑھی ہے غصہ میں بس ایک دم شیطان ہو گئے اور پٹائی شروع کر دی جو منہ میں آیا بکنا شروع کر دیا۔

اس وقت آدمی بالکل شیطان ہو جاتا ہے کیونکہ شیطان آگ سے پیدا ہے اور حدیث میں ہے کہ غصہ بھی آگ سے پیدا ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر رُوح المعانی (ص۹۵ ج ۱) میں حدیث نقل کرتے ہیں:

اِتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تَتَوَقَّدُ فِيْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ

غصہ سے بچو کیونکہ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ابنِ آدم کے دل میں سُلگتا ہے۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دلیل بیان فرمائی کہ غصہ کا مادہ اور اس کے اجزاء آگ سے بنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اِلَى انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَ حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس پر غصہ چڑھتا ہے اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں لال ہو جاتی ہیں۔ آنکھیں بتاتی ہیں کہ اندر آگ ہے آگ جل جائے تو شیشہ کے باہر سے لال لال آگ نظر آتی ہے۔ آنکھیں شیشہ ہیں یہ بتاتی ہیں کہ دل میں آگ لگی ہُوئی ہے اور دُوسری دلیل اِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ بیان فرمائی یعنی اس کی گردن کی رگیں بھی پھُول جاتی ہیں۔

تو غصہ میں گویا آدمی شیطان ہو جاتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہُوا اور غصہ میں دل میں آگ لگ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو حدیثِ پاک سُنائی۔ لہٰذا غصہ میں جو شیطانی کام بھی پیدا ہو جائے وہ بعید نہیں ہے۔

غصہ میں ایسے خطرناک اعمال لوگوں سے ہوتے ہیں کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ غصہ میں لوگوں نے اللہ کو گالی دے دی۔ شریعت کو گالی دے دی۔ مسلمان سے کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ۔ غصہ میں انسان اپنے ماں باپ سے لڑ جاتا ہے۔ اپنی بیوی پر حد سے زیادہ سختی کر دیتا ہے، ظلم کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی آہ لیتا ہے۔ غصہ میں بیوی شوہر کے ساتھ گستاخی کر جاتی ہے، اور بیٹا باپ سے، شاگرد اُستاد سے، مُرید شیخ سے، اُمتی نبی سے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے لڑ جاتا ہے یہ ایسی خطرناک بیماری ہے، اس خطرناک بیماری سے انسان اپنے بڑوں کی شفقتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر شاگرد اُستاد سے لڑ جائے گا تو کیا استاد اس پر شفقت کرے گا؟ جو بھی اپنے بڑوں کا ادب کرے گا اپنے بڑوں کی عنایات سے مالا مال ہو جائے گا۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے بڑوں کے معاملہ میں ایک دم پانی ہو جائیں جیسے چاہیں وہ ہم پر ناز دکھائیں ہم اس کو برداشت کریں۔ اختر بھی آپ سے دُعا چاہتا ہے۔

ہزاروں واقعات ہیں کہ غصہ کی بیماری کی وجہ سے ہزاروں گھر برباد ہو گئے۔ ابھی کچھ دن پہلے میرا سفر ٹنڈو جام کا ہوا۔ اسی سال کے ایک بڑے میاں آئے، کہنے لگے کہ میرے داماد نے میری بیٹی کو تین طلاق دیدی اور اس کے آٹھ لڑکے ہیں اور نواں بچہ پیٹ میں ہے۔ سُنئے ذرا۔ ایک تو جوانی میں کوئی غلطی کر دے تو کہہ دیتے ہیں کہ ناسمجھی سے کم عقلی سے ایسا ہو گیا لیکن یہ تو بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے اور تبلیغ میں بھی جاتے رہتے ہیں۔ اب ان کو بھی دورے پڑ رہے ہیں کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوٹ گئے۔ غصہ میں تو انسان کو اپنی نالائقی کا پتہ ہی نہیں رہتا۔ اب بعد میں ہوش آیا کہ میں

نے کیا بے وقوفی کی کہ بیوی کو ہمیشہ کے لئے جُدا کر دیا۔ اور بچے بھی تمام عمر کوسیں گے کہ کیسا ظالم باپ تھا کہ جس نے ہماری ماں کو اس عمر میں آکر طلاق دی۔ سارے گھر میں آگ لگ گئی، اب اس شوہر کو خود اتنا غم ہے کہ دورے پڑ رہے ہیں، دل کی بیماری ہو گئی۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے۔ اب پچھتائے کیا ہو جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

دوستو! غصہ بہت خطرناک چیز ہے اس کے علاج میں دیر نہ کرنی چاہئے ورنہ دیکھ لیجئے۔ ایسی عمر میں بڑھاپے میں نو بچوں کا باپ اور بچے بھی بڑے بڑے ایک بچہ تو اتنا بڑا ہے کہ نوکری کرتا ہے۔ غصہ میں پورے گھر کو تباہ کر دیا اور غصہ بھی کس بات پر آیا۔ یہ بھی سُن لیجئے آپ کہیں گے کہ کوئی بڑی اہم بات ہو گی۔ بچہ نوکری پر نہیں گیا، طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ باپ نے پوچھا کہ نوکری پر کیوں نہیں گئے اس نے کہا کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بس جوتے سے پٹائی شروع کر دی کہ تو بہانہ بازی کرتا ہے یہ بدگمانی بھی کی، کسی کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں۔ بیٹے کے منہ سے بھی کچھ نکل گیا۔ ماں نے سفارش کر دی کہ کیوں میری اولاد کو پیٹتے ہو؟

ماں کو محبت زیادہ ہوتی ہے جب باپ پٹائی کرتا ہے تو ماں سفارش کرتی ہے۔ وجہ کیا ہے؟ کہ نو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے ابا جان پیٹ میں نہیں رکھتے اور اپنا خون پلاتی ہے دو سال دُودھ پلاتی ہے اور دُودھ خون سے بنتا ہے۔ جو نو مہینے پیٹ میں رکھے اور اپنا خون پلائے اسے ترس نہ آئے گا؟ اس نے کہا کہ مہربانی کر کے میرے بچے کو معاف کر دو، حالانکہ بچہ تو باپ کا بھی ہوتا ہے لیکن ماں اپنی طرف نسبت زیادہ کرتی ہے کہ تم میرے بیٹے کو قصائی کی طرح کیوں مار رہے ہو۔ بس اس پر اس نے کہا کہ اچھا میں تو اس کو ٹھیک کر

رہا ہوں تو میرے کام میں دخل دے رہی ہے لہٰذا تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ گویا پستول کی تین گولیاں لگادیں، دونوں گھر برباد ہو گئے۔ لڑکی والے کا گھر اور لڑکے والے کا گھر دونوں میں آگ لگ گئی۔ اب دونوں کو دل کے دورے پڑ رہے ہیں بس عبرت کا مقام ہے۔ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کراتا خود بھی برباد ہوتا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی برباد کرتا ہے۔ اصلاح کے بغیر کام نہیں بنتا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آرام باغ کے پاس مسجد باب الاسلام میں ایک نوجوان دُعا مانگ رہا تھا اور ایسا گڑگڑا کے دُعا مانگ رہا تھا کہ میں اس کا معتقد ہوگیا اور اس کے چہرہ کی زیارت کو میں نے اپنے لئے نعمت سمجھا کہ یہ تو جوانی میں ہی ولی اللہ معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک بڑے میاں جن کو کم نظر آتا تھا مسجد سے جارہے تھے ان سے اس نوجوان کو ذرا سا دھکا لگ گیا پیر لڑکھڑا گئے۔ بڑھاپے میں پیر بھی کانپنے لگتے ہیں تو وہ صاحب جو ابدال لگ رہے تھے، قطب الاولیاء معلوم ہو رہے تھے بولے کہ ابے او نالائق اُلو سوجھائی نہیں دیتا اندھا کہیں کا۔ بڈھا ہوگیا اور ابھی تک اتنی تمیز نہیں تجھ کو مجھے دھکا لگا دیا۔ ہاتھ بھی اللہ کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ایک بے چارے بوڑھے کو گالیاں بھی بک رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس اتنی عبرت ہوئی کہ ہائے میں تو اس کو ولی اللہ سمجھ رہا تھا مگر یہ تو شیطان کا بھی دادا نکلا کہ ایک بوڑھے شخص کے ساتھ ایسی بدتمیزی کر رہا ہے۔

اس لئے اصلاح ضروری ہے لوگ کہتے ہیں کہ بس بخاری شریف پڑھنے سے اصلاح ہو جائے گی۔ ارے میاں اگر صرف تلاوتِ قرآن سے اصلاح ہو

جاتی تو نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا اور تزکیہ کی نسبت نبی کی طرف کیوں کی گئی ۔ وَيُزَكِّيهِمْ کہ ہمارے نبی تمہاری اصلاح کریں گے ۔ اصلاح کی نسبت نبی کی طرف ہے اور پھر نائبین انبیاء کی طرف ہے ۔ آدمی آدمی بناتا ہے کتاب خود سمجھ میں نہیں آسکتی کتاب اللہ کے لئے رجال اللہ پیدا کئے جاتے ہیں ۔ دیکھئے سُورۃ فاتحہ کی تفسیر معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے کہ :۔ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے رجال اللہ کی ضرورت ہے ۔ اور کتاب پر عمل کرنے کے لئے ہمت کا پیٹرول بھی انہی مردانِ خدا کے سینوں سے عطا ہوتا ہے ۔ اگر نبی وقت زندہ ہے تو نبی کے سینہ سے اور اگر نبی زندہ نہیں ہے دُنیا سے تشریف لے گیا تو اس کے نائبین کے سینوں سے ۔ اور جنہوں نے رجال اللہ کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو سمجھنا چاہا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دُوسروں کو بھی گمراہ کیا ۔ صراط منعم علیہم کو چھوڑ کر دین نہیں مل سکتا ۔

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا تھا کہ ہم حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے جو مُرید ہوئے ہیں تو ہم نے ان سے مسئلہ پُوچھنے کے لئے مُریدی نہیں کی مسئلہ تو حاجی صاحب ہم سے پوچھیں گے لیکن ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے توفیق اور ہمت کا پیٹرول حاجی صاحب سے ہم لینے گئے تھے دیکھئے اتنے بڑے بڑے عُلماء بھی اہل اللہ سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہُوئے ۔ بس سبق لینے کی بات ہے ۔

تو میرے دوستو ! اصلاح کے لئے کسی مصلح سے تعلق ضروری ہے لیکن اللہ والوں کی دوستی ان کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور ان کی صُحبت میں رہنا ہی کافی نہیں ان کو اپنے حالات بتانا پھر ان کے مشوروں کی اتباع بھی ضروری ہے ۔ صُحبت کے حقوق بھی تو ہوتے ہیں ، یہ نہیں کہ ان کی مُرغ کی دعوت کر دی یا چائے

پلادی اور اصلی مکھن کھلا دیا اور سمجھے کہ ان کی صحبت کا حق ادا ہوگیا۔

صُحبتِ اہلُ اللہ کے حقوق میں سے ہے کہ اپنے حالات ان سے بیان کئے جائیں پھر ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔ اطلاع اور اتباع ہو اخلاص کے ساتھ۔

اب غصہ کا ایک علاج بتاتا ہوں۔ غصہ کے علاج کا ایک پرچہ چھپا ہُوا ہے خانقاہ سے آپ وہ بلا پیسہ مُفت حاصل کریں۔ بلا پیسہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس میں پیسہ ہی نہیں لگا۔ پیسہ لگا ہے جس کا لگا ہے جس نے اللہ کے لئے خرچ کیا ہے لیکن آپ کو مُفت مل جائے گا۔ اس میں چھ سات نمبر ہیں وہ آپ بعد تقریر خانقاہ سے حاصل کرلیں۔

مختصر سا علاج عرض کرتا ہوں کہ جب غصہ آجائے تو فوراً اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ پڑھیں لیکن ذرا دائیں بائیں بھی دیکھ لیں کیونکہ آج کل عجیب معاملہ ہے کہ اگر کسی شخص پر غصہ چڑھا اور آپ نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ تو بعض آدمی لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتا ہے کہتا ہے کہ اچھا آپ نے مجھے شیطان بنادیا۔ حالانکہ اعوذ باللہ میں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ اور حفاظت طلب کی جارہی ہے شیطان کے شر سے۔ لیکن جہالت کا کیا علاج۔

اسی طرح لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ کے اندر خاصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔ لَاحَوْلَ کے معنی ہیں نہیں طاقت ہے گناہ سے بچنے کی اور وَلَا قُوَّةَ کے معنی ہیں نہیں طاقت ہے نیک عمل کرنے کی اِلَّا بِاللّٰہِ مگر اللہ کی مدد سے۔ حدیث پاک میں بشارت ہے کہ اس کو پڑھنے سے توفیق کا خزانہ مل جاتا

ہے۔ اس کو کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ فرمایا گیا کہ یہ جنت کا خزانہ ہے۔ (بخاری شریف ص ۱۰۹۹ ج ۲)

محدثین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ کیونکہ اس سے گناہ سے بچنے کی اور نیک عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے لہٰذا جنت تو پھر مل ہی جائے گی۔ جنت کے دو ہی خزانے ہیں، نیک عمل اور گناہ سے بچنا۔ اور دونوں اس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے لیکن آپ راستے میں کہیں جا رہے ہوں اور آپ کے اندر کسی گناہ کا تقاضا ہو رہا ہو اور آپ پڑھ دیں " لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ " تو اس کو سُن کر بعض آدمی آپ سے لڑنے لگے گا کہ آپ نے مجھے دیکھ کر لاحول پڑھا، مجھے شیطان بنا دیا۔ اب یہ غلط چیز مشہور ہو گئی کہ لاحول شیطان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے آدمی لڑنے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہ نادانی ہے کیونکہ اس کے معنی اس کو معلوم نہیں فوراً کہتا ہے کہ آپ نے مجھ پر لاحول پڑھ دیا۔ اوہ! معلوم ہوتا ہے کہ بڑی خطرناک گالی دے دی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ لہٰذا اس کو سُن کر بُرا نہیں ماننا چاہئے یہ اللہ سے مدد لینے کا وظیفہ ہے۔

تو غصہ کے وقت اعوذ باللہ پڑھ لے اور جس پر غصہ آرہا ہے وہاں سے ہٹ جائے یا اس کو ہٹا دے۔ اس سے کہہ دے کہ آپ اس وقت میرے سامنے سے چلے جائیں لیکن بعض وقت اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ہم اس کو ہٹا سکیں ایسے وقت میں خود ہی وہاں سے بھاگ جائے، مسجد چلا جائے وضو کرلے اور دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر دُعا کرلے، پانی غصہ کا علاج ہے وضو کر لو اور پانی بھی پی لو۔ کیونکہ آگ جب لگتی ہے تو پانی ہی سے تو بجھتی ہے یہ

حدیثوں کے علاج میں کہ جس پر غصہ چڑھے وضو کرلے، اور اگر کھڑا[۲] ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس طرح وہ انتقام لینے سے دُور ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مارنے کے لئے کھڑے ہو کر دوڑنا آسان تھا اور اب جب بیٹھ گیا تو انتقام سے ایک درجہ دُور ہو گیا۔ اب بیٹھ کر دوبارہ اُٹھنے سے تھوڑی سی تو کاہلی لگے گی اور اگر لیٹ گیا تو انتقام سے تین درجہ نیچے آگیا۔ کہے گا کہ لیٹ کر بیٹھوں اور بیٹھ کر کھڑا ہوں اور پھر دوڑوں مارنے کے لئے۔ چلو جانے دو۔ (۱ مشکوٰۃ ص۴۳۴) (۲ کنز الاعمال ص۸۲۸ ج۳)

حدیث کی ترتیب دیکھئے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور وضو کا بھی حکم فرمادیا تاکہ مزاج ٹھنڈا ہو جائے اور اللہ کے عذاب کو سوچے کہ جتنا غصہ مجھے اس پر آرہا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جاویں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہے اور جتنی طاقت مجھے اس پر ہے اس سے زیادہ طاقت و قدرت خدا کو مجھ پر ہے، اس وقت خدا کو یاد کرے اگر اس وقت خدا یاد نہیں آتا اور غصہ کی حالت میں خدا کا عذاب، خدا کی پکڑ کسی کو یاد نہیں رہتی اور غصہ والا کہتا بھی یہی ہے کہ صاحب ہمیں تو کچھ یاد نہیں رہتا یہی دلیل ہے کہ اس وقت وہ شیطان کے قبضہ میں چلا گیا چاہے سید صاحب ہوں، مولوی صاحب ہوں، صُوفی صاحب ہوں، واعظ صاحب ہوں یا کوئی صاحب ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ مومن ہو کر ہم نے اس وقت خدا کو بھلا دیا اور بنتے ہیں صُوفی۔ تسبیحات بھی ہیں گریہ وزاری بھی ہے۔

ارے ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ چاہے اس کو کتنا ہی رونا آئے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق میں وہ خدا کو یاد نہیں رکھتا تو کیا اس کے آنسو ہیں۔ حالتِ غضب

میں سوچے کہ ہم کس کے بندے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان سے دیکھ رہا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اُمیدوار تو بنے ہوئے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ہمیں اپنی رحمت سے بخش دے لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا نہیں آرہا ہے یہاں ہم بالکل بے ہوش ہو جاتے ہیں کہ کوئی ذرا سا ستا دے تو بغیر انتقام لئے چین نہیں آتا۔

علامہ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اِنَّ الْوَلِيَّ لَا يَكُوْنُ مُنْتَقِمًا وَالْمُنْتَقِمُ لَا يَكُوْنُ وَلِيًّا

اللہ کا ولی انتقام لینے والا نہیں ہوتا اور انتقام لینے والا اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

جو اللہ کے بندوں پر رحم کرنا نہیں جانتا وہ کس منہ سے اللہ کی رحمت کا امیدوار بنتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرما دی کہ اگر تم اپنی مغفرت چاہتے ہو، اگر تم مجھ سے میری رحمت چاہتے ہو تو میرے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دو۔

لیکن اگر کسی سے بار بار غلطی ہو جاتی ہے تو مایوس ہرگز نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ غصہ اُترنے کے بعد فوراً اس کی تلافی کرے۔

حضرت حکیم الامت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کو جو غصہ سے بار بار مغلوب ہو جاتے تھے یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب غصہ اُتر جائے تو جس پر غصہ کیا ہے مجمع عام میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے اس کے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھئے۔ ایک دوبار ایسا کرنے سے ہی نفس کو عقل آجائے گی اور پھر یہ غلطی نہیں کرے گا کہے گا کہ غصہ کے بعد تو بہت ذلت اٹھانی پڑتی ہے لہٰذا ایسے غصہ سے میں باز آیا۔

یہ چند علاج ہیں کہ جس پر غصہ آرہا ہے اس سے الگ ہو جائے، دور چلا جائے، ٹھنڈا پانی پی لے، وضو کرلے، اور اللہ کے غضب اور اس کی پکڑ کو یاد کرے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو یہی سکھایا تھا جیسا کہ ابھی حدیث پاک سنائی گئی۔

اور غصہ کے وقت یہ سوچے کہ اگر میری خطاؤں پر اللہ تعالیٰ گرفت فرمانے لگیں تو میں کیا چاہوں گا؟ یہی کہ میری معافی ہو جائے، اللہ مجھے معاف کر دے۔ بس جب میں اپنے لئے معافی کو پسند کرتا ہوں تو مجھ کو بھی اس شخص کو معاف کر دینا چاہئے۔ اور یہ شخص میرا اتنا خطاوار نہیں جتنا میں حق تعالیٰ کا مجرم اور خطاکار ہوں اور حق تعالیٰ کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ ان کے حلم نے مجھے بچا رکھا ہے ورنہ اگر وہ چاہیں تو ابھی زمین کو پھاڑ دیں اور زمین کے اندر مجھے دھنسا دیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ عفو و کرم کا یہ معاملہ ہے اور میں ان کی معافی کا ہر وقت محتاج ہوں تو کیوں نہ اس شخص کو معاف کر دوں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کوئی وقت مقرر کر کے روزانہ کچھ دیر اپنے عیوب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے کہ کائنات میں سب سے زیادہ حقیر اور بُرا میں ہوں۔ اس سے تکبّر کی جڑ کٹ جائے گی اور جب تکبّر ختم ہو جائے گا تو غصہ بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ غصہ کا سبب کبّر ہی ہے اور غصہ کے وقت یہ سوچے کہ میں تو سب سے بُرا ہوں اس لئے اپنے سے بہتر پر غصہ کرنے کا مجھے کیا حق ہے۔

ایک وظیفہ بھی ہے جس سے غصہ میں کمی آجاتی ہے۔ ۲۱ مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر نماز کے بعد پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لے اور کھانا کھانے کے وقت تین تین بار پڑھ کر کھاتے پر بھی دم کرلے اور

پانی پر بھی دم کر لے۔ اللہ کی شانِ رحمت کا اس پر ظہور ہو جائے گا کیونکہ مٹی سورج کی شعاعوں سے سفید اور روشن معلوم ہوتی ہے اور جہاں سورج کی شعاع نہیں ہے وہاں تاریک اور بے نور ہوتی ہے۔ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا آفتاب اس پر اپنی کرن ڈال دے گا، رحمت کی کوئی شعاع آ جائے گی انشاء اللہ اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ یہ وظیفہ بزرگوں کا بتایا ہوا ہے۔ جیسا مرض ہو اس کے مناسب اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام انتخاب کرلو حق تعالیٰ کی اسی صفت کا ظہور پڑھنے والے پر ہو جائے گا۔ مثلاً بیمار ہے تو یَاسَلَامُ پڑھے، اس پر سلامتی کا ظہور ہوگا۔ مفلس ہے تو یَا مُغْنِیْ پڑھے، حق تعالیٰ کی صفت غناء کا ظہور ہوگا۔ اسی طرح اللہ کا نام رحمٰن ورحیم ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے سے شانِ رحمت کا ظہور ہو گا اور اس کا غیظ و غضب کم ہو جائے گا۔ بے جا غصہ نہیں آئے گا۔

اسی لئے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم بتاتے ہیں کہ چلتے پھرتے کثرت سے یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ پڑھتا رہے لیکن اتنا زیادہ نہ پڑھے کہ دماغ گرم ہو جائے بلکہ اپنی طاقت وتحمل کے مناسب پڑھے بس چلتے پھرتے کبھی کبھی کہہ لیا کرے یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ۔ یہ نہیں کہ مشین کی طرح زبان چلے جا رہی ہے آج کل قویٰ کمزور ہو گئے ہیں زیادتی وظائف سے دماغوں میں خشکی پیدا ہو رہی ہے یہاں تک کہ بعض لوگ پاگل ہو گئے اس لئے اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ کوئی وظیفہ بھی ہو طاقت سے زیادہ نہ پڑھیں بلکہ کسی مصلح سے مشورہ بھی کر لیں۔

اچھا ۲۱ مرتبہ بسم اللہ الخ پڑھنا اگر کسی کو مشکل ہوتا ہے تو چلو سات مرتبہ پڑھ لو، سات مرتبہ بھی مشکل لگے تو تین مرتبہ پڑھ لو، کیونکہ آج کل کراچی میں بڑی

مصروفیت ہے۔ دیہاتوں میں تو یہ وظیفہ زیادہ بھی بتادو تو وہ کہیں گے کہ صاحب یہ تو بہت کم ہے کیونکہ ان کے قویٰ بھی مضبوط ہوتے ہیں اور وقت بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن کراچی والے کہتے ہیں کہ ۲۱ مرتبہ بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک تاجر سے بات ہورہی تھی، کہنے لگے کہ صاحب مجھے تو کراچی میں مرنے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا جی ہاں آپ کو مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے موت کا فرشتہ جب آئے گا تو سیٹھ صاحب سے مشورہ کرے گا کہ حضور آپ کو مرنے کی فرصت ہے یا نہیں؟ جان نکالوں یا نہ نکالوں، ابھی آپ "بزی" تو نہیں ہیں کہیں گے کہ "بزی" ہوں۔ وہ کہے گا اچھا "بزی" ہو مگر میں "بز" ہی بنا کے رہوں گا۔ بُز کے معنی بکری یعنی ابھی رُوح نکالتا ہوں۔ عزرائیل علیہ السلام شیروں کو بکری بنادیتے ہیں۔ رُوح ایسے نکالتے ہیں کہ پہلوان بھی دھڑام سے گر پڑتا ہے، کوئی کتنا ہی بڑا پہلوان ہو موت کے سامنے اس کا کیا داؤ چلے گا؟

اور یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بھی چلتے پھرتے پڑھتا رہے جس کو غصہ کی بیماری ہو۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ کتنی ہی زبردست مصیبت کسی کو ہو، کتنی ہی پریشانی ہو، قرضہ کی ہو یا بیٹی کا رشتہ نہ مل رہا ہو، کوئی دشمن ستا رہا ہو یا کوئی بھی مصیبت ہو تو پانچسو مرتبہ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھے اوّل آخر درود شریف۔ انشاء اللہ چالیس دن بھی نہیں گذریں گے کہ اس کی مصیبت دُور ہوجائے گی اور حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کہتا ہے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجتے ہیں جو کہتا ہے کہ اے شخص! ارحم الراحمین اپنی شانِ رحمت سے تیری

طرف متوجہ ہیں بول کیا مانگتا ہے؟ اس وظیفہ سے غصہ بھی ٹھنڈا ہوگا اور دُنیاوی کام بھی بنیں گے، مشکلات دُور ہوں گی۔

اچھا ۵۰۰ بار نہ بن سکے تو ۱۱۱ دفعہ پڑھ لیں ۱۱۱ دفعہ پڑھنا مشکل ہو تو ۷۰ دفعہ پڑھ لیں، ۷۰ دفعہ مشکل ہو تو ۷ دفعہ پڑھ لیں۔ سات دفعہ پڑھنا مشکل ہو تو تین دفعہ پڑھ لیں اور تین دفعہ بھی مشکل ہو تو ایک ہی دفعہ پڑھ لیں بہت بڑا نام ہے ان کا۔ ان کو محبت و اخلاص سے ایک دفعہ پکارنا بھی خالی نہیں جائے گا۔ اب بتاؤ اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوگی بہت ہی ظالم ہوگا وہ شخص جو ایک دفعہ کہنے سے بھی کاہلی کرے۔ کتنا نزول ہے۔

اگر اللہ والوں کی جوتیاں اختر نے نہ اُٹھائی ہوتیں تو اتنا نزول کرنا مشکل تھا پانچ سو سے کم نہ کرتا۔ لیکن چونکہ اللہ کے فضل سے بزرگوں کی صحبتیں اٹھائیں کان میں ان کی باتیں پڑی ہوئی ہیں۔

میرے شیخ نے سُنایا تھا کہ حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ نے مجھے (یعنی حضرت شیخ پھولپوریؒ کو) لکھا کہ ستر مرتبہ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا پڑھ لیا کرو۔ اس وقت حضرت شیخ پھولپوریؒ جون پور میں پڑھاتے تھے۔ تو حضرت نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ میں تو سولہ سبق پڑھاتا ہوں، بالکل ہی تھک جاتا ہوں۔

حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا کہ اچھا اگر ستر مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو آپ سات مرتبہ پڑھ لیا کریں اور ایک پر دس کا وعدہ ہے فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا سات کو دس سے ضرب دو، آپ کو ستر کا ثواب مل جائے گا۔ بزرگوں کے ارشادات کی روشنی ہی میں یہ پیش کیا ہے کہ پانچ سو مرتبہ نہ سہی تو ۱۱۱ بار سہی۔ ایک سو گیارہ کَافِیْ کا ابجد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک کَافِیْ ہے۔ ایک سو گیارہ مرتبہ اگر پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ کے نام

کَافِیْ کا عدد پورا ہوگیا۔ اس کے لئے اللہ انشاءاللہ کافی ہو جائے گا۔ اور یہ نہ ہوتو ستر مرتبہ بھی بعض اوراد کا پڑھنا حدیثوں میں آتا ہے اور سات مرتبہ بھی آتا ہے اور کم سے کم تین دفعہ پڑھنا سنّت ہے اس لئے کم سے کم تین دفعہ تو پڑھ ہی لے سنت کی نیت سے۔

اور بعض نے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ الخ سات مرتبہ پانی پردم کرکے پی لیا اس آیت کی برکت سے ان کا غصہ ٹھیک ہوگیا۔ اور درُود شریف پڑھنا بھی بہت مفید ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کو سوچا کرے کہ ہمیں بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے رحمت لینا ہے اس لئے اللہ کے بندوں کی خطاؤں کو معاف کردے۔ خود تکلیف اٹھالے اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے اور یہ نیک بندوں کی علامات میں سے ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ نیک بندے کون ہیں؟ قرآن پاک کی ایک آیت ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۔ اَبْرَارٌ جمع ہے بَرٌّ کی۔ بَرٌّ معنی نیک۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ ابرار کی تفسیر فرماتے ہیں اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْذُوْنَ الذَّرَّ نیک بندے وہ ہیں جو چیونٹیوں کو بھی اذیت نہ دیں اور وَلَا یَرْضَوْنَ الشَّرَّ ۔ اور اللہ کی نافرمانی سے ناراض رہیں خوش نہیں ہوتے۔ اگر دوسرے کو بھی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ لیں تو دل میں دکھ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہائے یہ میرے اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ نیک بندوں کی دو علامات ہوئیں:

۱: وہ چیونٹیوں کو بھی اذیت نہیں دیتے۔ اور

۲: اللہ کی نافرمانی سے راضی نہیں ہوتے۔

اس لئے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً غصہ کی حالت میں۔ کیونکہ غصہ میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اس لئے غصہ میں آدمی دُوسرے کو زیادہ اذیت پہنچا دیتا ہے۔

اچھا جس کو طاقت زیادہ ہوتی ہے اسی کو غصہ بھی زیادہ آتا ہے لیکن اگر اس کی طاقت سے زیادہ طاقت والا آجائے تب اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر احسن صاحب ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب میں غصہ میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ تو ہنس کر کہنے لگے کہ غصہ بہت چالاک ہے پاگل نہیں ہوتا کیونکہ جس کو غصہ چڑھا ہے اگر اس سے دوگنا طاقت والا آجائے چھرا یا پستول لئے ہوئے تو جن کو غصہ چڑھا ہوا تھا اور جو ابھی کہہ رہے تھے کہ میں غصہ میں پاگل ہو گیا ہوں ان کو ایسی عقل آجائے گی کہ ایسا تیز بھاگیں گے کہ پوچھو مت، تو یہ غصہ پاگل نہیں ہے بڑا چالاک ہے۔ غصہ اپنے سے کمزوروں پر پاگل ہوتا ہے جب اس سے زیادہ طاقت والا کوئی پہلوان آجائے جس کو دیکھتے ہی یہ سمجھ لے کہ یہ ہمیں گرا دے گا وہاں اس کو ایک دم عقل آجائے گی۔ ہاتھ جوڑے گا، پاؤں پکڑے گا اور رونے بھی لگے گا اور کہے گا کہ معاف کر دو، سارا غصہ غائب، ایسا غائب جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

لیکن جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ حالتِ غضب میں بھی اپنے نفس پر غالب رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے طاقت ور تھے قرآن میں اعلان ہو رہا ہے کہ آپ نے ایک قبطی کو ایک گھونسہ مارا فَقَضٰى عَلَيْهِ ایک ہی گھونسہ میں اس کا کام تمام ہو گیا۔ جس کے گھونسہ میں اتنی طاقت ہو اس سے ان کی قوت کا اندازہ لگالیں۔ اور ایک بار اللہ کے حکم سے پتھر کی

چٹان پر ڈنڈا مارا تو چٹان اُڑ گئی، دُوسری بار مارا تو دوسری تہہ اُڑ گئی، تیسری بار ان کی لاٹھی کی ضرب سے چٹان جب اُڑی ہے تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک کیڑا تھا جس کے منہ میں ایک ہرا پتہ تھا، وہ اپنا رزق کھا رہا تھا اور تین چٹانوں کے اندر کہیں کوئی سوراخ بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانا تھا کہ ہم رزق ایسے پہنچاتے ہیں۔

رُوح المعانی میں وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ الخ کی تفسیر کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اللہ ساری دنیا کو رزق کس طرح دیتا ہے؟ یہ شک وشبہ نہیں تھا، انبیاء کو شک وشبہ نہیں آتا ان کا ایمان کامل ہوتا ہے بس ایک خیال آیا تھا تفصیل جاننے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت حکم دیا کہ اس چٹان پر لاٹھی مارو۔ جب تین چٹانیں اُڑ گئیں تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک کیڑا ہرا پتہ کھا رہا ہے اور وہ کیڑا ایک وظیفہ بھی پڑھ رہا ہے۔ ذرا اس کا وظیفہ بھی سن لیجئے وہ اللہ میاں کو یاد کر رہا تھا تیسرے پتھر کی چٹان کے نیچے چھپا ہوا کیا کہہ رہا تھا؟ سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِيْ پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے، پاک ہے وہ جو تین چٹانوں کے نیچے چھپے ہوئے ایک کیڑے کو دیکھ رہا ہے وَيَسْمَعُ كَلَامِيْ اور جو میری بات کو سنتا ہے وَيَعْرِفُ مَكَانِيْ اور جو میرے رہنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے وَيَذْكُرُنِيْ وَلَا يَنْسَانِيْ اور جو ہمیشہ مجھ کو یاد رکھتا ہے اور کبھی مجھ کو نہیں بھولتا کہ کسی وقت روزی نہ ملے۔ (ص۲ ج ۱۲)

تو جن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتنی طاقت تھی انہیں کے ریوڑ سے نبوت ملنے سے پہلے ایک بکری بھاگ گئی۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے مفسر ہیں اپنی تفسیر کبیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بکری ان

کے ریوڑ سے بھاگ گئی اس کو پکڑنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام دوڑے۔ وہ بھاگتے بھاگتے میلوں دوڑ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی لئے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں کانٹوں سے آپ کے پاؤں مبارک لہولہان ہو گئے اور بکری کا بھی یہی حال ہو گیا۔ تمام کانٹے چبھ گئے، اس کے پاؤں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ آخر میں وہ تھک گئی اور کھڑی ہو کر ہانپنے لگی تب آپ نے اس بکری کو پکڑ لیا۔ بتائیے اگر ہم آپ پکڑتے تو کیا کرتے نہ معلوم اس کی کتنی پٹائی کرتے بلکہ چھری سے ذبح ہی کر ڈالتے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا؟ اپنے کانٹوں سے پہلے اس کے کانٹے نکالے اور اس کے پیر دبانے لگے۔ اس کے بعد اس کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اور جہاں سے وہ بکری بھاگی تھی اس جگہ تک پہنچا دیا۔ اس وقت آپ کو غصہ نہیں آیا بلکہ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ اے بکری اگر تجھ کو موسیٰ پر رحم نہیں آیا تو اپنے اُوپر تو رحم کرتی، تُو نے اپنے کو اتنی مصیبت میں کیوں ڈالا؟

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ فرشتوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے گذارش کی یا اللہ یہ شخص نبوت کے قابل معلوم ہوتا ہے اتنا صبر، اتنی برداشت، اتنا حلم۔ اے اللہ اپنی رحمت سے آپ اس کو نبی بنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو نبوت کے لئے منتخب کیا ہُوا ہے یہ ہمارے علم میں نبی ہیں، جن کے درجے بلند ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قوتِ برداشت عطا کرتا ہے۔ یہ کیا کہ ذرا سا غصہ آیا اور پاگل ہو گئے۔

حضورﷺ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ

نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری صفحہ ۹۰۳ ج ۲)

پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

ایک دیہاتی صحابی جو ابھی نیا نیا اسلام لائے تھے ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مسجد کے آداب کیا ہیں وہ آئے اور مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ دوڑے کہ ہیں ہیں کیا کر رہے ہو اور اس کو ڈانٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاتُزْرِمُوْہُ اس کا پیشاب منقطع نہ کرو یعنی اس کو پیشاب کرنے سے منع مت کرو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب اطمینان سے وہ فارغ ہوگیا تو آپ نے اس کو اپنے پاس بُلایا اور نرمی سے سمجھایا کہ مساجد اللہ کے ذکر اور نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہوتی ہیں۔ مساجد میں پیشاب کرنا اور گندگی پھیلانا بُری بات ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بالٹی پانی لاؤ اور پیشاب پر بہا دیا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۳۸ ج ۱ کتاب الطہارۃ)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خُطباتِ مدراس میں لکھتے ہیں کہ ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے پیغمبر جیسی برداشت، صبر اور تحمل کامل کہیں نہیں پائی۔ کیونکہ ایسے وقت میں جب کسی کی مقدس جگہ کوئی پیشاب کرنے لگے تو انسان کی عقل ٹھیک نہیں رہتی لیکن مسلمانوں کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ عقل سے میں کافر ہو کر حیران ہوں کہ آپ نے کس طرح اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اپنی حسنِ تدبیر سے پوری مسجد کو ناپاک ہونے سے بچا لیا۔ اس وقت عقل کا تقاضا بھی یہی تھا کیونکہ اگر اس حالت میں اس کو دوڑا لیا جاتا تو ساری مسجد ناپاک ہوجاتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل سے کام لیا جس سے تھوڑی سی جگہ ہی ناپاک ہوئی جو آسانی سے

پاک ہوگئی۔

اس سے منشا یہ بتلانا ہے کہ تحمل بہت بڑی چیز ہے۔ اُونٹ چرانے والی قوم کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے صدقہ میں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خُود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین ہیں۔ ساڑھے دس سال خلافت کی جن کے نام سے عیسائی ملکوں کے بادشاہ کانپتے تھے، قیصر و کسریٰ کے جھنڈے سرنگوں ہو جاتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اے عمر! تُو اُونٹ چرایا کرتا تھا، یہ سیّد الانبیاء محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُوتیوں کا صدقہ ہے کہ آج اے عمر تو سلطنت کر رہا ہے، امیر المؤمنین اور مسلمانوں کا خلیفہ بنا ہُوا ہے۔

ایک دن ان سے کسی نے پُوچھا کہ آپ کے غصہ کا کیا حال ہے ؟ آپ تو بہت ہی غصہ والے آدمی تھے۔ فرمایا کہ پہلے ہمارا غصہ اسلام کے خلاف تھا اب کافروں کے خلاف ہے۔ اب تو میں ادنیٰ مسلمان کا بھی اکرام کرتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالے تھے افریقہ کے غلام تھے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے "یا سیّدی بلال" اے میرے سردار بلال! بھلا بتلائیے سرداران قریش میں سے معزز خاندان کا فرد نبی کا پیارا وزیر ایک حبشی غلام کو سیّدی کہہ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر تھے، ایک

حضرت ابوبکر صدیق اور دُوسرے حضرت عمر فاروق۔ یہ دو ایسے وزیر تھے جن سے بارہ بارہ بجے رات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشورے لیتے تھے کوئی اور صحابی وہاں نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے ایک دن نکل گیا کہ اے بلال تم کالے ہو فوراً خیال آیا کہ میرے منہ سے یہ کیا نکل گیا۔ ایک بات بتادوں کہ جو اللہ کے مقبول ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں، ان کی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ فرمادیتے ہیں۔ ان کو اپنی خطاؤں کا احساس ہو جاتا ہے یہ احساس ہونا علامت ہے کہ یہ شخص اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ لہٰذا فوراً احساس ہُوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمین پر لیٹ گئے اور فرمایا کہ اے بلال! عمر زمین پر لیٹ گیا ہے تم اپنے پاؤں سے عمر کے جسم پر چلو تاکہ قیامت کے دن عمر کی خطا معاف ہو جائے لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں چلے۔ فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی کے پیارے اور خُسر ہیں آپؓ کی بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اُمت کی ماں ہے بھلا ایسے معزز کے جسم پر میں پاؤں رکھ سکتا ہوں؟ بس میں نے اللہ کے لئے معاف کر دیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنا کام بنا گئے۔

خلافت کے زمانے میں ایک دن خیال آیا کہ اے عمرؓ تو مسلمانوں کا خلیفہ ہے یہ محض وسوسہ تھا تکبر نہیں تھا صرف خیال آگیا تھا۔ فوراً ایک مشک اُٹھائی پانی بھر کر کندھے پر لادا اور ایک غریب مسلمان کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ دروازہ کھول دو پردہ کرا لو عمرؓ پانی بھرنے آیا ہے۔ یہ کون ہیں؟ خلیفۂ راشد ہیں۔ امیرالمؤمنین ہیں سلطنت ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے یہ کام کیوں کیا نفس کو مٹانے کے لئے۔ بزرگوں نے اپنے نفس کو اس طرح سے مٹایا ہے۔ غصہ کے بارے میں یہ واقعات اس لئے سُنا رہا ہوں تاکہ معلوم ہو

جائے کہ اللہ کے مقبول بندوں کی نشانی یہی ہے کہ اگر خطا ہوجاتی ہے تو فوراً معافی مانگتے ہیں استغفار و توبہ میں دیر نہیں کرتے کیونکہ جب کافروں کو بھی استغفار مفید ہے تو مسلمانوں کو کیوں نہ ہوگا۔ کافر لوگ طواف کی حالت میں کہتے تھے غُفْرَانَکَ اے خدا ہم کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت کافروں کے لئے نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اے نبی جب تک آپ ان کافروں میں زندہ ہیں اس وقت تک میں ان پر عذاب نازل نہیں کروں گا۔ اور دُوسری آیت ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ نے کافروں کو جو بشارت دی ہے وہ دُنیا کے لئے ہے کہ اگر کافر بھی استغفار کرتا رہے تو دنیا میں اس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا بوجہ ایمان نہ لانے کے۔

محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اِذَا كَانَ الْاِسْتِغْفَارُ يَنْفَعُ الْكُفَّارَ فَكَيْفَ لَا يُفِيْدُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْاَبْرَارَ یعنی جب استغفار کافروں کو بھی نفع دے رہا ہے اور ان کو دنیا کے عذاب سے بچا رہا ہے تو مسلمان کو کیوں نفع نہ دے گا۔ (مرقاۃ ص۱۲۳ ج ۵)

ملا علی قاریؒ نے اس آیت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ جلد نمبر ۵ کتاب الاستغفار میں نقل فرمایا۔ حضرت علیؓ

فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو، اے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور تابعین سُن لو اور قیامت تک کے لئے سُن لو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بچانے کے لئے دو امان نازل فرمائے تھے۔ فَرُفِعَ اَحَدُهُمَا تو عذاب سے نجات کا ایک ذریعہ تو ہم سے اُٹھ گیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے اٹھا لئے گئے وَبَقِيَ ثَانِيهِمَا اور دوسرا باقی ہے یعنی استغفار اگر تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہو، گریہ و زاری کرتے رہو تو انشاء اللہ تعالیٰ عذاب سے بچ جاؤ گے جس سے بھی کوئی خطا ہو جائے دو رکعات توبہ پڑھ کر اللہ سے رو لو استغفار کر لو۔ جہاں جہاں آنسو لگ جائیں گے دوزخ کی آگ وہاں حرام ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کریم ہیں جب ایک جزو کو جنت میں داخل کریں گے تو پورا جسم ہی جنت میں داخل کر دیں گے۔ ان کے کرم سے یہ بعید ہے کہ چہرہ تو جنت میں داخل کر دیں اور باقی جسم دوزخ میں ڈال دیں بس اگر گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے معافی مانگیں اور بندوں کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے تو بندوں سے معاف کرائیں یہ نہیں کہ کسی کا مال مار لیا اور زبان سے کہہ رہے ہیں توبہ یا اللہ توبہ یا اللہ توبہ، اس وقت محض زبانی توبہ سے معافی نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا مال واپس نہیں کریں گے۔ جب اس کا مال اس کو دے دیں گے تب معافی ہوگی۔ اسی طرح غصہ میں کسی پر زبان یا ہاتھ سے زیادتی ہو گئی تو ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگیں، جس طرح ہو اس کو راضی کر لیں ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا اور ہر وقت ہوشیار رہیں کہ کہیں غصہ مجھ پر نہ چڑھ جائے اور غصہ کو استعمال کرنا ہے تو اپنے نفس پر کیجئے۔ جب دل کسی عورت کو دیکھنے کو چاہے اس وقت اس غصہ کو اپنی آنکھوں پر استعمال کیجئے، نفس سے کہئے کہ ہرگز نہیں دیکھوں گا چاہے تو مر

جائے اللہ کی محبت میں اتنا ارادہ تو کر لو کہ نہ دیکھنے سے چاہے میری جان چلی جائے نہیں دیکھوں گا۔ گناہ نہیں کروں گا چاہے جان رہے یا نہ رہے اس غصہ کو اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں اپنے نفس پر استعمال کیجئے اور کبھی جہاد کا موقع ہو تو کافروں کے مقابلہ میں استعمال کیجئے، بزرگانِ دین سے مشورہ کر لیجئے کہ غصہ کہاں استعمال کرنا چاہئے۔

اور آخر میں بس یہی عرض کرتا ہوں کہ نفس کی اصلاح کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی اللہ والے سے اصلاح کا تعلق قائم کر لیجئے اس کو اپنے حالات کی اطلاع اور اس کے مشوروں کی اتباع شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کتنی جلدی اصلاح ہوتی ہے پھر آپ بزبانِ حال کہیں گے ؎

تُو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

بس اب دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے اللہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما لیجئے۔ میری زبان کو جس نے آپ کی دی ہوئی توفیق سے آپ کی باتیں سُنائی ہیں اور میرے دوستوں کے کان کو جنہوں نے محبت سے آپ کی باتوں کو سُنا ہے اور میری ماں بہنوں بیٹیوں کو جو گھر کے اندر وعظ کو سنتی ہیں سب کو اپنا پیارا بنا لیجئے اپنا محبوب بنا لیجئے اور قبول فرما لیجئے اور آپ کریم ہیں جب زبان اور کان قبول کر لیں گے تو سارا ہی جسم قبول فرما لیں گے اور ہمارے دلوں کو بھی قبول فرمائیے اور ہماری رُوحوں کو بھی قبول فرمائیے ہم سب کو یا اللہ اولیاء صدیقین میں شامل

فرمایئے۔ ہم سب کو ولی اللہ بنا دیجئے، ہمارے اخلاق کی اصلاح فرمائیے ہم سب کو تزکیہ نصیب فرما دیجئے۔ اللہ والی زندگی نصیب فرما دیجئے، اللہ ہر قسم کی بلا اور پریشانی سے اور ہر قسم کی بُری بُری بیماریوں سے ہر قسم کے فکر اور غم کی باتوں سے اور دُکھ سے اللہ ہم سب کو امن اور عافیت نصیب فرمائیے اور ہر وقت اپنی رضا کی حیات نصیب فرمائیے اور اپنی رحمت سے ہر غم اور پریشانی سے بچائیے، یا اللہ اطمینان کی زندگی حیاتِ طیبہ ہم سب کو نصیب فرمائیے۔ جو لوگ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں یا اللہ جس کے لئے آپ نے اس طرح سے اعلان فرمایا کہ اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کریں اور جو استغناء کرے گا اور انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ہے دُعا کیجئے کہ جن لوگوں نے حج کی درخواستیں دی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو آسانی سے حج نصیب فرمائے حج مقبول نصیب فرمائے مشکلات رفع ہو جائیں جنہوں نے حکومت سے اجازت مانگی ہے ان کو اجازت مل جائے آرام اور عافیت کے ساتھ حج مبرور نصیب فرمائے اور جنہوں نے سستی یا مشغولی سے حج فرض ادا نہیں کیا ہے اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ اتنی سخت وعید فرمائی کہ جو سستی کی وجہ سے حج نہ کرے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے اتنی سخت وعید ہے، اے اللہ جن پر حج فرض ہے ان کو اپنی رحمت سے جلد حج کرنے کی توفیق عطا فرمائیے اور آسانی فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

غضب سے متعلق دو احادیث مبارکہ

معالجۂ غضب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غصہ شیطان سے ہے (یعنی اس کے وسوسہ اور اثر سے ہے) اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو صرف پانی ہی بجھا سکتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آجاوے تو وضو کرلے۔

(مرقاۃ ج ۹ صـــ ۳۱۳ بحوالہ ابوداؤد شریف)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ جب غصہ آجاوے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ اور مرقاۃ میں ہے کہ اگر غصہ پھر بھی دُور نہ ہو تو وضو کرلے اور پھر بھی نہ دُور ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لے۔ پس یہ صبر کی دوا ہے جو شیطان پر بہت ناگوار ہے۔ (بحوالہ بالا)

اہلِ غضب کی چار قسمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو جلد غصہ ہوتا ہے اور جلد رجوع کرتا ہے یہ شخص نہ مدح کا مستحق ہے نہ ذم کا۔ اور وہ شخص جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے زائل ہوتا ہے یہ شخص بھی مدح و ذم کا مستحق نہیں اور وہ شخص جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ تم میں سب سے بہتر ہیں اور تم میں سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلد آتا ہے لیکن دیر سے زائل ہوتا ہے۔

(مرقاۃ ۔ ج ۹ ۔ صـــ ۳۳۶)

غصہ کا علاج

از افادات حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس وقت غصہ آئے اس وقت یہ سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اس طرح غصہ کرنے لگے تو آخر میں بھی چاہوں گا کہ معافی ہو جاوے۔ تو مجھ کو چاہئے کہ اس شخص کو بھی معافی دے دوں اور یہ سوچو کہ یہ شخص میرا اتنا خطاوار تو ہوگا نہیں جتنا میں اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہوں۔ پھر جب میں معافی کا آرزو مند ہوں تو اس کو کیوں نہ معاف کر دوں۔ دُوسرا کام یہ کرے کہ فوراً وہاں سے جُدا ہو جاوے یعنی اس جگہ نہ رہے جب تک کہ غصہ بالکل فرو (زائل) نہ ہو جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

تیسرا کام یہ کرے کہ کوئی وقت مُتعیّن کر کے اپنے عیوب کا دھیان کیا کرے اور سوچا کرے کہ میں سب سے بدتر ہوں۔ اس سے کبر کی جڑ کٹ جائے گی۔ اور غصہ کا منشاء (سبب) کبر ہی ہے۔ (کبر کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا اور دُوسرے کو حقیر سمجھنا۔)

اور غصہ کے وقت یہ خیال کر لیا کرے کہ تُو تو سب سے بدتر ہے۔ پس اپنے سے بہتر پر غصہ نہ آنا چاہئے۔ (تربیت السالک ج ۱۔ صفحہ ۲۴۹)

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ غصہ کے وقت تھوڑی سی ہمت کرنے کی ضرورت ہے کہ جس پر غصہ ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے یا خود علیٰحدہ ہو جاوے۔ اور اگر پھر بھی غلطی ہو جاوے تو اس کا یہی تدارک جو آپ کا معمول ہے کافی ہے۔ (یعنی معافی مانگنا) اور اس کا شبہ نہ کیا جاوے کہ شاید دل سے معاف نہ کیا ہو کیونکہ انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں کہ

اپنی طرف سے دل سے (صاحب حق کو) راضی کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے آگے اختیار نہیں تو اس کا مکلف بھی نہیں۔ (تربیت السالک ج ۱، ص ۳۴۸)

فرمایا کہ اگر اس کا التزام کریں کہ جب کسی پر غصہ آجاوے تو اس کو کچھ ہدیہ دیا کریں چاہے قلیل ہی مقدار ہو تو زیادہ نفع ہو۔

فرمایا کہ غصہ کا ایک مجرب علاج یہ ہے کہ جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے پاس سے جُدا کر دیا جاوے یا اس کے پاس سے خود جُدا ہو جاوے اور فوراً کسی شغل میں لگ جاوے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۲۳ و ص ۲۳)

ایک صاحب نے غصہ کے علاج کا مجرب نسخہ دریافت کیا۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ جس پر غصہ کیا جاوے تو غصہ زائل ہو جانے کے بعد مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جُوتے اپنے سر پر رکھئے۔ ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ (تربیت السالک ج ۱، ص ۳۳۲)

غصہ کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

سرعتِ غضب (جلدی غصہ آجانا) امر طبعی ہے۔ اختیار سے خارج ہے نہ اس پر ملامت ہے (یعنی اس میں کوئی مضایقہ نہیں) البتہ اس کے مقتضاء پر عمل جبکہ حدُود سے تجاوز ہو جاوے مذموم ہے (یعنی غصہ کے تقاضے پر عمل اس وقت بُرا ہے جبکہ حد سے تجاوز ہو جاوے۔) اور اس کا علاج بجز ہمت کے کچھ نہیں۔ اس ہمت میں مغضوب علیہ (یعنی جس پر غصہ آیا ہے) سے فوراً دُور چلا جانا اور اعوذ باللہ پڑھنا اور اپنی خطاؤں اور حق تعالیٰ کے غضب کے احتمال کو یاد کرنا یہ بہت معین ہے اور نرمی وغیرہ مدت تک تکلف سے سوچ سوچ کر اختیار کرنا چاہیئے مدت کے بعد ملکہ (حاصل) ہو گا۔ ہمت نہ ہاریئے۔

(تربیت السالک ج ۱، ص ۲۲۶)

نسخہ اکسیرِ غضب

از حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

حسبِ ذیل اُمور کو دن میں متعدد بار اتنا پڑھے کہ غصہ کے وقت یاد رہیں۔

۱: پُوری اعوذ باللہ پڑھنا۔

۲: وضو کر لینا۔

۳: کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا، بیٹھے ہوں تو لیٹ جانا۔

۴: جس پر غصہ آرہا ہے اس کے سامنے سے ہٹ جانا یا اس کو ہٹا دینا۔

۵: کسی صالح (نیک بندہ) کی صحبت میں بیٹھ جانا۔

۶: ذکر اللہ میں مشغول ہو جانا نیز دُرود شریف پڑھنا۔

۷: حتی الوسع بات نہ کرنا۔ اور نہ کوئی معاملہ کرنا اس کے ساتھ جس پر غصہ آرہا ہو۔

۸: یہ سوچنا کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو۔

۹: یہ سوچنا کہ میں بھی اللہ کا خطاوار ہوں اگر میری خطاؤں پر مواخذہ فرمایا جاوے تو نجات پانا مشکل ہے۔ نیز دُوسروں کی خطاؤں کو در گذر کرنے پر اُمید ہے کہ میری خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ لہٰذا جس پر غصہ آرہا ہے اس سے در گذر کرنا ہی بہتر ہے۔

۱۰: اگر ہدایتِ مجوّزہ کے خلاف عمل ہو جاوے تو ۵۰ پیسے تا دس روپے تک خیرات کرے اور چار رکعت نفل نماز پڑھے۔

سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

علاج الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲، پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عِلاج الغضب

یہ وعظ مسمّی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۶ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، ملتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۸ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیا۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرماویں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرماویں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ـــــــــــــ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں
۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور
۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ " وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ " اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا برا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال برا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ برا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلے کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے۔ جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعویٰ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کرلے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہو جائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جا سکتا ان کا رُخ پھیرا جا سکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادہ زیادہ ہے اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہو گیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہو گیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر روح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِ هَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوچ یا کوئی انتقامی جذباتی اور ضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کر لو، اسی کا نام ہے "کظم غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہوگئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کرلے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو، غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہوسکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہوسکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى إِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ أَمْنًا وَّإِيْمَانًا (جامع صغیر صلا ج۲)

ترجمہ، جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کرسکتا ہے، اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نُور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا كَانَّ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰى وَجْهِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا درآنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کرلے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا يَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

”جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اُونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہو جائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کر دے ، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے “ (رُوح المعانی ص۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ :۔ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر ص۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ :

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: " غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی ذرہ بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص ۴۳۴)

ترجمہ: " جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی ؒ کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی؟

اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ (مسلم ص۵۱ ج ۲)

یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرمادیا۔ اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرمادی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہو جاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے؛ ایسا کیوں ہے ؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو، لوہے کو پارس سے لگا دو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے۔ جگر مراد آبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبدالحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان؛ انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہو گئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانوی سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں؛ میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کر دے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر استرا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرمالیا؛ یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے، فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دئے تھے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہُوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
بایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مُبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مُبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جزیہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کررہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو توسب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا " اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ " وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ جَلِيْسُهُمْ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہورہا ہے اِكْرَامًا لَهُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلارہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب جنتی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ھُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہُوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صُوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربی کی ضرورت تھی جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگِ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحابِ بدر جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگِ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہو گیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظہ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا۔ یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بخشوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوئی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں، اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پہلے کسی پَرکھنے والے کی کسوٹی پر پَرکھئے۔ شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کرلیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی " ناٹھیک " ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کررہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کررہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہوجائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کرلو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آگیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہوگئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہوسکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے بَیل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں۔ پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلاگیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں، آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہدیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف و لذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرما دیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی و ندامت و معذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہوا نمک تیز ہو گیا، ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہو جائے تو ہم کیا چاہتے ہیں؟ کہ داماد معاف کر دے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کر رہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مُرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مُرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہو گئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کر سکوں، اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مُرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھٹا کر مضامین کیسے ملیں گے؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہو گیا اور علوم پھر آنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ" (ابوداؤد صفحہ ۳۴۶ ج ۱)
یعنی گفتگو کرنی ہو تو جانور کی پیٹھ سے اُتر کر بات کرو، یہ نہیں کہ جانور کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں گھوڑے وغیرہ سفر طے کرنے کے لئے ہیں۔ اسلام جانوروں تک پر رحمت فرماتا ہے جب جانوروں کے ستانے کی بھی ممانعت ہے تو میرے دوستو! جو بیویوں کو ستاتے ہیں وہ کس قدر عذاب مول لے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲) کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اخلاق کا معیار یہ ہے کہ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی (صفحہ ۱۳ ج ۵) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شوہر کریم ہوتے ہیں ان پر عورتیں غالب آجاتی ہیں۔ غالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تیز باتیں کرلیتی ہیں، ناز نخرے دکھا دیتی ہیں کیونکہ ان کو ناز دکھانے کا بھی حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تُو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تُو مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ مُحَمَّدٍ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ۔ ابراہیم کے رب کی قسم۔

(صحیح بخاری صفحہ ۷۸۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا رُوٹھنے کا حق ہے، یہ ان کا ناز ہے لہٰذا اس کی بھی شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ دیکھئے حدیث میں فرمایا یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا یہ عورتیں غالب آجاتی ہیں کریم شوہر پر وَیَغْلِبُهُنَّ لَئِیْمٌ اور جو لوگ بداخلاق ہیں وہ ان پر ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کر کے غالب آجاتے ہیں۔

بعضے علاقوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ پہلی رات عورت کو رُعب میں لانے کے لئے بڑی پٹائی کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ کیا جہالت اور ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

فَاُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا

میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہوں۔

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا

اور میں بداخلاق ہو کر ان پر غلبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔

اور بخاری کی روایت ہے (ص۷۷۹ ج ۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے۔ دیکھئے ٹیڑھی پسلیاں کام دے رہی ہیں یا نہیں، ان کو سیدھی کرو گے تو ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور رحمت سے معاملہ کیا جائے تو زندگی جنت کی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اس کے شوہر نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ کر لیا کہ اے خدا ہاتھ ہی تو ہے نمک تیز ہو گیا۔ اگر میری بیٹی نمک تیز کر دیتی تو میں یہی چاہتا کہ داماد اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا اے خدا میں آپ کی رضا کے لئے اس کو جو میری بیوی ہے لیکن آپ کی بندی بھی ہے، اس کی نسبت آپ کے ساتھ بھی ہے، اس کو معاف کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سفارش وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کو رَد کرتے ہیں۔ ابھی ایک ڈی آئی جی یا کمشنر سفارش لکھ دے کہ اپنی بیوی کا خیال رکھنا۔ تو بتائیے کہ ہم لوگ کتنا خیال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سفارش نازل فرمارہے ہیں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہاں ہمارا کیا معاملہ ہے اور کیا ہونا چاہئے ہر شخص اپنی حالت پر غور کرلے۔

لہٰذا اس شخص نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا اور بیوی کو معاف کردیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ میاں معاملہ تو بڑا خطرناک تھا۔ بڑے گناہوں کا معاملہ پیش ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ایک بندی نے جس دن سالن میں نمک تیز کردیا تھا اور تم نے میری اس بندی کی خطا معاف کردی تھی جاؤ اس کے صلہ میں آج تم کو معاف کرتا ہوں۔

بس غصہ کو پی جانا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ غصہ آگ ہے اس کو روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس پر اَجر بھی عظیم ہے اور مجاہدہ کے بقدر مشاہدہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو اس مجاہدہ کی بدولت بڑی کرامت حاصل ہوگئی اور اولیاء کی کرامت برحق ہے۔ كَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ اسلامی عقائد میں سے ہے اس لئے کرامتِ اولیاء کا انکار بڑی گمراہی کی بات ہے البتہ کرامت کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب وہ چاہے خود صادر کردے بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اپنے کسی مقبول بندے کو عطا فرما دیتے ہیں کرامت فعلِ عبد نہیں ہے فعلِ معبود ہے۔

امام بخاریؒ باب کفالت کے اندر اولیاء اللہ کی کرامت کی حدیث لائے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بیان کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ولی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں پیغمبر ایک امتی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور ولی تھے ایک ضرورت پیش آئی انہوں نے ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرضہ مانگا، قرض دینے والے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِيْدًا، اللہ تعالیٰ باعتبار شاہد کے کافی ہیں یعنی شاہد کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے پھر اس نے کہا کہ کوئی کفیل اور ذمہ دار لاؤ کہ اگر تم نہ دو تو ہم کس سے وصول کریں؟ تب انہوں نے جواب دیا کَفٰی بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اللہ تعالیٰ ہی ہمارا وکیل اور کارساز ہے وہی ہمارا کفیل ہے۔ یہ دو مضمون سن کر اس نے کہا صَدَقْتَ تم نے سچ کہا تم اپنے قول میں صادق ہو اور فوراً ایک ہزار دینار قرض دے دیا اور وہ دریا پار چلے گئے اور اپنی ضرورت کو پورا کیا۔

جس دن قرض ادا کرنے کا وعدہ تھا اس دن وہ دینار لے کر پھر آئے لیکن کوئی سواری نہ ملی، بے چارے بے چین تھے کہ کوئی کشتی ملے تو دریا پار جا کر اس کا قرض دے دیں۔ جب کوئی سواری نہ ملی تو انہوں نے لکڑی کا ایک موٹا سا کندا لیا، اس میں سوراخ کیا اور ایک ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اوپر سے کیل لگا کر مضبوطی سے بند کر دیا اور اللہ کے بھروسہ پر دریا میں ڈال دیا اور کہا یا اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے قرضہ لیا تھا اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے کوئی سواری مل جائے لیکن نہ ملی بس آپ اس کو حفاظت سے اس تک پہنچا دیجئے جس سے میں نے قرض لیا تھا۔ اب

ہواؤں کے تھپیڑوں میں لکڑی کا وہ بڑا سا ٹکڑا چل رہا ہے کہیں اور بھی جا سکتا تھا۔ یہ کرامت تھی کہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس بستی میں پہنچ گیا' اُدھر وہ صاحب انتظار کر رہے تھے کہ شاید کسی کشتی سے وہ شخص میرا مال لے کر آجائے کہ اچانک دیکھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا بہتا ہوا آرہا ہے وہ انہوں نے اپنی بیوی کے لئے لے لیا کہ چلو چولہا گرم کرنے کا سامان اللہ نے بھیج دیا۔ بس اس پر کلہاڑی جو ماری تو ایک ہزار دینار اس میں سے نکل آئے۔ اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھا ہُوا تھا کہ اے شخص مجھ کو سواری نہیں ملی لہٰذا مجبوراً میں اللہ کے بھروسہ پر یہ بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد ان کو کشتی بھی مل گئی۔ کشتی پر بیٹھ کر وہ پھر ایک ہزار دینار لائے کہ ممکن ہے کہ پہلے دینار نہ ملے ہوں۔ لہٰذا جب انھوں نے پیش کئے تو اس نے کہا کہ آپ نے تو پہلے ہی بھیج دئے تھے اور سارا واقعہ بیان کیا کہ لکڑی کے اندر سے اس طرح سارا روپیہ مل گیا۔ فَانْصَرَفَ بِالْفِ دِيْنَارٍ رَاشِدًا پس نہایت ہی خوش اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل اور کرامت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہُوئے واپس ہو گئے۔ (بخاری شریف کتاب الکفالۃ صفحہ ۳۰۶ ج ۱)

اس لئے اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے لیکن لوازم ولایت میں سے نہیں ہے۔ بعضے بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ہر وَلی کے لئے کرامت لازم ہے ولی کے لئے اہتمام تقویٰ، اتباعِ سنّت، اتباعِ شریعت یہ چیزیں تو لازم ہیں لیکن عصمت بھی لازم نہیں ہے کہ کبھی ان سے خطا ہی نہ ہو۔ نبوت کے لئے تو عصمت لازم ہے لیکن ولایت کے لئے کبھی خطا کا صدور منافی ولایت نہیں بشرطیکہ وہ اس کی تلافی کرے معافی مانگ لے۔ اللہ سے توبہ کرلے استغفار کرلے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سال تک ایک شخص رہا تھا۔ اس نے حضرت سے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ ہوا پر اُڑتے ہوئے، پانی پر بغیر کشتی کے چلتے ہُوئے نہیں دیکھا تو مایوس ہو کر واپس ہونے لگا اور کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کے اندر کوئی کرامت نہیں پائی۔ لہٰذا واپس جا رہا ہوں۔

حضرت جُنیدؒ نے فرمایا کہ اے شخص تُو نے دس سال کے اندر مجھ سے کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت ہوتے ہُوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کا کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت نہیں پایا۔ اس پر حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا آہ جس غلام نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر تُو کیا کرامت چاہتا ہے؟

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں الاستقامۃ فوق الف کرامۃ سنّت و شریعت پر استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غصّہ کو ضبط کرنے سے اور مخلوق کی ایذاؤں کو برداشت کرنے سے بعض بزرگوں کو بڑی کرامت عطا ہو گئی۔ حضرت شاہ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر چلتے تھے اور جنگل کی لکڑی کاٹ کر شیر پر رکھتے تھے۔ اور اگر کبھی شیر شرارت کرتا تھا تو زندہ سانپ کا کوڑا تھا اس سے شیر کی پٹائی کرتے تھے۔ خراسان سے ایک شخص ان سے بیعت ہونے خرقان گیا۔ لیکن ان کی بیوی بڑی تیز مزاج تھیں۔ پُوچھا کیسے آئے.... کہا کہ حضرت سے مُرید ہونے آیا ہوں۔ کہنے لگیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے زیادہ اس پیر کا حال دُنیا کیا جان سکتی ہے؟ رات دن میں اس کے ساتھ ہوں بالکل بنا ہوا

سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

عِلاجُ الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کُتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عِلاجُ الغضب

یہ وعظ مسمّٰی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۶ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، مُلتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۸ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیاء۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرما دیں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرما دیں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ
الْمُحْسِنِیْنَ ــــــــــــــــ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں

۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور

۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ " وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ " اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا برا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال برا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ برا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم ومفقود وفنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلے کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے، جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعویٰ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کرلے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہو جائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رُخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادّہ زیادہ ہے، اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہوگیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کردیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہوگیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر روح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِهَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوج یا کوئی انتقامی جذباتی اور مضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کرلو، اسی کا نام ہے "کظم غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہوگئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کرلے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو؛ غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہوسکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہوسکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْفَاذِهٖ مَلَاَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ اَمْنًا وَّ اِيْمَانًا (جامع صغیر ص۱۹۰ ج ۲)

ترجمہ، جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کرسکتا ہے؛ اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا كَانَ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰى وَجْهِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا در آنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کر لے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا يَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہو گا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہو گا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہو گی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہو گا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہوجائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

”جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہوجائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کردے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کردے ، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے “ (رُوح المعانی ص۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ :۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر ص۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ :

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی دُور بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی؟

اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ (مسلم ص۵۱ ج۲)

یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرما دیا۔ اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرما دی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہو جاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو۔ لوہے کو پارس سے لگا دو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے۔ جگر مراد آبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبد الحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہو گئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانوی سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں! میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کر دے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر استرا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرما لیا۔ یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے۔ فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا۔ تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دئے تھے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہُوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
بایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مُبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مُبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ جَلِيْسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جُز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا، فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا " اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَۃٍ " وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ ھُمُ الْجُلَسَاءُ لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُھُمْ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِیْسَھُمْ یَنْدَرِجُ مَعَھُمْ فِیْ جَمِیْعِ مَا یَتَفَضَّلُ اللّٰہُ بِہٖ عَلَیْھِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہو رہا ہے اِکْرَامًا لَّھُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلا رہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب جنتی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپیٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربی کی ضرورت تھی جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگِ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحابِ بدر جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگِ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہو گیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظۂ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا، یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بھگتوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوتی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں۔ اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پہلے کسی پَرکھنے والے کی کسوٹی پر پَرکھئے، شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی "ناٹھیک" ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کر رہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کر رہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہو جائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کر لو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آ گیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہو گئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے ہَل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں۔ پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلا گیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں' آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہہ دیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف و لذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرما دیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی وندامت و معذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہُوا نمک تیز ہو گیا۔ ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہو جائے تو ہم کیا چاہتے ہیں ؟ کہ داماد معاف کر دے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کر رہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مُرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مُرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھُول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہو گئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کر سکوں، اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مُرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھُٹا کر مضامین کیسے ملیں گے ؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہو گیا اور علوم پھر آنے لگے۔

سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

عِلاجُ الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عِلاجُ الغضب

یہ وعظ مسمّٰی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۶ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، ملتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۸ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیاء۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرمادیں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرمادیں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ـــــــــــــــ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں

۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور

۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ " وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ " اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا برا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال برا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ برا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے، جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعوئ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کرلے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہو جائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رُخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادّہ زیادہ ہے۔ اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہوگیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہوگیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر رُوح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِهَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوچ یا کوئی انتقامی جذباتی اور ضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کر لو، اسی کا نام ہے "کظمِ غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کر لے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو؛ غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہو سکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى إِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ أَمْنًا وَإِيْمَانًا (جامع صغیر ص۱۷۹ ج ۲)

ترجمہ: جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کر سکتا ہے، اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نُور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا کَانَ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰی وَجْهِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہیئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا درآنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کرلے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا یَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اُونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہو جائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کر دے، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے" (رُوح المعانی ص۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ:۔ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر ص۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ:

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی ذرہ بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص ۴۳۳)

ترجمہ: "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی؟

اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ (مسلم ص۵۱ ج۲)

یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرما دیا۔ اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرما دی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہو جاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو۔ لوہے کو پارس سے لگادو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرلو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے۔ جگر مرادآبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبدالحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہو گئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانویؒ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں، میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کر دے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر استرا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرما لیا۔ یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے، فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا۔ تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دیئے تھے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہُوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
بایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مُبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مُبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقىٰ جَلِيْسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کررہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا " اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ " وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقىٰ جَلِيْسُهُمْ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص ۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہورہا ہے اِكْرَامًا لَهُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلارہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب جنتی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا ؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں ؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صُوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپیٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحاب بدر جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اُٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہو گیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظۂ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا۔ یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے، ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بخشوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوتی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں۔ اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پہلے کسی پرکھنے والے کی کسوٹی پر پرکھئے، شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کرلیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی "نا ٹھیک" ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کررہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کررہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہوجائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کرلو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آگیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہوگئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہوسکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے ہَل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں۔ پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلا گیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں' آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہدیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبد الغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف و لذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرما دیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی و ندامت و معذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہُوا نمک تیز ہوگیا، ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہو جائے تو ہم کیا چاہتے ہیں؟ کہ داماد معاف کردے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کر رہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مُرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مُرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہوگئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کرسکوں، اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مُرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھٹا کر مضامین کیسے ملیں گے ؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہوگیا اور علوم پھر آنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ" (ابوداؤد صفحہ ۳۴۷ ج ۱)
یعنی گفتگو کرنی ہو تو جانور کی پیٹھ سے اُتر کر بات کرو، یہ نہیں کہ جانور کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں گھوڑے وغیرہ سفر طے کرنے کے لئے ہیں، اسلام جانوروں تک پر رحمت فرماتا ہے جب جانوروں کے ستانے کی بھی ممانعت ہے تو میرے دوستو! جو بیویوں کو ستاتے ہیں وہ کس قدر عذاب مول لے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَاءِھِمْ

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲) کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اخلاق کا معیار یہ ہے کہ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی (صفحہ ۱۳ ج ۵) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شوہر کریم ہوتے ہیں ان پر عورتیں غالب آجاتی ہیں۔ غالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تیز باتیں کر لیتی ہیں، ناز نخرے دکھا دیتی ہیں کیونکہ ان کو ناز دکھانے کا بھی حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تُو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تُو مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ مُحَمَّدٍ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاھِیْمَ۔ ابراہیم کے رب کی قسم۔

(صحیح بخاری صفحہ ۷۸۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا رُوٹھنے کا حق ہے، یہ ان کا ناز ہے لہٰذا اس کی بھی شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ دیکھئے حدیث میں فرمایا یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا یہ عورتیں غالب آجاتی ہیں کریم شوہر پر وَیَغْلِبُهُنَّ لَئِیْمٌ اور جو لوگ بداخلاق ہیں وہ ان پر ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کر کے غالب آجاتے ہیں۔

بعضے علاقوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ پہلی رات عورت کو رُعب میں لانے کے لیئے بڑی پٹائی کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ کیا جہالت اور ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

فَاُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا

میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہوں۔

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا

اور میں بداخلاق ہو کر ان پر غلبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔

اور بخاری کی روایت ہے (ص۷۷۹ ج ۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے۔ دیکھئے ٹیڑھی پسلیاں کام دے رہی ہیں یا نہیں، ان کو سیدھی کروگے تو ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور رحمت سے معاملہ کیا جائے تو زندگی جنت کی ہوجاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اس کے شوہر نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ کر لیا کہ اے خدا ہاتھ ہی تو ہے نمک تیز ہو گیا۔ اگر میری بیٹی نمک تیز کر دیتی تو میں یہی چاہتا کہ داماد اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا اے خدا میں آپ کی رضا کے لئے اس کو جو میری بیوی ہے لیکن آپ کی بندی بھی ہے، اس کی نسبت آپ کے ساتھ بھی ہے، اس کو معاف کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سفارش وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کو رد کرتے ہیں۔ ابھی ایک ڈی آئی جی یا کمشنر سفارش لکھ دے کہ اپنی بیوی کا خیال رکھنا۔ تو بتائیے کہ ہم لوگ کتنا خیال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سفارش نازل فرمارہے ہیں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہاں ہمارا کیا معاملہ ہے اور کیا ہونا چاہئے ہر شخص اپنی حالت پر غور کرلے۔

لہٰذا اس شخص نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا اور بیوی کو معاف کردیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ میاں معاملہ تو بڑا خطرناک تھا۔ بڑے گناہوں کا معاملہ پیش ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ایک بندی نے جس دن سالن میں نمک تیز کردیا تھا اور تم نے میری اس بندی کی خطا معاف کردی تھی جاؤ اس کے صلہ میں آج تم کو معاف کرتا ہوں۔

بس غصہ کو پی جانا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ غصہ آگ ہے اس کو روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس پر اجر بھی عظیم ہے اور مجاہدہ کے بقدر مشاہدہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو اس مجاہدہ کی بدولت بڑی کرامت حاصل ہوگئی اور اولیاء کی کرامت برحق ہے۔ کَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ اسلامی عقائد میں سے ہے اس لئے کرامتِ اولیاء کا انکار بڑی گمراہی کی بات ہے البتہ کرامت کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب وہ چاہے خود صادر کردے بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اپنے کسی مقبول بندے کو عطا فرما دیتے ہیں کرامت فعلِ عبد نہیں ہے فعلِ معبود ہے۔

امام بخاریؒ باب کفالت کے اندر اولیاء اللہ کی کرامت کی حدیث لائے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بیان کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ولی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں پیغمبر ایک امتی کی کرامت کو بیان فرمارہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور ولی تھے ایک ضرورت پیش آئی انہوں نے ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرضہ مانگا، قرض دینے والے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا، اللہ تعالیٰ باعتبار شاہد کے کافی ہیں یعنی شاہد کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے پھر اس نے کہا کہ کوئی کفیل اور ذمہ دار لاؤ کہ اگر تم نہ دو تو ہم کس سے وصول کریں؟ تب انہوں نے جواب دیا کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا اللہ تعالیٰ ہی ہمارا وکیل اور کارساز ہے وہی ہمارا کفیل ہے۔ یہ دو مضمون سن کر اس نے کہا صَدَقْتَ تم نے سچ کہا تم اپنے قول میں صادق ہو اور فوراً ایک ہزار دینار قرض دے دیا اور وہ دریا پار چلے گئے اور اپنی ضرورت کو پورا کیا۔

جس دن قرض ادا کرنے کا وعدہ تھا اس دن وہ دینار لے کر پھر آئے لیکن کوئی سواری نہ ملی، بے چارے بے چین تھے کہ کوئی کشتی ملے تو دریا پار جا کر اس کا قرض دے دیں۔ جب کوئی سواری نہ ملی تو انہوں نے لکڑی کا ایک موٹا سا کندا لیا، اس میں سوراخ کیا اور ایک ہزار دینار اس میں رکھ دئے اوپر سے کیل لگا کر مضبوطی سے بند کر دیا اور اللہ کے بھروسہ پر دریا میں ڈال دیا اور کہا یا اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے قرضہ لیا تھا اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے کوئی سواری مل جائے لیکن نہ ملی بس آپ اس کو حفاظت سے اس تک پہنچا دیجئے جس سے میں نے قرض لیا تھا۔ اب

ہواؤں کے تھپیڑوں میں لکڑی کا وہ بڑا سا ٹکڑا چل رہا ہے کہیں اور بھی جا سکتا تھا۔ یہ کرامت تھی کہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس بستی میں پہنچ گیا' اُدھر وہ صاحب انتظار کر رہے تھے کہ شاید کسی کشتی سے وہ شخص میرا مال لے کر آجائے کہ اچانک دیکھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا بہتا ہُوا آرہا ہے وہ انہوں نے اپنی بیوی کے لئے لے لیا کہ چلو چُولہا گرم کرنے کا سامان اللہ نے بھیج دیا۔ بس اس پر کلہاڑی جو ماری تو ایک ہزار دینار اس میں سے نکل آئے۔ اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھا ہُوا تھا کہ اے شخص مجھ کو سواری نہیں ملی لہٰذا مجبوراً میں اللہ کے بھروسہ پر یہ بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد ان کو کشتی بھی مل گئی۔ کشتی پر بیٹھ کر وہ پھر ایک ہزار دینار لائے کہ ممکن ہے کہ پہلے دینار نہ ملے ہوں۔ لہٰذا جب انھوں نے پیش کئے تو اس نے کہا کہ آپ نے تو پہلے ہی بھیج دئے تھے اور سارا واقعہ بیان کیا کہ لکڑی کے اندر سے اس طرح سارا روپیہ مل گیا۔ فَانْصَرَفَ بِالْفِ دِيْنَارٍ رَاشِدًا پس نہایت ہی خوش اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل اور کرامت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہُوئے واپس ہو گئے۔ (بخاری شریف کتاب الکفالۃ ص۳۰۶ ج ۱)

اس لئے اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے لیکن لوازم ولایت میں سے نہیں ہے۔ بعضے بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ہر وَلی کے لئے کرامت لازم ہے ولی کے لئے اہتمام تقویٰ، اتباعِ سنّت، اتباعِ شریعت یہ چیزیں تو لازم ہیں لیکن عصمت بھی لازم نہیں ہے کہ کبھی ان سے خطا ہی نہ ہو۔ نبوت کے لئے تو عصمت لازم ہے لیکن ولایت کے لئے کبھی خطا کا صدور منافی ولایت نہیں بشرطیکہ وہ اس کی تلافی کرے معافی مانگ لے۔ اللہ سے توبہ کرلے استغفار کرلے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سال تک ایک شخص رہا تھا۔ اس نے حضرت سے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ ہوا پر اُڑتے ہوئے، پانی پر بغیر کشتی کے چلتے ہُوئے نہیں دیکھا تو مایوس ہو کر واپس ہونے لگا اور کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کے اندر کوئی کرامت نہیں پائی۔ لہٰذا واپس جا رہا ہوں۔

حضرت جُنیدؒ نے فرمایا کہ اے شخص تُو نے دس سال کے اندر مجھ سے کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت ہوتے ہُوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کا کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت نہیں پایا۔ اس پر حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا آہ جس غلام نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر تُو کیا کرامت چاہتا ہے؟

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں الاستقامة فوق الف کرامة سنّت و شریعت پر استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غصّہ کو ضبط کرنے سے اور مخلوق کی ایذاؤں کو برداشت کرنے سے بعض بزرگوں کو بڑی کرامت عطا ہوگئی۔ حضرت شاہ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر چلتے تھے اور جنگل کی لکڑی کاٹ کر شیر پر رکھتے تھے۔ اور اگر کبھی شیر شرارت کرتا تھا تو زندہ سانپ کا کوڑا تھا اس سے شیر کی پٹائی کرتے تھے۔ خراسان سے ایک شخص ان سے بیعت ہونے خرقان گیا۔ لیکن ان کی بیوی بڑی تیز مزاج تھیں۔ پُوچھا کیسے آئے۔۔۔۔ کہا کہ حضرت سے مُرید ہونے آیا ہوں۔ کہنے لگیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے زیادہ اس پیر کا حال دُنیا کیا جان سکتی ہے؟ رات دن میں اس کے ساتھ ہوں بالکل بنا ہوا

مکار ہے تم کہاں چکر میں آ گئے ؟ تمہارے دماغ میں عقل بھی ہے یا نہیں؟ ایسی باتیں سنائیں کہ وہ تو رونے لگا کہ میرا ہزار میل کا سفر بے کار ہوگیا۔ محلّہ والوں نے کہا کہ ان کی بیوی مزاج کی تیز ہے خبردار بدگمانی مت کرو ، جاؤ شیخ جنگل سے لکڑیاں لے کر آرہے ہوں گے۔ وہاں دیکھا کہ شیر پر بیٹھے ہوئے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی تشریف لارہے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کو کشف ہوگیا کہ یہ بیگم کی باتیں سن کر باغم آرہا ہے یعنی غمگین ہے۔ شیخ ہنسے اور فرمایا کہ بھائی کچھ پریشان نظر آرہے ہو کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ حضرت آپ کے گھر میں تو بڑی تلخ مزاج ہے ایسی بیوی سے آپ نے کیوں شادی کی ، تو شیخ نے فرمایا کہ یہ جو مجھے شیر کی سواری ملی ہے اور زندہ سانپ کا کوڑا ملا ہے یہ کرامت اسی خاتون کی تکلیفوں پر صبر کا انعام ہے۔

اور اب مولانا رومیؒ کی زبانی سنئے کہ شاہ ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا :

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیرِ نر بے گارِ من

اگر میرا صبر اس عورت کی تکلیفوں کے بوجھ کو نہ اٹھاتا تو بھلا یہ شیرِ نر کب میری بے گاری کرتا اور میرا غلام بنتا ؟

عادت اللہ یہی ہے کہ جس کو کوئی نعمت دیتے ہیں مجاہدہ کرا کے دیتے ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کتنے نازک مزاج تھے۔ دشمن نے جب ان کو گولی ماری کسی نے پوچھا حضرت مزاج کیسے ہیں ؟ فرمایا کہ گولی سے تو کوئی تکلیف نہیں ، لیکن گندھک کی بدبو سے سخت تکلیف ہورہی ہے۔ دہلی کی جامع مسجد سے نماز پڑھ کر واپس ہوتے تھے اگر راستہ میں کوئی

پلنگ ٹیڑھا پڑا ہُوا دیکھ لیا تو سَر میں درد ہوگیا۔ رضائی میں اگر دھاگے ٹیڑھے ڈال دیئے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ دہلی کا بادشاہ حاضرِ خدمت ہُوا اور پانی پی کر کٹورا صراحی پر ترچھا رکھ دیا۔ حضرت کے سر میں درد ہوگیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی خدمت کے لئے میں ایک خادم دینا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ اب تک تو میں خاموش تھا تم نے پانی پی کر کٹورا صراحی پر ترچھا رکھ دیا جس سے میرے سر میں درد ہوگیا تمہارا خادم میں کیا قبول کروں جیسے تم ہو ایسا ہی تمہارا خادم ہوگا۔

ان مرزا مظہر جانِ جاناں کو الہام ہُوا کہ دلّی میں ایک نہایت بدمزاج، غصہ والی اور بداخلاق عورت ہے اگر تم اس سے نکاح کرلو تو سارے عالم میں ہم تمہارا ڈنکا پٹوا دیں گے۔ اہل اللہ کو الہام ہوجاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بس صرف آواز نہیں آتی ورنہ ہروقت دل میں باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ یہ کرلو، یہ نہ کرو۔ ؎

قولِ اوراللحن سنے آواز نے

اسی کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نے اللہ تعالیٰ سے سودا کرلیا۔ اہل اللہ تو ہروقت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر اپنے دل و جان قربان کرنے کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ؎

ان کی مرضی پر مری قربان جاں
اللہ اللہ میں تھا اِس قابل کہاں
جو تُو مشتری ہے تو اے جان عالم
بہ نوک سنانت جگر می فروشم
بہ تیغ ادائے تو سر می فروشم

ایک کابلی آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ گھر سے کھانا لے آؤ۔ آواز دے کر کہا کہ حضرت نے کھانا منگایا ہے کھانا دے دو، بس پھر کیا تھا حضرت کو خوب بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ پہلے سے کیوں نہیں منگایا۔ ایک گھنٹہ سے کھانا لئے بیٹھی ہوں اور وہاں مجلس ملفوظات وارشادات ہورہی ہے بڑے پیر بنے بیٹھے ہیں اور ہمیں اذیت پہنچارہے ہیں بندوں کے حقوق کا خیال نہیں، پیر کیا ہے مکار ہے وغیرہ وغیرہ، کابلی نے تو چھُرا نکال لیا مگر پھر خیال آیا کہ یہ تو میرے شیخ کی بیوی ہے اس لئے فوراً رکھ لیا اور اپنی زبان میں کہا تم ہمارے شیخ کا بی بی ہے اس لئے چھوڑ دیا ورنہ ابھی کام تمام کر دیتا اور آکر عرض کیا حضرت ایسی کڑوی عورت سے آپ نے کیوں شادی کی۔ فرمایا کہ بیوقوف یہ سارے عالم میں مظہرِ جانِ جاناں کا جو ڈنکا پٹ رہا ہے یہ اسی عورت کی برکت سے ہے، اس کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہوں اور اس صبر پر اللہ تعالیٰ نے مجھے استقامت عطا فرمائی ہے یہ اسی کا انعام ہے۔

دوستو! ایمان لانے کے بعد اللہ کے راستہ پر جمے رہنا اسی کا نام استقامت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

گھڑی میں اولیاء اور گھڑی میں بھوت بننے والے تو بہت سے ہیں

کچھ دن تو بالکل فرشتے بن گئے اور جب نفس کا غلبہ ہُوا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بالکل شیطان بن گئے۔ جب غصہ چڑھا تو پھر یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں کون ہوں اور میرا اللہ کون ہے۔ پھر ان کو پتہ ہی نہیں رہتا کہ میں ابھی تلاوت کر رہا تھا اور رات کو تہجد بھی پڑھی ہے اور اشراق بھی پڑھی ہے غصہ میں بس ایک دم شیطان ہو گئے اور پٹائی شروع کر دی جو منہ میں آیا بکنا شروع کر دیا۔

اس وقت آدمی بالکل شیطان ہو جاتا ہے کیونکہ شیطان آگ سے پیدا ہے اور حدیث میں ہے کہ غصہ بھی آگ سے پیدا ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر رُوح المعانی (ص۹۵ ج ۱) میں حدیث نقل کرتے ہیں:

اِتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تَتَوَقَّدُ فِيْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ

غصہ سے بچو کیونکہ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ابنِ آدم کے دل میں سُلگتا ہے۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دلیل بیان فرمائی کہ غصہ کا مادہ اور اس کے اجزاء آگ سے بنتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَوْا اِلٰی اِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَ حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس پر غصہ چڑھتا ہے اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں لال ہو جاتی ہیں۔ آنکھیں بتاتی ہیں کہ اندر آگ ہے آگ جل جائے تو شیشہ کے باہر سے لال لال آگ نظر آتی ہے۔ آنکھیں شیشہ ہیں یہ بتاتی ہیں کہ دل میں آگ لگی ہُوئی ہے اور دُوسری دلیل اِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ بیان فرمائی یعنی اس کی گردن کی رگیں بھی پھُول جاتی ہیں۔

تو غصہ میں گویا آدمی شیطان ہو جاتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہُوا اور غصہ میں دل میں آگ لگ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو حدیثِ پاک سُنائی۔ لہٰذا غصہ میں جو شیطانی کام بھی پیدا ہو جائے وہ بعید نہیں ہے۔

غصہ میں ایسے خطرناک اعمال لوگوں سے ہوتے ہیں کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ غصہ میں لوگوں نے اللہ کو گالی دے دی۔ شریعت کو گالی دے دی۔ مسلمان سے کافر ہو گئے۔ العیاذ باللہ۔ غصہ میں انسان اپنے ماں باپ سے لڑ جاتا ہے۔ اپنی بیوی پر حد سے زیادہ سختی کر دیتا ہے، ظلم کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی آہ لیتا ہے۔ غصہ میں بیوی شوہر کے ساتھ گستاخی کر جاتی ہے۔ اور بیٹا باپ سے، شاگرد اُستاد سے، مُرید شیخ سے، اُمتی نبی سے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے لڑ جاتا ہے یہ ایسی خطرناک بیماری ہے۔ اس خطرناک بیماری سے انسان اپنے بڑوں کی شفقتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر شاگرد اُستاد سے لڑ جائے گا تو کیا استاد اس پر شفقت کرے گا؟ جو بھی اپنے بڑوں کا ادب کرے گا اپنے بڑوں کی عنایات سے مالا مال ہو جائے گا۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے بڑوں کے معاملہ میں ایک دم پانی ہو جائیں جیسے چاہیں وہ ہم پر ناز دکھائیں ہم اس کو برداشت کریں۔ اختر بھی آپ سے دُعا چاہتا ہے۔

ہزاروں واقعات ہیں کہ غصہ کی بیماری کی وجہ سے ہزاروں گھر برباد ہو گئے۔ ابھی کچھ دن پہلے میرا سفر ٹنڈو جام کا ہوا۔ اسی سال کے ایک بڑے میاں آئے، کہنے لگے کہ میرے داماد نے میری بیٹی کو تین طلاق دیدی اور اس کے آٹھ لڑکے ہیں اور نواں بچہ پیٹ میں ہے۔ سُنئے ذرا۔ ایک تو جوانی میں کوئی غلطی کر دے تو کہہ دیتے ہیں کہ ناسمجھی سے کم عقلی سے ایسا ہو گیا لیکن یہ تو بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے اور تبلیغ میں بھی جاتے رہتے ہیں۔ اب ان کو بھی دورے پڑ رہے ہیں کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوٹ گئے۔ غصہ میں تو انسان کو اپنی نالائقی کا پتہ ہی نہیں رہتا۔ اب بعد میں ہوش آیا کہ میں

نے کیا بے وقوفی کی کہ بیوی کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ اور بچے بھی تمام عمر کوسیں گے کہ کیسا ظالم باپ تھا کہ جس نے ہماری ماں کو اس عمر میں آکر طلاق دی۔ سارے گھر میں آگ لگ گئی، اب اس شوہر کو خود اتنا غم ہے کہ دورے پڑ رہے ہیں، دل کی بیماری ہو گئی۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے۔ اب پچھتائے کیا ہو جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

دوستو! غصہ بہت خطرناک چیز ہے اس کے علاج میں دیر نہ کرنی چاہئے ورنہ دیکھ لیجئے۔ ایسی عمر میں بڑھاپے میں نو بچوں کا باپ اور بچے بھی بڑے بڑے ایک بچہ تو اتنا بڑا ہے کہ نوکری کرتا ہے۔ غصہ میں پورے گھر کو تباہ کر دیا اور غصہ بھی کس بات پر آیا۔ یہ بھی سن لیجئے آپ کہیں گے کہ کوئی بڑی اہم بات ہوگی۔ بچہ نوکری پر نہیں گیا، طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ باپ نے پوچھا کہ نوکری پر کیوں نہیں گئے اس نے کہا کہ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بس جوتے سے پٹائی شروع کر دی کہ تو بہانہ بازی کرتا ہے یہ بدگمانی بھی کی، کسی کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں۔ بیٹے کے منہ سے بھی کچھ نکل گیا۔ ماں نے سفارش کر دی کہ کیوں میری اولاد کو پیٹتے ہو؟

ماں کو محبت زیادہ ہوتی ہے جب باپ پٹائی کرتا ہے تو ماں سفارش کرتی ہے۔ وجہ کیا ہے؟ کہ نو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے ابا جان پیٹ میں نہیں رکھتے اور اپنا خون پلاتی ہے دو سال دودھ پلاتی ہے اور دودھ خون سے بنتا ہے۔ جو نو مہینے پیٹ میں رکھے اور اپنا خون پلائے اسے ترس نہ آئے گا؟ اس نے کہا کہ مہربانی کر کے میرے بچے کو معاف کر دو، حالانکہ بچہ تو باپ کا بھی ہوتا ہے لیکن ماں اپنی طرف نسبت زیادہ کرتی ہے کہ تم میرے بیٹے کو قصائی کی طرح کیوں مار رہے ہو۔ بس اس پر اس نے کہا کہ اچھا میں تو اس کو ٹھیک کر

رہا ہوں تو میرے کام میں دخل دے رہی ہے لہٰذا تجھ کو طلاق۔ طلاق، طلاق۔ گویا پستول کی تین گولیاں لگا دیں، دونوں گھر برباد ہو گئے۔ لڑکی والے کا گھر اور لڑکے والے کا گھر دونوں میں آگ لگ گئی۔ اب دونوں کو دل کے دورے پڑ رہے ہیں بس عبرت کا مقام ہے۔ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کراتا خود بھی برباد ہوتا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی برباد کرتا ہے۔ اصلاح کے بغیر کام نہیں بنتا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آرام باغ کے پاس مسجد باب الاسلام میں ایک نوجوان دُعا مانگ رہا تھا اور ایسا گڑگڑا کے دُعا مانگ رہا تھا کہ میں اس کا معتقد ہوگیا اور اس کے چہرہ کی زیارت کو میں نے اپنے لئے نعمت سمجھا کہ یہ تو جوانی میں ہی ولی اللہ معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک بڑے میاں جن کو کم نظر آتا تھا مسجد سے جا رہے تھے ان سے اس نوجوان کو ذرا سا دھکا لگ گیا پیر لڑکھڑا گئے۔ بڑھاپے میں پیر بھی کانپنے لگتے ہیں تو وہ صاحب جو ابدال لگ رہے تھے، قطب الاولیاء معلوم ہو رہے تھے بولے کہ ابے او نالائق اُلو سوجھائی نہیں دیتا اندھا کہیں کا۔ بڈھا ہوگیا اور ابھی تک اتنی تمیز نہیں تجھ کو مجھے دھکا لگا دیا۔ ہاتھ بھی اللہ کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ایک بے چارے بوڑھے کو گالیاں بھی بک رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس اتنی عبرت ہوئی کہ ہائے میں تو اس کو ولی اللہ سمجھ رہا تھا مگر یہ تو شیطان کا بھی دادا نکلا کہ ایک بوڑھے شخص کے ساتھ ایسی بدتمیزی کر رہا ہے۔

اس لئے اصلاح ضروری ہے لوگ کہتے ہیں کہ بس بخاری شریف پڑھنے سے اصلاح ہو جائے گی۔ ارے میاں اگر صرف تلاوتِ قرآن سے اصلاح ہو

جاتی تو نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا اور تزکیہ کی نسبت نبی کی طرف کیوں کی گئی ۔ وَیُزَکِّیْهِمْ کہ ہمارے نبی تمہاری اصلاح کریں گے ۔ اصلاح کی نسبت نبی کی طرف ہے اور پھر نائبینِ انبیاء کی طرف ہے ۔ آدمی آدمی بناتا ہے کتاب خود سمجھ میں نہیں آسکتی کتاب اللہ کے لئے رجال اللہ پیدا کئے جاتے ہیں ۔ دیکھئے سُورۃ فاتحہ کی تفسیر معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے کہ :۔ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے رجال اللہ کی ضرورت ہے ۔ اور کتاب پر عمل کرنے کے لئے ہمت کا پیٹرول بھی انہی مردانِ خدا کے سینوں سے عطا ہوتا ہے ۔ اگر نبی وقت زندہ ہے تو نبی کے سینہ سے اور اگر نبی زندہ نہیں ہے دُنیا سے تشریف لے گیا تو اس کے نائبین کے سینوں سے ۔ اور جنہوں نے رجال اللہ کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو سمجھنا چاہا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دُوسروں کو بھی گمراہ کیا ۔ صراطِ منعم علیہم کو چھوڑ کر دین نہیں مل سکتا ۔

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا تھا کہ ہم حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے جو مُرید ہوئے ہیں تو ہم نے ان سے مسئلہ پُوچھنے کے لئے مُریدی نہیں کی مسئلہ تو حاجی صاحب ہم سے پوچھیں گے لیکن ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے توفیق اور ہمت کا پیٹرول حاجی صاحب سے ہم لینے گئے تھے دیکھئے اتنے بڑے بڑے عُلماء بھی اہل اللہ سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہُوئے ۔ بس سبق لینے کی بات ہے ۔

تو میرے دوستو ! اصلاح کے لئے کسی مصلح سے تعلق ضروری ہے لیکن اللہ والوں کی دوستی ان کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور ان کی صُحبت میں رہنا ہی کافی نہیں ان کو اپنے حالات بتانا پھر ان کے مشوروں کی اتباع بھی ضروری ہے ۔ صُحبت کے حقوق بھی تو ہوتے ہیں ، یہ نہیں کہ ان کی مُرغ کی دعوت کر دی یا چائے

پلادی اور اصلی مکھن کھلا دیا اور سمجھے کہ ان کی صحبت کا حق ادا ہوگیا۔

صحبتِ اہل اللہ کے حقوق میں سے ہے کہ اپنے حالات ان سے بیان کئے جائیں پھر ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔ اطلاع اور اتباع ہو اخلاص کے ساتھ۔

اب غصہ کا ایک علاج بتاتا ہوں۔ غصہ کے علاج کا ایک پرچہ چھپا ہُوا ہے خانقاہ سے آپ وہ بلا پیسہ مُفت حاصل کریں۔ بلا پیسہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس میں پیسہ ہی نہیں لگا۔ پیسہ لگا ہے جس کا لگا ہے جس نے اللہ کے لئے خرچ کیا ہے لیکن آپ کو مُفت مل جائے گا۔ اس میں چھ سات نمبر ہیں وہ آپ بعد تقریر خانقاہ سے حاصل کرلیں۔

مختصر سا علاج عرض کرتا ہوں کہ جب غصہ آجائے تو فوراً اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھیں لیکن ذرا دائیں بائیں بھی دیکھ لیں کیونکہ آج کل عجیب معاملہ ہے کہ اگر کسی شخص پر غصہ چڑھا اور آپ نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تو بعض آدمی لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتا ہے کہتا ہے کہ اچھا آپ نے مجھے شیطان بنادیا۔ حالانکہ اعوذ باللہ میں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ اور حفاظت طلب کی جارہی ہے شیطان کے شر سے۔ لیکن جہالت کا کیا علاج۔

اسی طرح لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے اندر خاصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔ لَاحَوْلَ کے معنی ہیں نہیں طاقت ہے گناہ سے بچنے کی اور وَلَا قُوَّۃَ کے معنی ہیں نہیں طاقت ہے نیک عمل کرنے کی اِلَّا بِاللّٰہِ مگر اللہ کی مدد سے۔ حدیث پاک میں بشارت ہے کہ اس کو پڑھنے سے توفیق کا خزانہ مل جاتا

ہے۔ اس کو کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ فرمایا گیا کہ یہ جنت کا خزانہ ہے۔ (بخاری شریف ص۱۰۹۹ ج ۲)

محدثین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ کیونکہ اس سے گناہ سے بچنے کی اور نیک عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے لہٰذا جنت تو پھر مل ہی جائے گی۔ جنت کے دو ہی خزانے ہیں، نیک عمل اور گناہ سے بچنا۔ اور دونوں اس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے لیکن آپ راستے میں کہیں جار ہے ہوں اور آپ کے اندر کسی گناہ کا تقاضا ہو رہا ہو اور آپ پڑھ دیں " لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ "، تو اس کو سُن کر بعض آدمی آپ سے لڑنے لگے گا کہ آپ نے مجھے دیکھ کر لاحول پڑھا، مجھے شیطان بنا دیا۔ اب یہ غلط چیز مشہور ہو گئی کہ لاحول شیطان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے آدمی لڑنے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہ نادانی ہے کیونکہ اس کے معنی اس کو معلوم نہیں فوراً کہتا ہے کہ آپ نے مجھ پر لاحول پڑھ دیا۔ اُوہ! معلوم ہوتا ہے کہ بڑی خطرناک گالی دے دی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ لہٰذا اس کو سُن کر بُرا نہیں ماننا چاہئے یہ اللہ سے مدد لینے کا وظیفہ ہے۔

تو غصہ کے وقت اعوذ باللہ پڑھ لے اور جس پر غصہ آرہا ہے وہاں سے ہٹ جائے یا اس کو ہٹا دے۔ اس سے کہہ دے کہ آپ اس وقت میرے سامنے سے چلے جائیں لیکن بعض وقت اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ہم اس کو ہٹا سکیں ایسے وقت میں خود ہی وہاں سے بھاگ جائے، مسجد چلا جائے وضو کرلے اور دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر دُعا کرلے، پانی غصہ کا علاج ہے وضو کرلو اور پانی بھی پی لو۔ کیونکہ آگ جب لگتی ہے تو پانی ہی سے تو بجھتی ہے یہ

حدیثوں کے علاج ہیں کہ جس پر غصہ چڑھے وضو کر لے، اور اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس طرح وہ انتقام لینے سے دُور ہوتا جا رہا ہے کیونکہ مارنے کے لئے کھڑے ہو کر دوڑنا آسان تھا اور اب جب بیٹھ گیا تو انتقام سے ایک درجہ دُور ہو گیا۔ اب بیٹھ کر دوبارہ اُٹھنے سے تھوڑی سی توکاہلی لگے گی اور اگر لیٹ گیا تو انتقام سے تین درجہ نیچے آگیا۔ کہے گا کہ لیٹ کر بیٹھوں اور بیٹھ کر کھڑا ہوں اور پھر دوڑوں مارنے کے لئے۔ چلو جانے دو۔ (۱؎ مشکوٰۃ ص۴۳۴) (۲؎ کنز الاعمال ص۸۲۸ ج۳)

حدیث کی ترتیب دیکھئے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور وضو کا بھی حکم فرمادیا تاکہ مزاج ٹھنڈا ہو جائے اور اللہ کے عذاب کو سوچے کہ جتنا غصہ مجھے اس پر آرہا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جاویں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہے اور جتنی طاقت مجھے اس پر ہے اس سے زیادہ طاقت و قدرت خدا کو مجھ پر ہے، اس وقت خدا کو یاد کرے اگر اس وقت خدا یاد نہیں آتا اور غصہ کی حالت میں خدا کا عذاب، خدا کی پکڑ کسی کو یاد نہیں رہتی اور غصہ والا کہتا بھی یہی ہے کہ صاحب ہمیں تو کچھ یاد نہیں رہتا یہی دلیل ہے کہ اس وقت وہ شیطان کے قبضہ میں چلا گیا چاہے سید صاحب ہوں مولوی صاحب ہوں، صُوفی صاحب ہوں، واعظ صاحب ہوں یا کوئی صاحب ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ مومن ہو کر ہم نے اس وقت خدا کو بھلا دیا اور بنتے ہیں صُوفی۔ تسبیحات بھی ہیں گریہ وزاری بھی ہے۔

ارے ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ چاہے اس کو کتنا ہی رونا آئے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق میں وہ خدا کو یاد نہیں رکھتا تو کیا اس کے آنسو ہیں۔ حالتِ غضب

میں سوچے کہ ہم کس کے بندے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان سے دیکھ رہا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اُمیدوار تو بنے ہوئے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ہمیں اپنی رحمت سے بخش دے لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا نہیں آرہا ہے یہاں ہم بالکل بے ہوش ہو جاتے ہیں کہ کوئی ذرا سا ستادے تو بغیر انتقام لئے چین نہیں آتا۔

علامہ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اِنَّ الْوَلِیَّ لَا یَکُوْنُ مُنْتَقِمًا وَ الْمُنْتَقِمُ لَا یَکُوْنُ وَلِیًّا

اللہ کا ولی انتقام لینے والا نہیں ہوتا اور انتقام لینے والا اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

جو اللہ کے بندوں پر رحم کرنا نہیں جانتا وہ کس منہ سے اللہ کی رحمت کا امیدوار بنتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرما دی کہ اگر تم اپنی مغفرت چاہتے ہو، اگر تم مجھ سے میری رحمت چاہتے ہو تو میرے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دو۔

لیکن اگر کسی سے بار بار غلطی ہو جاتی ہے تو مایوس ہرگز نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ غصہ اُترنے کے بعد فوراً اس کی تلافی کرے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کو جو غصہ سے بار بار مغلوب ہو جاتے تھے یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب غصہ اُتر جائے تو جس پر غصہ کیا ہے مجمع عام میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے اس کے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھئے۔ ایک دو بار ایسا کرنے سے ہی نفس کو عقل آجائے گی اور پھر یہ غلطی نہیں کرے گا کہے گا کہ غصہ کے بعد تو بہت ذلت اٹھانی پڑتی ہے لہٰذا ایسے غصہ سے میں باز آیا۔

یہ چند علاج ہیں کہ جس پر غصہ آرہا ہے اس سے الگ ہو جائے، دُور چلا جائے، ٹھنڈا پانی پی لے، وضو کرلے، اور اللہ کے غضب اور اس کی پکڑ کو یاد کرے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو یہی سکھایا تھا جیسا کہ ابھی حدیث پاک سنائی گئی۔

اور غصہ کے وقت یہ سوچے کہ اگر میری خطاؤں پر اللہ تعالیٰ گرفت فرمانے لگیں تو میں کیا چاہوں گا؟ یہی کہ میری معافی ہو جائے، اللہ مجھے معاف کر دے۔ بس جب میں اپنے لئے معافی کو پسند کرتا ہوں تو مجھ کو بھی اس شخص کو معاف کر دینا چاہئے۔ اور یہ شخص میرا اتنا خطاوار نہیں جتنا میں حق تعالیٰ کا مجرم اور خطاکار ہوں اور حق تعالیٰ کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ ان کے حلم نے مجھے بچا رکھا ہے ورنہ اگر وہ چاہیں تو ابھی زمین کو پھاڑ دیں اور زمین کے اندر مجھے دھنسا دیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ عفو و کرم کا یہ معاملہ ہے اور میں ان کی معافی کا ہر وقت محتاج ہوں تو کیوں نہ اس شخص کو معاف کر دوں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کوئی وقت مقرر کر کے روزانہ کچھ دیر اپنے عیوب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے کہ کائنات میں سب سے زیادہ حقیر اور بُرا میں ہوں۔ اس سے تکبّر کی جڑ کٹ جائے گی اور جب تکبّر ختم ہو جائے گا تو غصہ بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ غصہ کا سبب کبر ہی ہے اور غصہ کے وقت یہ سوچے کہ میں تو سب سے بُرا ہوں اس لئے اپنے سے بہتر پر غصہ کرنے کا مجھے کیا حق ہے۔

ایک وظیفہ بھی ہے جس سے غصہ میں کمی آجاتی ہے۔ ۲۱ مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر نماز کے بعد پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لے اور کھانا کھانے کے وقت تین تین بار پڑھ کر کھاتے پر بھی دم کرلے اور

پانی پر بھی دم کر لے۔ اللہ کی شانِ رحمت کا اس پر ظہور ہو جائے گا کیونکہ مٹی سورج کی شعاعوں سے سفید اور روشن معلوم ہوتی ہے اور جہاں سورج کی شعاع نہیں ہے وہاں تاریک اور بے نور ہوتی ہے۔ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا آفتاب اس پر اپنی کرن ڈال دے گا، رحمت کی کوئی شعاع آ جائے گی انشاء اللہ اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ یہ وظیفہ بزرگوں کا بتایا ہوا ہے۔ جیسا مرض ہو اس کے مناسب اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام انتخاب کر لو حق تعالیٰ کی اسی صفت کا ظہور پڑھنے والے پر ہو جائے گا۔ مثلاً بیمار ہے تو یَاسَلَامُ پڑھے، اس پر سلامتی کا ظہور ہوگا۔ مفلس ہے تو یَامُغْنِیْ پڑھے، حق تعالیٰ کی صفت غناء کا ظہور ہوگا۔ اسی طرح اللہ کا نام رحمٰن ورحیم ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنے سے شانِ رحمت کا ظہور ہو گا اور اس کا غیظ وغضب کم ہو جائے گا۔ بے جا غصہ نہیں آئے گا۔

اسی لئے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم بتاتے ہیں کہ چلتے پھرتے کثرت سے یَااَللّٰہُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ پڑھتا رہے لیکن اتنا زیادہ نہ پڑھے کہ دماغ گرم ہو جائے بلکہ اپنی طاقت وتحمل کے مناسب پڑھے بس چلتے پھرتے کبھی کبھی کہہ لیا کرے یَااَللّٰہُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ۔ یہ نہیں کہ مشین کی طرح زبان چلے جا رہی ہے آج کل قویٰ کمزور ہو گئے ہیں زیادتی وظائف سے دماغوں میں خشکی پیدا ہو رہی ہے یہاں تک کہ بعض لوگ پاگل ہو گئے اس لئے اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ کوئی وظیفہ بھی ہو طاقت سے زیادہ نہ پڑھیں بلکہ کسی مصلح سے مشورہ بھی کر لیں۔

اچھا ۲۱ مرتبہ بسم اللہ الخ پڑھنا اگر کسی کو مشکل ہوتا ہے تو چلو سات مرتبہ پڑھ لو، سات مرتبہ بھی مشکل لگے تو تین مرتبہ پڑھ لو، کیونکہ آج کل کراچی میں بڑی

مصروفیت ہے۔ دیہاتوں میں تو یہ وظیفہ زیادہ بھی بتادو تو وہ کہیں گے کہ صاحب یہ تو بہت کم ہے کیونکہ ان کے قویٰ بھی مضبوط ہوتے ہیں اور وقت بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن کراچی والے کہتے ہیں کہ ۲۱ مرتبہ بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک تاجر سے بات ہو رہی تھی، کہنے لگے کہ صاحب مجھے تو کراچی میں مرنے کی فرصت بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا جی ہاں آپ کو مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے موت کا فرشتہ جب آئے گا تو سیٹھ صاحب سے مشورہ کرے گا کہ حضور آپ کو مرنے کی فرصت ہے یا نہیں؟ جان نکالوں یا نہ نکالوں، ابھی آپ "بزی" تو نہیں ہیں کہیں گے کہ "بزی" ہوں۔ وہ کہے گا اچھا "بزی" ہو مگر میں "بز" ہی بنا کے رہوں گا۔ بز کے معنی بکری یعنی ابھی رُوح نکالتا ہوں۔ عزرائیل علیہ السلام شیروں کو بکری بنا دیتے ہیں۔ رُوح ایسے نکالتے ہیں کہ پہلوان بھی دھڑام سے گر پڑتا ہے، کوئی کتنا ہی بڑا پہلوان ہو موت کے سامنے اس کا کیا داؤ چلے گا؟

اور یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بھی چلتے پھرتے پڑھتا رہے جس کو غصہ کی بیماری ہو۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ کتنی ہی زبردست مصیبت کسی کو ہو، کتنی ہی پریشانی ہو، قرضہ کی ہو یا بیٹی کا رشتہ نہ مل رہا ہو، کوئی دشمن ستا رہا ہو یا کوئی بھی مصیبت ہو تو پانچسو مرتبہ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھے اوّل آخر درُود شریف۔ انشاءاللہ چالیس دن بھی نہیں گذریں گے کہ اس کی مصیبت دُور ہو جائے گی اور حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کہتا ہے یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اس کے پاس بھیجتے ہیں جو کہتا ہے کہ اے شخص! ارحم الراحمین اپنی شانِ رحمت سے تیری

طرف متوجہ ہیں بول کیا مانگتا ہے؟ اس وظیفہ سے غصہ بھی ٹھنڈا ہوگا اور دُنیاوی کام بھی بنیں گے، مشکلات دُور ہوں گی۔

اچھا ۵۰۰ بار نہ بن سکے تو ۱۱۱ دفعہ پڑھ لیں ۱۱۱ دفعہ پڑھنا مشکل ہو تو ۷۰ دفعہ پڑھ لیں، ۷۰ دفعہ مشکل ہو تو ۷ دفعہ پڑھ لیں، سات دفعہ پڑھنا مشکل ہو تو تین دفعہ پڑھ لیں اور تین دفعہ بھی مشکل ہو تو ایک ہی دفعہ پڑھ لیں بہت بڑا نام ہے ان کا۔ ان کو محبت و اخلاص سے ایک دفعہ پکارنا بھی خالی نہیں جائے گا۔ اب بتاؤ اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوگی بہت ہی ظالم ہوگا وہ شخص جو ایک دفعہ کہنے سے بھی کاہلی کرے۔ کتنا نزول ہے۔

اگر اللہ والوں کی جوتیاں اختر نے نہ اُٹھائی ہوتیں تو اتنا نزول کرنا مشکل تھا پانچ سو سے کم نہ کرتا۔ لیکن چونکہ اللہ کے فضل سے بزرگوں کی صحبتیں اٹھائیں کان میں ان کی باتیں پڑی ہوئی ہیں۔

میرے شیخ نے سُنایا تھا کہ حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نے مجھے (یعنی حضرت شیخ پھولپوری کو) لکھا کہ ستر مرتبہ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا پڑھ لیا کرو۔ اس وقت حضرت شیخ پھولپوری جون پور میں پڑھاتے تھے۔ تو حضرت نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ میں تو سولہ سبق پڑھاتا ہوں، بالکل ہی تھک جاتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا کہ اچھا اگر ستر مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو آپ سات مرتبہ پڑھ لیا کریں اور ایک پر دس کا وعدہ ہے فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا سات کو دس سے ضرب دو، آپ کو ستر کا ثواب مل جائے گا۔ بزرگوں کے ارشادات کی روشنی ہی میں یہ پیش کیا ہے کہ پانچ سو مرتبہ نہ سہی تو ۱۱۱ بار سہی۔ ایک سو گیارہ کَافِيْ کا ابجد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک کَافِيْ ہے۔ ایک سو گیارہ مرتبہ اگر پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ کے نام

کَافِیْ کا عدد پورا ہوگیا۔ اس کے لئے اللہ انشاء اللہ کافی ہو جائے گا۔ اور یہ نہ ہو تو ستر مرتبہ بھی بعض اوراد کا پڑھنا حدیثوں میں آتا ہے اور سات مرتبہ بھی آتا ہے اور کم سے کم تین دفعہ پڑھنا سنّت ہے اس لئے کم سے کم تین دفعہ تو پڑھ ہی لے سنت کی نیت سے۔

اور بعض نے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ الخ سات مرتبہ پانی پر دم کر کے پی لیا اس آیت کی برکت سے ان کا غصّہ ٹھیک ہوگیا۔ اور دُرود شریف پڑھنا بھی بہت مفید ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کو سوچا کرے کہ ہمیں بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے رحمت لینا ہے اس لئے اللہ کے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دے۔ خود تکلیف اٹھالے اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے اور یہ نیک بندوں کی علامات میں سے ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ نیک بندے کون ہیں؟ قرآن پاک کی ایک آیت ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۔ اَبْرَارٌ جمع ہے بَرٌّ کی۔ بَرٌّ معنی نیک۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ ابرار کی تفسیر فرماتے ہیں اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْذُوْنَ الذَّرَّ نیک بندے وہ ہیں جو چیونٹیوں کو بھی اذیت نہ دیں اور وَلَا یَرْضَوْنَ الشَّرَّ۔ اور اللہ کی نافرمانی سے ناراض رہیں خوش نہیں ہوتے۔ اگر دُوسرے کو بھی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ لیں تو دل میں دُکھ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہائے یہ میرے اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ نیک بندوں کی دو علامات ہوئیں:

۱: وہ چیونٹیوں کو بھی اذیت نہیں دیتے۔ اور
۲: اللہ کی نافرمانی سے راضی نہیں ہوتے۔

اس لئے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً غصہ کی حالت میں۔ کیونکہ غصہ میں عقل مغلوب ہوجاتی ہے اس لئے غصہ میں آدمی دوسرے کو زیادہ اذیت پہنچادیتا ہے۔

اچھا جس کو طاقت زیادہ ہوتی ہے اسی کو غصہ بھی زیادہ آتا ہے لیکن اگر اس کی طاقت سے زیادہ طاقت والا آجائے تب اس کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر احسن صاحب ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب میں غصہ میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ تو ہنس کر کہنے لگے کہ غصہ بہت چالاک ہے پاگل نہیں ہوتا کیونکہ جس کو غصہ چڑھا ہے اگر اس سے دوگنا طاقت والا آجائے چھرا یا پستول لئے ہوئے تو جن کو غصہ چڑھا ہوا تھا اور جو ابھی کہہ رہے تھے کہ میں غصہ میں پاگل ہو گیا ہوں ان کو ایسی عقل آجائے گی کہ ایسا تیز بھاگیں گے کہ پوچھو مت، تو یہ غصہ پاگل نہیں ہے بڑا چالاک ہے۔ غصہ اپنے سے کمزوروں پر پاگل ہوتا ہے جب اس سے زیادہ طاقت والا کوئی پہلوان آجائے جس کو دیکھتے ہی یہ سمجھ لے کہ یہ ہمیں گرادے گا وہاں اس کو ایک دم عقل آجائے گی۔ ہاتھ جوڑے گا، پاؤں پکڑے گا اور رونے بھی لگے گا اور کہے گا کہ معاف کردو، سارا غصہ غائب، ایسا غائب جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

لیکن جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ حالتِ غضب میں بھی اپنے نفس پر غالب رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے طاقت ور تھے قرآن میں اعلان ہورہا ہے کہ آپ نے ایک قبطی کو ایک گھونسہ مارا فَقَضٰى عَلَيْهِ ایک ہی گھونسہ میں اس کا کام تمام ہوگیا۔ جس کے گھونسہ میں اتنی طاقت ہو اس سے ان کی قوت کا اندازہ لگالیں۔ اور ایک بار اللہ کے حکم سے پتھر کی

چٹان پر ڈنڈا مارا تو چٹان اُڑ گئی، دُوسری بار مارا تو دوسری تہہ اُڑ گئی، تیسری بار ان کی لاٹھی کی ضرب سے چٹان جب اُڑی ہے تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک کیڑا تھا جس کے منہ میں ایک ہرا پتہ تھا، وہ اپنا رزق کھا رہا تھا اور تین چٹانوں کے اندر کہیں کوئی سوراخ بھی نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو یہ دکھانا تھا کہ ہم رزق ایسے پہنچاتے ہیں۔

رُوح المعانی میں وَمَا مِنْ دَابَّةٍ الخ کی تفسیر کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اللہ ساری دنیا کو رزق کس طرح دیتا ہے؟ یہ شک و شبہ نہیں تھا، انبیاء کو شک و شبہ نہیں آتا ان کا ایمان کامل ہوتا ہے بس ایک خیال آیا تھا تفصیل جاننے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت حکم دیا کہ اس چٹان پر لاٹھی مارو۔ جب تین چٹانیں اُڑ گئیں تو دیکھا کہ اس کے اندر ایک کیڑا ہرا پتہ کھا رہا ہے اور وہ کیڑا ایک وظیفہ بھی پڑھ رہا ہے۔ ذرا اس کا وظیفہ بھی سُن لیجئے وہ اللہ میاں کو یاد کر رہا تھا تیسرے پتھر کی چٹان کے نیچے چُھپا ہوا کیا کہہ رہا تھا؟ سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِيْ پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے، پاک ہے وہ جو تین چٹانوں کے نیچے چھپے ہوئے ایک کیڑے کو دیکھ رہا ہے وَيَسْمَعُ كَلَامِيْ اور جو میری بات کو سُنتا ہے وَيَعْرِفُ مَكَانِيْ اور جو میرے رہنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے وَيَذْكُرُنِيْ وَلَا يَنْسَانِيْ اور جو ہمیشہ مجھ کو یاد رکھتا ہے اور کبھی مجھ کو نہیں بھولتا کہ کسی وقت روزی نہ ملے۔ (ص۳ ج ۱۲)

تو جن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتنی طاقت تھی انہیں کے ریوڑ سے نبوت ملنے سے پہلے ایک بکری بھاگ گئی۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے مفسر ہیں اپنی تفسیر کبیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بکری ان

کے ریوڑ سے بھاگ گئی اس کو پکڑنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام دوڑے۔ وہ بھاگتے بھاگتے میلوں دوڑ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی لئے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں کانٹوں سے آپ کے پاؤں مُبارک لہُولہان ہو گئے اور بکری کا بھی یہی حال ہو گیا۔ تمام کانٹے چُبھ گئے، اس کے پاؤں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ آخر میں وہ تھک گئی اور کھڑی ہو کر ہانپنے لگی تب آپ نے اس بکری کو پکڑ لیا۔ بتائیے اگر ہم آپ پکڑتے تو کیا کرتے نہ معلوم اس کی کتنی پٹائی کرتے بلکہ چھُری سے ذبح ہی کر ڈالتے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا؟ اپنے کانٹوں سے پہلے اس کے کانٹے نکالے اور اس کے پیر دبانے لگے۔ اس کے بعد اس کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اور جہاں سے وہ بکری بھاگی تھی اس جگہ تک پہنچا دیا۔ اس وقت آپ کو غصہ نہیں آیا بلکہ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ اے بکری اگر تجھ کو موسیٰ پر رحم نہیں آیا تو اپنے اُوپر تو رحم کرتی، تُو نے اپنے کو اتنی مصیبت میں کیوں ڈالا؟

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ فرشتوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے گذارش کی یا اللہ یہ شخص نبوت کے قابل معلوم ہوتا ہے اتنا صبر، اتنی برداشت، اتنا حلم۔ اے اللہ اپنی رحمت سے آپ اس کو نبی بنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو نبوت کے لئے منتخب کیا ہُوا ہے یہ ہمارے علم میں نبی ہیں، جن کے درجے بلند ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قوتِ برداشت عطا کرتا ہے۔ یہ کیا کہ ذرا سا غصہ آیا اور پاگل ہو گئے۔

حضورﷺ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ

نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری ص۹۰۳ ج ۲)

پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔

ایک دیہاتی صحابی جو ابھی نیا نیا اسلام لائے تھے ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مسجد کے آداب کیا ہیں وہ آئے اور مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ دوڑے کہ ہیں ہیں کیا کر رہے ہو اور اس کو ڈانٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُزْرِمُوْهُ اس کا پیشاب منقطع نہ کرو یعنی اس کو پیشاب کرنے سے منع مت کرو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب اطمینان سے وہ فارغ ہوگیا تو آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور نرمی سے سمجھایا کہ مساجد اللہ کے ذکر اور نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہوتی ہیں۔ مساجد میں پیشاب کرنا اور گندگی پھیلانا بُری بات ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بالٹی پانی لاؤ اور پیشاب پر بہا دیا۔ (صحیح مسلم ص۱۳۸ ج ۱ کتاب الطہارۃ)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خطباتِ مدراس میں لکھتے ہیں کہ ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے پیغمبر جیسی برداشت، صبر اور عقل کامل کہیں نہیں پائی۔ کیونکہ ایسے وقت میں جب کسی کی مقدس جگہ کوئی پیشاب کرنے لگے تو انسان کی عقل ٹھیک نہیں رہتی لیکن مسلمانوں کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عقل سے میں کافر ہو کر حیران ہوں کہ آپ نے کس طرح اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اپنی حسن تدبیر سے پوری مسجد کو ناپاک ہونے سے بچا لیا۔ اس وقت عقل کا تقاضا بھی یہی تھا کیونکہ اگر اس حالت میں اس کو دوڑا لیا جاتا تو ساری مسجد ناپاک ہو جاتی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل سے کام لیا جس سے تھوڑی سی جگہ ہی ناپاک ہوئی جو آسانی سے

پاک ہوگئی۔

اس سے منشاء یہ بتلانا ہے کہ تحمل بہت بڑی چیز ہے۔ اُونٹ چرانے والی قوم کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے صدقہ میں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین ہیں۔ ساڑھے دس سال خلافت کی جن کے نام سے عیسائی ملکوں کے بادشاہ کانپتے تھے، قیصر و کسریٰ کے جھنڈے سرنگوں ہو جاتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اے عمر! تُو اُونٹ چرایا کرتا تھا، یہ سیّد الانبیاء محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُوتیوں کا صدقہ ہے کہ آج اے عمر تو سلطنت کر رہا ہے، امیر المؤمنین اور مسلمانوں کا خلیفہ بنا ہُوا ہے۔

ایک دن ان سے کسی نے پُوچھا کہ آپ کے غصہ کا کیا حال ہے ؟ آپ تو بہت ہی غصہ والے آدمی تھے۔ فرمایا کہ پہلے ہمارا غصہ اسلام کے خلاف تھا اب کافروں کے خلاف ہے۔ اب تو میں ادنیٰ مسلمان کا بھی اکرام کرتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالے تھے افریقہ کے غلام تھے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے "یا سیّدی بلال" اے میرے سردار بلال! بھلا بتلائیے سرداران قریش میں سے معزز خاندان کا فرد نبی کا پیارا وزیر ایک حبشی غلام کو سیّدی کہہ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر تھے، ایک

حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے حضرت عمر فاروق۔ یہ دو ایسے وزیر تھے جن سے بارہ بارہ بجے رات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشورے لیتے تھے کوئی اور صحابی وہاں نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے ایک دن نکل گیا کہ اے بلال تم کالے ہو فوراً خیال آیا کہ میرے منہ سے یہ کیا نکل گیا۔ ایک بات بتادوں کہ جو اللہ کے مقبول ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں، ان کی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ فرمادیتے ہیں۔ ان کو اپنی خطاؤں کا احساس ہو جاتا ہے یہ احساس ہونا علامت ہے کہ یہ شخص اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ لہٰذا فوراً احساس ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمین پر لیٹ گئے اور فرمایا کہ اے بلال! عمر زمین پر لیٹ گیا ہے تم اپنے پاؤں سے عمر کے جسم پر چلو تاکہ قیامت کے دن عمر کی خطا معاف ہو جائے لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں چلے۔ فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی کے پیارے اور خسر ہیں آپؓ کی بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اُمت کی ماں ہے بھلا ایسے معزز کے جسم پر میں پاؤں رکھ سکتا ہوں؟ بس میں نے اللہ کے لئے معاف کر دیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنا کام بنا گئے۔

خلافت کے زمانے میں ایک دن خیال آیا کہ اے عمرؓ تو مسلمانوں کا خلیفہ ہے یہ محض وسوسہ تھا تکبر نہیں تھا صرف خیال آ گیا تھا۔ فوراً ایک مشک اٹھائی پانی بھر کر کندھے پر لادا اور ایک غریب مسلمان کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ دروازہ کھول دو پردہ کرا لو عمرؓ پانی بھرنے آیا ہے۔ یہ کون ہیں؟ خلیفۂ راشد ہیں۔ امیرالمؤمنین ہیں سلطنت ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے یہ کام کیوں کیا نفس کو مٹانے کے لئے۔ بزرگوں نے اپنے نفس کو اس طرح سے مٹایا ہے۔ غصہ کے بارے میں یہ واقعات اس لئے سُنا رہا ہوں تاکہ معلوم ہو

جائے کہ اللہ کے مقبول بندوں کی نشانی یہی ہے کہ اگر خطا ہو جاتی ہے تو فوراً معافی مانگتے ہیں استغفار و توبہ میں دیر نہیں کرتے کیونکہ جب کافروں کو بھی استغفار مفید ہے تو مسلمانوں کو کیوں نہ ہوگا۔ کافر لوگ طواف کی حالت میں کہتے تھے غُفْرَانَكَ اے خدا ہم کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت کافروں کے لئے نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اے نبی جب تک آپ ان کافروں میں زندہ ہیں اس وقت تک میں ان پر عذاب نازل نہیں کروں گا۔ اور دوسری آیت ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ نے کافروں کو جو بشارت دی ہے وہ دنیا کے لئے ہے کہ اگر کافر بھی استغفار کرتا رہے تو دنیا میں اس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا بوجہ ایمان نہ لانے کے۔

محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اِذَا كَانَ الْاِسْتِغْفَارُ يَنْفَعُ الْكُفَّارَ فَكَيْفَ لَا يُفِيْدُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْاَبْرَارَ یعنی جب استغفار کافروں کو بھی نفع دے رہا ہے اور ان کو دنیا کے عذاب سے بچا رہا ہے تو مسلمان کو کیوں نفع نہ دے گا۔ (مرقاۃ ص۱۲۳ ج ۵)

ملا علی قاریؒ نے اس آیت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ جلد نمبر ۵ کتاب الاستغفار میں نقل فرمایا۔ حضرت علیؓ

فرماتے ہیں کہ اے مُسلمانو، اے اصحابِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور تابعین سُن لو اور قیامت تک کے لئے سُن لو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بچانے کے لئے دو امان نازل فرمائے تھے۔ فَرُفِعَ اَحَدُهُمَا تو عذاب سے نجات کا ایک ذریعہ تو ہم سے اُٹھ گیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے اٹھا لئے گئے وَبَقِیَ ثَانِیهِمَا اور دوسرا باقی ہے یعنی استغفار اگر تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہو، گریہ وزاری کرتے رہو تو انشاءاللہ تعالیٰ عذاب سے بچ جاؤ گے جس سے بھی کوئی خطا ہو جائے دو رکعات توبہ پڑھ کر اللہ سے رو لو استغفار کر لو۔ جہاں جہاں آنسو لگ جائیں گے دوزخ کی آگ وہاں حرام ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کریم ہیں جب ایک جُز کو جنت میں داخل کریں گے تو پُورا جسم ہی جنت میں داخل کر دیں گے۔ ان کے کرم سے یہ بعید ہے کہ چہرہ تو جنت میں داخل کر دیں اور باقی جسم دوزخ میں ڈال دیں بس اگر گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے معافی مانگیں اور بندوں کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے تو بندوں سے معاف کرائیں یہ نہیں کہ کسی کا مال مار لیا اور زبان سے کہہ رہے ہیں توبہ یا اللہ توبہ یا اللہ توبہ، اس وقت محض زبانی توبہ سے معافی نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا مال واپس نہیں کریں گے۔ جب اس کا مال اس کو دے دیں گے تب معافی ہوگی۔ اسی طرح غصہ میں کسی پر زبان یا ہاتھ سے زیادتی ہو گئی تو ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگیں، جس طرح ہو اس کو راضی کر لیں ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا اور ہر وقت ہوشیار رہیں کہ کہیں غصہ مجھ پر نہ چڑھ جائے اور غصہ کو استعمال کرنا ہے تو اپنے نفس پر کیجئے۔ جب دل کسی عورت کو دیکھنے کو چاہے اس وقت اس غصہ کو اپنی آنکھوں پر استعمال کیجئے، نفس سے کہئے کہ ہرگز نہیں دیکھوں گا چاہے تو مر

جائے اللہ کی محبت میں اتنا ارادہ تو کر لو کہ نہ دیکھنے سے چاہے میری جان چلی جائے نہیں دیکھوں گا۔ گناہ نہیں کروں گا چاہے جان رہے یا نہ رہے اس غصہ کو اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں اپنے نفس پر استعمال کیجئے اور کبھی جہاد کا موقع ہو تو کافروں کے مقابلہ میں استعمال کیجئے، بزرگانِ دین سے مشورہ کر لیجئے کہ غصہ کہاں استعمال کرنا چاہئے۔

اور آخر میں بس یہی عرض کرتا ہوں کہ نفس کی اصلاح کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی اللہ والے سے اصلاح کا تعلق قائم کر لیجئے اس کو اپنے حالات کی اطلاع اور اس کے مشوروں کی اتباع شروع کر دیجئے پھر دیکھئے کتنی جلدی اصلاح ہوتی ہے پھر آپ بزبانِ حال کہیں گے ؎

تُو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

بس اب دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے اللہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کو اپنی رحمت سے قبول فرما لیجئے۔ میری زبان کو جس نے آپ کی دی ہوئی توفیق سے آپ کی باتیں سُنائی ہیں اور میرے دوستوں کے کان کو جنہوں نے محبت سے آپ کی باتوں کو سُنا ہے اور میری ماں بہنوں بیٹیوں کو جو گھر کے اندر وعظ کو سنتی ہیں سب کو اپنا پیارا بنا لیجئے اپنا محبوب بنا لیجئے اور قبول فرما لیجئے اور آپ کریم ہیں جب زبان اور کان قبول کر لیں گے تو سارا ہی جسم قبول فرمالیں گے اور ہمارے دلوں کو بھی قبول فرمائیے اور ہماری رُوحوں کو بھی قبول فرمائیے ہم سب کو یا اللہ اولیاء صدیقین میں شامل

رما دیجیے۔ ہم سب کو ولی اللہ بنا دیجیے، ہمارے اخلاق کی اصلاح فرما دیجیے ہم سب کو تزکیہ نصیب فرما دیجیے۔ اللہ والی زندگی نصیب فرما دیجیے، اللہ ہر قسم کی بلا اور پریشانی سے اور ہر قسم کی بُری بُری بیماریوں سے ہر قسم کے فکر اور غم کی باتوں سے اور دُکھ سے اللہ ہم سب کو امن اور عافیت نصیب فرمائیے اور ہر وقت اپنی رضا کی حیات نصیب فرمائیے اور اپنی رحمت سے ہر غم اور پریشانی سے بچائیے، یا اللہ اطمینان کی زندگی حیاتِ طیبہ ہم سب کو نصیب فرمائیے۔ جو لوگ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں یا اللہ جس کے لئے آپ نے اس طرح سے اعلان فرمایا کہ اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کریں اور جو استغناء کرے گا اور انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ہے دُعا کیجیے کہ جن لوگوں نے حج کی درخواستیں دی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو آسانی سے حج نصیب فرمائے حج مقبول نصیب فرمائے مشکلات رفع ہو جائیں جنہوں نے حکومت سے اجازت مانگی ہے ان کو اجازت مل جائے آرام اور عافیت کے ساتھ حج مبرور نصیب فرمائے اور جنہوں نے سستی یا مشغولی سے حج فرض ادا نہیں کیا ہے اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ اتنی سخت وعید فرمائی کہ جو سستی کی وجہ سے حج نہ کرے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے اتنی سخت وعید ہے، اے اللہ جن پر حج فرض ہے ان کو اپنی رحمت سے جلد حج کرنے کی توفیق عطا فرمائیے اور آسانی فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ؛

غضب سے متعلق دو احادیث مبارکہ

معالجۂ غضب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غصہ شیطان سے ہے (یعنی اس کے وسوسہ اور اثر سے ہے) اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو صرف پانی ہی بجھا سکتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آجاوے تو وضو کرلے۔

(مرقاۃ ج ۹ صـ ۳۱۲ بحوالہ ابوداؤد شریف)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ جب غصہ آجاوے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ اور مرقاۃ میں ہے کہ اگر غصہ پھر بھی دُور نہ ہو تو وضو کرلے اور پھر بھی نہ دُور ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لے۔ پس یہ صبر کی دوا ہے جو شیطان پر بہت ناگوار ہے۔ (بحوالہ بالا)

اہلِ غضب کی چار قسمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو جلد غصہ ہوتا ہے اور جلد رجوع کرتا ہے یہ شخص نہ مدح کا مستحق ہے نہ ذم کا۔ اور وہ شخص جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے زائل ہوتا ہے یہ شخص بھی مدح و ذم کا مستحق نہیں اور وہ شخص جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ تم میں سب سے بہتر ہیں اور تم میں سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلد آتا ہے لیکن دیر سے زائل ہوتا ہے۔

(مرقاۃ۔ ج ۹۔ صـ ۳۳۶)

غصہ کا علاج

از افادات حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس وقت غصہ آئے اس وقت یہ سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اس طرح غصہ کرنے لگے تو آخر میں بھی چاہوں گا کہ معافی ہو جاوے۔ تو مجھ کو چاہئے کہ اس شخص کو بھی معافی دے دوں اور یہ سوچو کہ یہ شخص میرا اتنا خطاوار تو ہوگا نہیں جتنا میں اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہوں۔ پھر جب میں معافی کا آرزو مند ہوں تو اس کو کیوں نہ معاف کر دوں۔ دُوسرا کام یہ کرے کہ فوراً وہاں سے جُدا ہو جاوے یعنی اس جگہ نہ رہے جب تک کہ غصہ بالکل فرو (زائل) نہ ہو جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

تیسرا کام یہ کرے کہ کوئی وقت مُتعیّن کر کے اپنے عیوب کا دھیان کیا کرے اور سوچا کرے کہ میں سب سے بدتر ہوں۔ اس سے کبر کی جڑ کٹ جائے گی۔ اور غصہ کا منشاء (سبب) کبر ہی ہے۔ (کبر کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا اور دُوسرے کو حقیر سمجھنا۔)

اور غصہ کے وقت یہ خیال کر لیا کرے کہ تُو تو سب سے بدتر ہے۔ پس اپنے سے بہتر پر غصہ نہ آنا چاہئے۔ (تربیت السالک ج ۱۔ صفحہ ۲۴۹)

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ غصہ کے وقت تھوڑی سی ہمت کرنے کی ضرورت ہے کہ جس پر غصہ ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے یا خود علیحدہ ہو جاوے۔ اور اگر پھر بھی غلطی ہو جاوے تو اس کا یہی تدارک جو آپ کا معمول ہے کافی ہے۔ (یعنی معافی مانگنا) اور اس کا شبہ نہ کیا جاوے کہ شاید دل سے معاف نہ کیا ہو کیونکہ انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں کہ

اپنی طرف سے دل سے (صاحب حق کو) راضی کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے آگے اختیار نہیں تو اس کا مکلف بھی نہیں۔ (تربیت السالک ج ۱، صـ ۲۴۸)

فرمایا کہ اگر اس کا التزام کریں کہ جب کسی پر غصہ آجاوے تو اس کو کچھ ہدیہ دیا کریں چاہے قلیل ہی مقدار ہو تو زیادہ نفع ہو۔

فرمایا کہ غصہ کا ایک مجرب علاج یہ ہے کہ جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے پاس سے جُدا کر دیا جاوے یا اس کے پاس سے خود جُدا ہو جاوے اور فوراً کسی شغل میں لگ جاوے۔ (کمالاتِ اشرفیہ صـ ۲۳ و صـ ۲۴)

ایک صاحب نے غصہ کے علاج کا مجرب نسخہ دریافت کیا۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ جس پر غصہ کیا جاوے تو غصہ زائل ہو جانے کے بعد مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جُوتے اپنے سر پر رکھئے۔ ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ (تربیت السالک ج ۱۔ صـ ۲۴۳)

غصہ کے متعلق ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

سرعتِ غضب (جلدی غصہ آجانا) امرِ طبعی ہے۔ اختیار سے خارج ہے نہ اس پر ملامت ہے (یعنی اس میں کوئی مضایقہ نہیں) البتہ اس کے مقتضاء پر عمل جبکہ حدُود سے تجاوز ہو جاوے مذموم ہے (یعنی غصہ کے تقاضے پر عمل اس وقت بُرا ہے جبکہ حد سے تجاوز ہو جاوے۔) اور اس کا علاج بجز ہمت کے کچھ نہیں۔ اس ہمت میں مغضوب علیہ (یعنی جس پر غصہ آیا ہے) سے فوراً دُور چلا جانا اور اعوذ باللہ پڑھنا اور اپنی خطاؤں اور حق تعالیٰ کے غضب کے احتمال کو یاد کرنا یہ بہت مُعین ہے اور نرمی وغیرہ مدت تک تکلف سے سوچ سوچ کر اختیار کرنا چاہیئے مدت کے بعد ملکہ (حاصل) ہوگا۔ ہمت نہ ہارئیے۔

(تربیت السالک ج ۱۔ صـ ۲۴۶)

نسخہ اکسیرِ غضب

از حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

حسبِ ذیل اُمور کو دن میں متعدد بار اتنا پڑھے کہ غصہ کے وقت یاد رہیں۔

۱: پُوری اعوذ باللہ پڑھنا۔

۲: وضو کر لینا۔

۳: کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا، بیٹھے ہوں تو لیٹ جانا۔

۴: جس پر غصہ آرہا ہے اس کے سامنے سے ہٹ جانا یا اس کو ہٹا دینا۔

۵: کسی صالح (نیک بندہ) کی صحبت میں بیٹھ جانا۔

۶: ذکر اللہ میں مشغول ہو جانا نیز دُرُود شریف پڑھنا۔

۷: حتی الوسع بات نہ کرنا۔ اور نہ کوئی معاملہ کرنا اس کے ساتھ جس پر غصہ آرہا ہو۔

۸: یہ سوچنا کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو۔

۹: یہ سوچنا کہ میں بھی اللہ کا خطاوار ہوں اگر میری خطاؤں پر مواخذہ فرمایا جاوے تو نجات پانا مشکل ہے۔ نیز دُوسروں کی خطاؤں کو در گذر کرنے پر اُمید ہے کہ میری خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ لہٰذا جس پر غصہ آرہا ہے اس سے در گذر کرنا ہی بہتر ہے۔

۱۰: اگر ہدایتِ مجوّزہ کے خلاف عمل ہو جاوے تو ۵۰ پیسے تا دس روپے تک خیرات کرے اور چار رکعت نفل نماز پڑھے۔

سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

علاج الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲۔ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۔ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عِلاجُ الغضب

یہ وعظ مسمّٰی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۷ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، ملتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۸ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیاء۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرماویں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرماویں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ______ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں
۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور
۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ " وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ " اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا برا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال برا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ برا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلہ کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے، جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعویٰ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کر لے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہو جائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رُخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادّہ زیادہ ہے اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہوگیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہوگیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر روح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِ هَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوچ یا کوئی انتقامی جذباتی اور مضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسّی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کر لو، اسی کا نام ہے "کظم غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کر لے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو؛ غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہو سکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ :

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَىٰ إِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ قَلْبَهٗ أَمْنًا وَّإِيْمَانًا (جامع صغیر ص۱۹۰ ج ۲)

ترجمہ، جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کر سکتا ہے، اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن وایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نُور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہوجاتا تھا كَانَ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰى وَجْهِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا در آنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کرلے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا يَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہوجائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اُونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہوجائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کردے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کردے، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے"۔ (رُوح المعانی ص۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ:۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر ص۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ:

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی ذرہ بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص ۴۳۴)

ترجمہ: "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی ؟

اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰہُ اَقْدَرُ عَلَیْکَ مِنْکَ عَلَیْہِ (مسلم ص۵۱ ج ۲)

یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرما دیا۔ اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرما دی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہو جاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو۔ لوہے کو پارس سے لگا دو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرلو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے۔ جگر مراد آبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبدالحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان؛ انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہو گئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانوی سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں، میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کر دے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر استرا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرما لیا، یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے، فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا۔ تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دئے تھے ؂

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہُوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
باایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مُبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مُبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جُز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پُوچھا کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جزء اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا " اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ " وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَىٰ جَلِيْسُهُمْ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہورہا ہے اِكْرَامًا لَّهُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلا رہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب جنتی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پاسکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صُوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگِ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحابِ بدر جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگِ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہو گیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظۂ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا۔ یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے، ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بخشوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوئی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں، اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پہلے کسی پرکھنے والے کی کسوٹی پر پرکھئے، شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی "ناٹھیک" ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کر رہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کر رہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہو جائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کر لو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آگیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہوگئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے ہل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں، پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلا گیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں، آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہہ دیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف ولذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرمادیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی وندامت ومعذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہُوا نمک تیز ہوگیا، ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہوجائے تو ہم کیا چاہتے ہیں؟ کہ داماد معاف کردے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کررہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مُرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مُرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھُول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہوگئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کرسکوں، اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مُرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھُٹا کر مضامین کیسے ملیں گے؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہوگیا اور علوم پھر آنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ" (ابوداؤد ص۳۴۶ ج۱) یعنی گفتگو کرنی ہو تو جانور کی پیٹھ سے اتر کر بات کرو، یہ نہیں کہ جانور کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں گھوڑے وغیرہ سفر طے کرنے کے لئے ہیں، اسلام جانوروں تک پر رحمت فرماتا ہے جب جانوروں کے ستانے کی بھی ممانعت ہے تو میرے دوستو! جو بیویوں کو ستاتے ہیں وہ کس قدر عذاب مول لے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَاءِھِمْ (مشکوٰۃ ص۲۸۲) کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اخلاق کا معیار یہ ہے کہ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی (ص۱۳ ج۵) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شوہر کریم ہوتے ہیں ان پر عورتیں غالب آجاتی ہیں۔ غالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تیز باتیں کرلیتی ہیں، ناز نخرے دکھا دیتی ہیں کیونکہ ان کو ناز دکھانے کا بھی حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تُو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تُو مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ مُحَمَّدٍ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب رُوٹھی ہوتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاھِیْمَ۔ ابراہیم کے رب کی قسم۔

(صحیح بخاری ص۷۸۹ ج۲)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا رُوٹھنے کا حق ہے، یہ ان کا ناز ہے لہٰذا اس کی بھی شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ دیکھئے حدیث میں فرمایا یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا یہ عورتیں غالب آجاتی ہیں کریم شوہر پر وَیَغْلِبُهُنَّ لَئِیْمٌ اور جو لوگ بداخلاق ہیں وہ ان پر ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کر کے غالب آجاتے ہیں۔

بعض علاقوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ پہلی رات عورت کو رُعب میں لانے کے لئے بڑی پٹائی کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ کیا جہالت اور ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

فَاُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا

میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہوں۔

وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا

اور میں بداخلاق ہو کر ان پر غلبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔

اور بخاری کی روایت ہے (ص ۷۷۹ ج ۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے۔ دیکھئے ٹیڑھی پسلیاں کام دے رہی ہیں یا نہیں، ان کو سیدھی کرو گے تو ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور رحمت سے معاملہ کیا جائے تو زندگی جنت کی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ جس عورت نے سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اس کے شوہر نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ کر لیا کہ اے خدا ہاتھ ہی تو ہے نمک تیز ہو گیا۔ اگر میری بیٹی نمک تیز کر دیتی تو میں یہی چاہتا کہ داماد اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا اے خدا میں آپ کی رضا کے لئے اس کو جو میری بیوی ہے لیکن آپ کی بندی بھی ہے، اس کی نسبت آپ کے ساتھ بھی ہے، اس کو معاف کرتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سفارش وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کو رَد کرتے ہیں۔ ابھی ایک ڈی آئی جی یا کمشنر سفارش لکھ دے کہ اپنی بیوی کا خیال رکھنا۔ تو بتائیے کہ ہم لوگ کتنا خیال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سفارش نازل فرمارہے ہیں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہاں ہمارا کیا معاملہ ہے اور کیا ہونا چاہئے ہر شخص اپنی حالت پر غور کرلے۔

لہٰذا اس شخص نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا اور بیوی کو معاف کردیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا ؟ اس نے کہا کہ میاں معاملہ تو بڑا خطرناک تھا۔ بڑے گناہوں کا معاملہ پیش ہوگیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ایک بندی نے جس دن سالن میں نمک تیز کردیا تھا اور تم نے میری اس بندی کی خطا معاف کردی تھی جاؤ اس کے صلہ میں آج تم کو معاف کرتا ہوں۔

بس غصہ کو پی جانا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ غصہ آگ ہے اس کو روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس پر اجر بھی عظیم ہے اور مجاہدہ کے بقدر مشاہدہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو اس مجاہدہ کی بدولت بڑی کرامت حاصل ہوگئی اور اولیاء کی کرامت برحق ہے۔ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ اسلامی عقائد میں سے ہے اس لئے کرامتِ اولیاء کا انکار بڑی گمراہی کی بات ہے البتہ کرامت کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب وہ چاہے خود صادر کردے بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اپنے کسی مقبول بندے کو عطا فرما دیتے ہیں کرامت فعلِ عبد نہیں ہے فعلِ معبود ہے۔

امام بخاریؒ باب کفالت کے اندر اولیاء اللہ کی کرامت کی حدیث لائے ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامت کو بیان کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ولی کی کرامت کو بیان فرما رہے ہیں پیغمبر ایک امتی کی کرامت کو بیان فرما رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور ولی تھے ایک ضرورت پیش آئی انہوں نے ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرضہ مانگا، قرض دینے والے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا، اللہ تعالیٰ باعتبار شاہد کے کافی ہیں یعنی شاہد کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے پھر اس نے کہا کہ کوئی کفیل اور ذمہ دار لاؤ کہ اگر تم نہ دو تو ہم کس سے وصول کریں؟ تب انہوں نے جواب دیا کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا اللہ تعالیٰ ہی ہمارا وکیل اور کارساز ہے وہی ہمارا کفیل ہے۔ یہ دو مضمون سن کر اس نے کہا صَدَقْتَ تم نے سچ کہا تم اپنے قول میں صادق ہو اور فوراً ایک ہزار دینار قرض دے دیا اور وہ دریا پار چلے گئے اور اپنی ضرورت کو پورا کیا۔

جس دن قرض ادا کرنے کا وعدہ تھا اس دن وہ دینار لے کر پھر آئے لیکن کوئی سواری نہ ملی، بے چارے بے چین تھے کہ کوئی کشتی ملے تو دریا پار جا کر اس کا قرض دے دیں۔ جب کوئی سواری نہ ملی تو انہوں نے لکڑی کا ایک موٹا سا کندا لیا، اس میں سوراخ کیا اور ایک ہزار دینار اس میں رکھ دئے اوپر سے کیل لگا کر مضبوطی سے بند کر دیا اور اللہ کے بھروسہ پر دریا میں ڈال دیا اور کہا یا اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے قرضہ لیا تھا اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے کوئی سواری مل جائے لیکن نہ ملی بس آپ اس کو حفاظت سے اس تک پہنچا دیجئے جس سے میں نے قرض لیا تھا۔ اب

ہواؤں کے تھپیڑوں میں لکڑی کا وہ بڑا سا ٹکڑا چل رہا ہے کہیں اور بھی جا سکتا تھا۔ یہ کرامت تھی کہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس بستی میں پہنچ گیا' اُدھر وہ صاحب انتظار کر رہے تھے کہ شاید کسی کشتی سے وہ شخص میرا مال لے کر آجائے کہ اچانک دیکھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا بہتا ہوا آرہا ہے وہ انہوں نے اپنی بیوی کے لئے لے لیا کہ چلو چولہا گرم کرنے کا سامان اللہ نے بھیج دیا۔ بس اس پر کلہاڑی جو ماری تو ایک ہزار دینار اس میں سے نکل آئے۔ اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھا ہوا تھا کہ اے شخص مجھ کو سواری نہیں ملی لہٰذا مجبوراً میں اللہ کے بھروسہ پر یہ بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد ان کو کشتی بھی مل گئی۔ کشتی پر بیٹھ کر وہ پھر ایک ہزار دینار لائے کہ ممکن ہے کہ پہلے دینار نہ ملے ہوں۔ لہٰذا جب انھوں نے پیش کئے تو اس نے کہا کہ آپ نے تو پہلے ہی بھیج دئے تھے اور سارا واقعہ بیان کیا کہ لکڑی کے اندر سے اس طرح سارا روپیہ مل گیا۔ فَانْصَرَفَ بِالْفِ دِيْنَارٍ رَاشِدًا پس نہایت ہی خوش اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل اور کرامت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔ (بخاری شریف کتاب الکفالۃ ص۳۰۶ ج ۱)

اس لئے اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے لیکن لوازم ولایت میں سے نہیں ہے۔ بعضے بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ہر ولی کے لئے کرامت لازم ہے ولی کے لئے اہتمام تقویٰ، اتباعِ سنّت، اتباعِ شریعت یہ چیزیں تو لازم ہیں لیکن عصمت بھی لازم نہیں ہے کہ کبھی ان سے خطا ہی نہ ہو۔ نبوت کے لئے تو عصمت لازم ہے لیکن ولایت کے لئے کبھی خطا کا صدور منافی ولایت نہیں بشرطیکہ وہ اس کی تلافی کرے معافی مانگ لے۔ اللہ سے توبہ کرلے استغفار کرلے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سال تک ایک شخص رہا تھا۔ اس نے حضرت سے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ ہوا پر اُڑتے ہوئے، پانی پر بغیر کشتی کے چلتے ہوئے نہیں دیکھا تو مایوس ہو کر واپس ہونے لگا اور کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کے اندر کوئی کرامت نہیں پائی۔ لہٰذا واپس جا رہا ہوں۔

حضرت جُنیدؒ نے فرمایا کہ اے شخص تُو نے دس سال کے اندر مجھ سے کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت دس سال تک میں نے آپ کا کوئی کام خلافِ شریعت اور خلافِ سنّت نہیں پایا۔ اس پر حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا آہ جس غلام نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اس سے بڑھ کر تُو کیا کرامت چاہتا ہے؟

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں الاستقامة فوق الف كرامة سنّت و شریعت پر استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غصہ کو ضبط کرنے سے اور مخلوق کی ایذاؤں کو برداشت کرنے سے بعض بزرگوں کو بڑی کرامت عطا ہوگئی۔ حضرت شاہ ابُوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر چلتے تھے اور جنگل کی لکڑی کاٹ کر شیر پر رکھتے تھے۔ اور اگر کبھی شیر شرارت کرتا تھا تو زندہ سانپ کا کوڑا تھا اس سے شیر کی پٹائی کرتے تھے۔ خراسان سے ایک شخص ان سے بیعت ہونے خرقان گیا۔ لیکن ان کی بیوی بڑی تیز مزاج تھیں۔ پُوچھا کیسے آئے۔۔۔۔ کہا کہ حضرت سے مُرید ہونے آیا ہوں۔ کہنے لگیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے زیادہ اس پیر کا حال دُنیا کیا جان سکتی ہے؟ رات دن میں اس کے ساتھ ہوں بالکل بنا ہوا

سلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۴

عِلاج الغضب

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشنِ اقبال ۲۔ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی فون ۴۶۸۱۱۲ ۴۹۹۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عِلاج الغضب

یہ وعظ مسمّی بہ علاج الغضب حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے تین مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا وعظ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۸۶ء بروز جمعہ صبح ۱۱ بجے، مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی میں ہوا۔

دوسرا وعظ ڈیرہ غازی خان میں غالباً ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو ہوا جب کہ سفر حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، ملتان، پشاور وغیرہ کا ہوا تھا۔ اور تیسرا وعظ اسی موضوع پر ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۸ء بروز منگل بعد نماز فجر مسجد اشرف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں بیان فرمایا۔ ان تینوں مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب نافع مضامین کا مجموعہ ہے اور غصہ کی بیماری کی اصلاح کے لئے ایک نسخۂ کیمیاء۔ حق تعالیٰ شرفِ قبول عطا فرماویں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع فرماویں۔ احادیث وغیرہ کے حوالے بین القوسین دئے گئے ہیں۔ اس رسالہ کے مسودہ کو حضرتِ والا نے ابتداء تا انتہا خود مطالعہ فرمایا ہے۔

جامع و مرتب

یکے از خدام حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں۔

۱: جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں
۲: ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور
۳: صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ " وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ " اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ الکاظمین کے معنی ہیں الذین یکظمون الغیظ۔ اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسم موصول کے ہو جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں غصہ آنا بُرا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال بُرا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ بُرا ہوتا تو قرآن میں الکاظمین الغیظ کے بجائے العادمین الغیظ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں مفسرین

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العادمین الغیظ نازل نہیں فرمایا اس لئے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلہ کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو "ھل من مبارز" ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لئے ہو اُس وقت کے لئے ہے والکاظمین الغیظ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں ضبط کر لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ بُرے خیالات ہی نہ آئیں، شہوت اور تقاضے ہی ختم ہو جائیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" یہ نادانی ہے، کمال تو یہی ہے کہ بُرے تقاضے پیدا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی آرزوؤں کا خون کر لے، جو شخص آپ کے لئے جتنی زیادہ مشقت اور تکلیف اُٹھاتا ہے آپ اس کو اتنا ہی زیادہ اپنا گہرا دوست سمجھتے ہیں بس تقاضوں سے بھاگنا یا مغلوب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتے پھر کیا دعویٰ محبت ہے۔ محبت کا ایک حق یہ ہے کہ محبوب کو راضی کرنے کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کرلے، بس تقاضے تو رہنے چاہئیں اگر تقاضے زائل ہو جائیں تو حلال موقع پر بیوی کے حقوق کیسے ادا کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ غلط استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

رذائل کا ازالہ مقصود نہیں امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رُخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادہ زیادہ ہے اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لئے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہوگیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رُخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بُغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہوگیا، رُخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کظم کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کظم کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن کیونکہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ مفتی بغداد نے تفسیر روح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کظم عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسّی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کظم کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ اِمْتِلَاءِهَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوج یا کوئی انتقامی جذباتی اور مضربات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کظم کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کر لو، اسی کا نام ہے "کظم غیظ"۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بہت غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی

سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کر لے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے، اس لئے غیظ کا استعمال مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو؛ غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لئے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لئے بھی اور مخلوق کے لئے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جا سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے کہ آیات کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی سے ہو سکتی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ان ہی کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

پہلی حدیث یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اِنْفَاذِهٖ مَلَاَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ اَمْنًا وَّاِيْمَانًا (جامع صغیر ص۱۹۱ ج۲)

ترجمہ، جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کر سکتا ہے، اس کے لئے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور

معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون، غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کر لیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نُور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور دین کے اجراء کے لئے اور اللہ کے لئے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا کَاَنَّ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰی وَجْهِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہئے۔

دوسری حدیث یہ بیان کی کہ:

"جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا درآنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حُور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کر لے" (ابوداؤد ص۳۰۳ ج۲) غصہ ضبط کرنے کا یہ دوسرا انعام بیان فرمایا گیا۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا يَقُوْمُ اِلَّا اِنْسَانٌ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دُنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا" (رُوح المعانی ص۵۸ ج۴)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن

اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

چوتھی حدیث علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لئے اُونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہو جائیں اس کو چاہئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کر دے، اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے" (رُوح المعانی ص۵۸ ج ۴)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ:۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ (جامع صغیر ص۴۳ ج ۲) وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔

اس حدیث پاک میں ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سُناتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں سات حدیثیں بیان کرنے کا احقر کا معمول ہے۔

پانچویں حدیث یہ ہے کہ:

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کردیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد
کو خراب کردیتا ہے۔"

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی دُور بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجئے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کردیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کردیا۔

چھٹی حدیث ہے کہ:

مَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص۴۳۴)

ترجمہ: "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔"

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لئے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔

اور یہ مجاہدہ بھی اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے لکھا کہ حضرت مجھ میں غصہ کا مرض ہے۔ اس کا علاج عطا فرمائیے۔ حضرت نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ لکھنؤ میں انوار بک ڈپو کے مالک مولوی محمد حسن کاکوروی کی خدمت میں جایا کیجئے۔ کچھ عرصہ بعد اس شخص نے حضرت حکیم الامت کو لکھا کہ حضرت میرا غصہ جاتا رہا۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے تو کبھی غصہ کے متعلق مجھے کوئی نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے کہ مجھے اتنا فائدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کیونکہ مولوی صاحب حلیم الطبع ہیں ان کے دل میں صبر و حلم اور

برداشت کا مادہ بہت ہے۔ ان کے قلب کی صفت حلم آپ کے قلب میں منتقل ہوگئی۔

ساتویں حدیث کے راوی ایک صحابی حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں
كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِّي میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا۔
فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سُنی۔ وہ کیا آواز تھی؟

اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ (مسلم ص۵۱ ج ۲)

یہ کلامِ نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دو سطر کا مضمون بیان فرمادیا، اگر ہم اُردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دو سطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَتُّ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ فَإِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مُردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہ کے دل زندہ ہوتے تھے امراض کی اصلاح ہوجاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرمادی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہوجاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کے دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اور یہ بات

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مجھے بتائی کہ میں تمہیں تمہارے پیر کی ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی نے حضرت پھولپوریؒ سے پوچھا کہ پارس میں یہ خاصیت کیوں ہے کہ لوہا اس سے چھوتے ہی سونا بن جاتا ہے ایسا کیوں ہے؟ فرمایا کیوں کیا مت پوچھو۔ لوہے کو پارس سے لگا دو پھر آنکھوں سے دیکھو کہ لوہا سونا بنتا ہے یا نہیں، پوچھنا کیا ہے مشاہدہ کرلو، دیکھو کیسے کیسے شرابی کبابی صحبت کی برکت سے اللہ والے بن گئے۔ جگر مراد آبادیؒ اللہ والے بن گئے اور جون پور کے ایک شاعر جن کا نام عبدالحفیظ تھا، شراب پیتے تھے۔ یہ سن کر تھانہ بھون گئے کہ وہاں انسان انسان بنتے ہیں شاید یہ شرابی بھی انسان بن جائے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے بیعت ہوگئے اور بیعت بھی کیسے ہوئے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں چند دن قیام سے داڑھی جو تھوڑی سی بڑھ گئی تھی وہ بیعت ہونے سے پہلے منڈوالی اور حضرت تھانویؒ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت ہی ہونا تھا تو اللہ کا نور جو چہرہ پر آگیا تھا اس کو کیوں صاف کیا۔ عرض کیا کہ حضرت آپ حکیم الامت ہیں! میں مریض الامت ہوں۔ مریض کو چاہئے کہ حکیم کے سامنے اپنا سارا مرض پیش کر دے تاکہ نسخہ اسی طاقت سے لکھا جائے۔ یہ عمل تو بظاہر صحیح نہیں تھا لیکن چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے حضرت نے اس پر گرفت نہیں فرمائی۔ پھر خود ہی عرض کیا کہ اب کبھی داڑھی پر استرا نہیں لگاؤں گا۔ حضرت نے بیعت فرما لیا، یہ جونپور آگئے۔ ایک سال کے بعد حضرت وعظ کے سلسلہ میں جونپور تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بڑے میاں کھڑے ہیں ایک مشت داڑھی رکھے ہوئے، فرمایا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ وہی بڑے میاں ہیں جو کس حالت میں تھانہ بھون گئے تھے۔ حضرت ان کی داڑھی دیکھ کر خوش ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کا خاتمہ بڑا اچھا ہوا۔ تین دن تک گھر میں روتے رہے۔ اللہ کا خوف طاری ہوگیا۔ کمرے میں ادھر سے ادھر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تڑپ کے جاتے تھے اور روتے تھے اسی طرح رو رو کے جان دے دی اور اس خوف کی حالت میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ اور اپنے دیوان میں یہ اشعار بڑھا دئیے تھے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
ہُوا بیعت حفیظ اشرف علی سے
بایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

واقعی بڑی ہشیاری ہے، مُبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مُبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کرلے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کرلے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے، لہٰذا اس پر بھی فضل فرما دیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں، اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى جَلِيسُهُمْ (بخاری ص۹۴۸ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ

کے لئے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے لئے پوچھتے ہیں۔ آخری جز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لئے نہیں بیٹھا تھا "اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ" وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقىٰ جَلِيْسُهُمْ۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتح الباری ص۲۱۳ ج ۱۱)

اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کرلیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہٗ بیان ہو رہا ہے اِكْرَامًا لَّهُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

دیکھئے جیسے یہاں ڈیرہ غازی خان میں آپ لوگ جو کچھ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کو کھلاتے ہیں وہی ہم خادموں کو بھی کھلا رہے ہیں کہ نہیں۔ بس جب حسی نعمتوں کا یہ حال ہے تو ایسے ہی جنت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ معاملہ ہوگا۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے

شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت و توفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا ؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑ گئی وہ صحابی ہو گیا اور دُنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رُتبہ کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہو گئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہُوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم ص۵۱ ج۲)

اگر تُو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں ؟ صحابی ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صُوفی ہوں، اتنا ذکر و فکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ ذرا سوچئے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو، اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ۔ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے صحبت یافتہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لئے کچھ مُضر نہیں۔ میری تو اتنی عبادت ہے اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہو گی۔ حضرت ابو مسعودؓ سے زیادہ آپ مقبول ہیں۔ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صُوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے،

یہ گویا دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربّی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مربّی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک عزیز سے ناراض ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحاب بدر جنگ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کر دو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کر دوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اٹھائی کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ اللہ کی قسم میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کر دے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا! یہ ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسیؒ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے علی بن حسینؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہوگیا، تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا وہ بھی حافظۂ قرآن تھی فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں، فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا، یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں فرمایا قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کر دی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؕ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے اللہ کے لئے تجھے آزاد بھی کر دیا۔

اب ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا ہیں۔ شیخ ایک مرتبہ اپنے ملازم پر ناراض ہو گئے اور فرمایا تم نے کیوں ایسی نالائقی کی۔ اس نے کہا حضرت جی معاف کر دو غلطی ہو گئی انسان ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ غلطی تو تم نے ایک درجن بار کی ہے دو چار دفعہ ہو تو معاف کر دوں۔ تم تو بار بار یہی غلطی کر رہے ہو۔ میں تمہیں کتنا بخشوں، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

شیخ کے کان میں فرمایا کہ مولانا ! اتنا بھگت لو جتنا قیامت کے دن اپنا بھگتوانا ہے یعنی اتنا معاف کر دو جتنا اپنا معاف کرانا ہے لہٰذا یہ مت کہو کہ کتنا بھگتوں زیادہ سے زیادہ معاف کر دو۔

بعض وقت آدمی غصہ میں کہتا ہے کہ کیا صاحب ! یہ شخص تو ہر وقت غلطی ہی کرتا ہے کوئی کام صحیح نہیں کرتا۔ لیکن بھائی بعضوں کی عقل ہی کم ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل عقل مثلاً ۹۸ ڈگری ہے تو بعض بندوں کو خدا کی طرف سے ساڑھے ستانوے ڈگری ہی ملی ہوئی ہے، بھولے بھالے نادان سے ہوتے ہیں۔ اپنا بچہ اگر ایسا ہو تو کیا کرو گے۔ اس کے ساتھ نرمی و درگذر کا معاملہ کرو گے یا نہیں ؟ لہٰذا جس کو اللہ نے جتنی عقل دی ہے اس لحاظ سے اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرو، ۹۷ ڈگری عقل والے سے ۹۸ ڈگری عقل والے کا محاسبہ نہ کرو۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی غصہ میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ خوب سمجھتا ہے ہمیں ستانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ ایسی احمقانہ چیزیں شیطان پیدا کرتا ہے۔

اچھا ایک بات اور ہے غصہ والا اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا ہے غصہ کی تہہ میں کبر پوشیدہ ہوتا ہے جس پر غصہ آتا ہے اس کی حقارت ذہن میں ہوتی ہے اور اپنی برتری ثابت ہوتی ہے جس وقت غصہ چڑھتا ہے اس وقت اس کا چہرہ دیکھ لو یا آئینہ سامنے کر دو کہ اپنا چہرہ خود دیکھے اور اگر اس کے لب و لہجہ کو ٹیپ کیا جائے اور پھر اسی کو دکھایا جائے کہ جناب کا چہرہ اور لب و لہجہ ایسا تھا تو اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
اس کی صورت جناب کی سی تھی

انسان کو اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ آدمی فوراً کہتا ہے کہ میرا غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہوتا۔ پہلے کسی پرکھنے والے کی کسوٹی پر پرکھئے، شیخ معتبر بتائے گا کہ آپ کا غصہ اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے ہے۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بس ہم ٹھیک ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہم ٹھیک ہیں وہی " ناٹھیک " ہے۔ یعنی ٹھیک نہیں ہے اور جو شخص مصلح سے یہ کہہ دے کہ حضرت آپ کو تجربہ نہیں ہے آپ تو بھولے بھالے ہیں یہ آدمی جس پر میں غصہ کر رہا ہوں ایسا ویسا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شیخ پر اعتراض کر رہا ہے کہ شیخ گویا بدھو ہے۔ ایسے مُرید کو کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دینا چاہئے۔

غصہ میں اگر کسی پر زیادتی ہو جائے فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اس کو راضی کر لو ورنہ قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اور جو غصہ کا علاج اور تلافی کرے ان کا درجہ بھی سُن لیجئے۔ میرے مُرشدِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پر غصہ آگیا اور غصہ میں کچھ زیادتی ہو گئی۔ انسان ہی تو ہے چاہے کتنا بڑا ولی اللہ ہو اس سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ وہ آدمی بالکل اَن پڑھ تھے بَیل جوتنے والے جیسے دیہاتوں میں ہوتے ہیں، پھولپور کے قریب ایک گاؤں تھا جس کا نام شُدنی پور تھا، وہ شخص چلا گیا شدنی پور کا رہنے والا تھا۔ بعد میں حضرت کو خیال ہُوا کہ مجھ سے زیادتی ہو گئی ہے اتنا غصہ مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عصر کے بعد حضرت اس سے معافی مانگنے تشریف لے گئے وہ گاؤں صرف ڈیڑھ میل دُور تھا لیکن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں اتنا پریشان ہُوا کہ راستہ بھُول گیا کھیتوں میں ہوتا ہُوا بہت دیر سے اس کے پاس پہنچ گیا اس سے کہا کہ آج مجھ سے

تم پر کچھ زیادتی ہوگئی، میں نے تمہیں کچھ زیادہ کہہ دیا لہٰذا تم مجھ کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے مولانا ہیں اور میں جاہل آدمی ہوں' آپ تو میرے باپ کے برابر ہیں، باپ کو تو بیٹے پر حق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے دن نہ معلوم کیا حال ہوگا؟ اس دن معلوم ہوگا کہ کون چھوٹا ہے کون بڑا ہے۔ تم جب تک یہ نہ کہو گے کہ میں نے معاف کر دیا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا بغیر کہلوائے نہیں جائیں گے تو کہا کہ اچھا حضرت آپ کا حکم ہے آپ کا دل خوش کرنے کے لئے کہہ دیتا ہوں کہ معاف کر دیا ورنہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ حضرت لوٹ آئے اسی رات کو خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی میں تشریف فرما ہیں اور فرمایا کہ کچھ فاصلہ پر میری کشتی ہے اس پر میں اکیلا بیٹھا ہوا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اے علیؓ! عبدالغنی کی کشتی کو میری کشتی سے جوڑ دو، حضرت نے فرمایا کہ جب میری کشتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشتی سے جوڑی ہے تو اس کی کھٹ سے جو آواز آئی آج تک اس کا مزہ آرہا ہے کانوں میں اس کی لطف و لذت سما گئی۔ حضرت شاعر نہیں تھے مگر اس مزہ کو شعر میں بیان فرما دیا ؎

مضطرب دل کی تسلی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

دیکھئے غصہ کی تلافی و ندامت و معذرت پر کتنا بڑا انعام ملا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اپنے وعظ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا، بیوی نے سالن میں نمک تیز کر

دیا۔ ہاتھ ہی تو ہے اندازہ نہیں ہوا نمک تیز ہو گیا، ہماری بیٹیوں سے اگر غلطی ہو جائے تو ہم کیا چاہتے ہیں؟ کہ داماد معاف کر دے۔ ہماری بیٹیوں کو جب داماد ستاتے ہیں تو ہم بزرگوں سے تعویذ لیتے ہیں وظیفے پوچھتے پھرتے ہیں لیکن ہمارے تحت جو بیویاں ہیں وہ بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں ان پر رحم نہیں آتا۔ اپنی بیٹی پر جب پڑتی ہے تو ہمیں تعویذ یاد آتے ہیں۔ اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں اور روتے ہیں کہ داماد بہت ظلم کر رہا ہے لیکن ہم اپنی بیویوں کو جو ستاتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، بے چاری گھٹ گھٹ کے روتی رہتی ہیں۔ سسرال میں کوئی ان کا ہوتا نہیں باپ بھائی دُور ہوتے ہیں، لیکن سمجھ لیجئے ان کی آہ لگتی ہے۔ جب بے زبان مرغیوں کو ایذا پہنچ جانے سے ایک مجدد وقت کے قلب پر علوم کی بارش رُک سکتی ہے تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک بار پیرانی صاحبہ کہیں باہر تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت تھانویؒ سے کہہ گئیں تھی کہ مرغیوں کو کھول کر دانہ پانی ڈال دیجئے گا۔ حضرت بھول گئے، اب جو لکھنے بیٹھے تو سارے مضامین اور معرفت کے سارے دریا بند۔ ایک خط کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔ تفسیر بیان القرآن رُک گئی، کسی کتاب کی تصنیف نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے خدا یہ مضمون کی آمد کیوں بند ہو گئی؟ شاید مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے، آپ دل میں ڈال دیجئے تاکہ میں تلافی کر سکوں، اللہ تعالیٰ نے دل میں الہام فرمایا کہ ہماری ایک مخلوق گھٹ رہی ہے، مرغیاں بغیر دانہ پانی کے بند ہیں۔ ہماری مخلوق کو گھٹا کر مضامین کیسے ملیں گے ؟ حضرت فوراً دوڑے ہوئے گئے، مرغیاں کھول دیں اور ان کو دانہ پانی دیا۔ بس دل شگفتہ ہو گیا اور علوم پھر آنے لگے۔

إلهام الباري

في

تسهيل القطبي

هٰذا تسهيل ضامن للنجاح في الاختبار، منواله بديع
وترتيبه أنيق، جامع لمحتويات الفن على نهج السؤال والجواب۔

للشيخ
فيض الرحمٰن الحقاني
مشرف قسم التخصص في المعقولات بالجامعة الحقانية

مؤتمر المصنفين
حقانية

إلهام الباري

في

تسهيل القطبي

هذا تسهيل ضامن للنجاح في الاختبار، منواله بديع، وترتيبه أنيق، جامع لمحتويات الفن على نهج السوال والجواب -

للشيخ

فيض الرحمن الحقاني

مشرف قسم التخصص في المعقولات بالجامعة الحقانية

مؤتمر المصنفين حقانية

إلهام الباری فی تسهیل القطبی

فیض الرحمن الحقانی

مشرف قسم التخصص فی المعقولات بالجامعة

الحقانية أكورة ختك

الطبعة الثانية.................. ١٤٣١هـ

العدد ١١٠٠

يطلب من: جميع المكتبات المشهورة في باكستان

اکوڑہ خٹک

مکتبہ سید احمد شہید۔ فاروقی کتب خانہ۔ مکتبہ علمیہ

مکتبہ رحیمیہ۔ مکتبہ اسلامیہ۔ مکتبہ رشیدیہ

کراچی

اسلامی کتب خانہ۔ مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی۔ مکتبہ الحمد

ادارۃ الانور

راولپنڈی/اسلام آباد

مکتبہ صفدریہ۔ مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار۔ مکتبہ فریدیہ

پشاور

وحیدی کتب خانہ۔ دار الاخلاص۔ مکتبہ رحمانیہ۔

کوئٹہ

مکتبہ رشیدیہ۔ مکتبہ حقانیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأثرات منظوم

اردو از حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شرحِ قطبی اک کتابِ مستطاب — بے نظیر و بے مثال و لاجواب
ہدیۂ حق بہرِ طلابِ علوم — اس کی ہر تحقیق گویا انتخاب
مشتمل ہے بر گہر ہائے نفیس — ہر طرف پھیلی ہے اس کی آب وتاب
وا ہیں اس میں وہ نکاتِ دل نشیں — جو کہ تھے بس درحجاب اندرحجاب
منطق وحکمت کے مغلق قاعدے — باوضاحت اس میں ہیں عالیجناب
واہ فانی ایک دُرِ ناپدید — فیضِ رب سے ہوگیا ہے بے نقاب

☆☆☆☆☆

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

تقديم

بقلم : سجاد الحجابی

خادم العلوم والفنون بمدينة مردان

الحمد للّٰه الذی خصّ الإنسان بالمنطق المفصح عمّا فی ضميره من المكنونات ، وأمطر على رياض عقله غيث سحاب التّصورات والتّصديقات ،والصّلاة والسّلام على سيّدنا محمد المؤيّد بالبرهان الواضح ، والقول الشّارح ، وعلى آله وأصحابه الحريصين على اقتفاء آثاره فی الجزئيات والكليات.

أمّا بعد : فقد كثر الكلام على المنطق ، ووجّهت إليه بعض الانتقادات ظلماً حتى عدّه بعضهم مقدمة للكفر ، وما كان كذلك فهو حرام ، وبعضهم رموه بأنّه لا فائدة فی تعلّمه والواقع أنّ كلّ ذلك لا يخلوا عن طرفی الاقتصاد الإفراط والتّفريط ، ولعدم مدارسة هذا العلم فی الجامعات والكليات بدأ يظهر سوء أثر ذلك فی كياننا ، فقد خرجت عن جيلنا الجديد الشيم التی تحلّى بها علمائنا القدماء من التّعمق والتّحقيق والتّدقيق فی جميع العلوم الإسلامية على مختلف المستويات ، ولا تمش بعيداً بل لو نظرت بنظر الإنصاف دون الاعتساف قبل نصف قرن أوربعه لتجد أهمية هذا العلم عند علمائنا الأكابر ، ويعجبنی كلمة حجة الإسلام الإمام محمد قاسم النانوتوی قائلاً "إنّ أساس الإسلام وبنيانه قائم على المعقول " أی المنطق ولا يخفى على العاقل مكانة هذه الكلمة عن هذا الإمام العبقری

المنطق هو من العلوم الآلية التي تعينك في جميع العلوم الشرعية حتى أنّ الإمام الغزالي لمّا صنّف كتابه في قواعد المنطق سمّاه "معيار العلم "يعني أنّه معيار كلّ علم وأوضح هذا المقصد في بداية كتابه الآخر "المستصفى في أصول الفقه".

وأنا أدرج لك حول خطورة هذا العلم ما قاله الإمام اللكنوي أكثر اتضاحاً من هذا وهو أنّ المنطق علم آلي وإنّما سمّي المنطق بالميزان ؛ لأنه آلة لتحصيل جميع العلوم فشابه الميزان ولنعم تسمية من سمّى كتابه بسلّم العلوم وما أغفل من تصدى لشرح ذلك الكتاب وهو حنيف عن الصّواب ؛ حيث قيّد العلوم بالعلوم المنطقية ولم يعلم أنّ العلوم الدينية أيضاً تحتاج احتياجا مّا إلى تحصيل علم الميزان ومن ههنا يعلم أنّه لا وجه للقول بحرمة هذا المنطق بل سمّاه الغزالي معيار العلوم وقد ألّف فيه علماء الإسلام كابن الهمام وغيره .

انظر يا أخي الكريم إلى مكانة هذا العلم عند هذا الجهبذ العارف بخباياه وزواياه ، وقد أشار في كلامه أنّ المنطق الذي لا يجوز تعلّمه هو الممزوج مع الفلسفة الضّالة وصرح بذلك غير واحد من العلماء .

قال العلاّمة ابن الحجر : "ومن آلات الشّرع من تفسير وحديث وفقه " المنطق الذي بأيدي النّاس اليوم" ، فإنّه علم مفيد لا محذور فيه ، إنّما المحذور في المنطق المخلوط بالفلسفة المنابذة للشّريعة " .

ثم قال :" وقول ابن الصلاح وغيره بتحريمه محمول على المنطق المخلوط بالفلسفة المنابذة للشريعة " . بل العالم الصحيح الاعتقاد لو اشتغل في تحصيل العلوم الفلسفية وأتقن حيث أخذ ما صفا ودعَ ما كدر – لحاز قصبات السبق ونال القدح المعلى – ؛ فإنّ الحكمة ضالة المؤمن ، ولا يتمكن رد ضلالات الفلاسفة إلاّ من فاق في علومها ، وفي ذلك يتحدث العلاّمة عبد العزيز الفرهاري في نبراسه بعد أن ذكر أقسام الفلسفة "ومما يجب أن يعلم أنّ علوم الفلسفة من العلمية والعملية نيف وسبعون علماً ، جمعناها في كتاب الياقوت " ثم استطرد " وإذا جردت علوم الفلاسفة عن زلاتهم كان في ما بقي فوائد عظيمة لم يستنكف المحققون من علماء السنّة عن استنباطها ، فخذ ما صفا ودع ما كدر ، ومن أعرض عن الفلسفة رأساً لم يستطع التكلّم في دقائق العلوم إلا أصحاب القوة القدسيّة وقليل مّا هم ، فعليك بالاعتدال والإنصاف ، وبالجملة إنّ المنطق الذي بين أيدينا لا بد من تعلّمه ، والبراعة فيه وذا يعينك في الشّرعيات كلّها وأسلفت أنّ البعض يخالفون المنطق فنرى أن العلم لا يختلط بدمهم ولحمهم وقد سلّم الفحول أنّ المنطق يقوي كيان العالم في العلوم كافة ، ويشحّذ ذهنه ويفتح قريحته .

يقول العلامة السنجاري المعروف بابن الأكفاني (المتوفى ٧٤٩) في كتابه النفيس " ارشاد القاصد إلى أسنى المقاصد ص ٣٣ حول علوّ مكانة المنطق " والمنطق مفتاح العلوم العقلية وسُلّمها وميزان المعاني ؛ لأنّ نسبته إلى المعاني نسبة النّحو إلى اللّفظ والعروض إلى القريض ، وبه يتبين حال كل علم في وثاقته وضعفه وحال

كل عالم وباحث" .

ثم قال بعد سطور : "وبالجملة فهو حلية الجنان كما أنّ الأدب حلية اللّسان والبيان ، وقد رفض هذا العلم وجحد منفعته من لم يعلمه ولا اطّلع عليه " وسقنا هذه العبارة بطولها لاشتمالها على درر الفوائد .

وقال شيخ الإسلام الإمام تقى الدين السبكى : " المنطق من أحسن العلوم وأنفعها فی كل بحث وفصل القول أنّه كالسيف يجاهد به شخص فی سبيل الله ويقطع به آخر الطريق " .

وقال الإمام أبو حيان الأندلسی فی تفسيره " البحر المحيط " :" إنّ المنطق أصل كلّ علم وتقويم كل ذهن " وقال العلامة الدمنهوری فی " إيضاح المبهم لمعانی السّلم " لا يبعد أن يكون الاشتغال به فرض كفاية ؛ لتوقف معرفة دفع الشّبه عليه ، ومن المعلوم أن القيام فرض كفاية فهذه نصوص واضحة فی كثرة كاثرة بل غيض من فيض وزهرة من روضة تعلن أنّ المنطق هو العلم الذی يجعلك معداً لدراسة العلوم الأخر ، ومن لا يعبأ به كما هو الدأب فی هذا العصر فلا يتمكن على الاستفادة من تراث سلفنا وهل يستطيع أحد بدون المنطق أن يقرء كتاب سيبويه فی النّحو فضلا عن كتب الإمام الرازی وممن نقد المنطق العلامة ابن تيمية فی كتابَيه نقض المنطق ، والرّد على المنطقيين " وقد رد عليه ردا نفيساً الشيخ العلامة سعيد عبد اللطيف فوده فی كتابه "تدعيم المنطق "وقد كسر فيه جميع أدلة ابن تيمية ويجب للطالب المنصف اقتناء هذا الكتاب وبعد فلعلماء الهند والباكية مساع مشكورة فی نشر هذا العلم .

ومن هؤلاء العلماء فضيلة الشيخ فيض الرحمن الحقانی أستاذا لمنقولات والمعقولات بالجامعة الحقانية العالمية ومن كبار علماء ها الذی صنّف كتابه " إلهام الباری فی تسهيل القطبی " فی شكل سوال وجواب وهو من أنفع المناهج فسرحت فيه نظری وقد وجدت فيه تقريرات تنفتح لورودها أصداف الآذان وتحقيقات تهتزّ لإدراكها أعطاف الأذهان وتسهيلات ينشط لاستماعها الكسلان وأخيرا أنصح الطلبة الكرام أن يقرؤا هذا السفر الجليل ويستفيدوا منه فی سفر وحضر .

وجزا اللّه المؤلّف خير الجزاء وأكرمنا وإيّاه بعفوه ورحمته ورضوانه وصلى اللّه على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم والحمد للّه ربّ العالمين .

كتبه سجّاد الحجابی خادم العلوم والفنون بمدينة مردان

كلمة سماحة الشيخ الكبير المفتى الأعظم العارف باللّٰه محمد فريد – حفظه اللّٰه–

باسمه تعالى

الحمد لله شكراً على نواله ، والصّلاة والسّلام على محمد وآله وأصحابه .

وبعد : فقد فزت بمطالعة بعض مواضع تسهيل القطبى المسمّى بإلهام البارى ، فوجدت ترتيبه بديعاً ونمطه أنيقاً ، ولقد أتى المؤلف بنهج هوأبو عذره ، وزين التسهيل بالجداول وأسأل الله من أعماق قلبى أن ينفع به المعلّمين والمتعلمين آمين يا رب العالمين .

كتبه محمد فريد عفى عنه

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ الدكتور شير على شاه المدنى الدكتوراه (بمرتبة الشرف الأولى) من الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ؤمبعوثها ، استاد الحديث بجامعة دارالعلوم الحقانية أكورة ختك.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى .

أما بعد : فقد طالعت بعض الصفحات "لإلهام البارى فى تسهيل القطبى" الذى ألّفه أخونا الفاضل الشيخ فيض الرحمن الحقانى المحترم المدرس بجامعة دارالعلوم الحقانية – حفظه اللّٰه ورعاه– فوجدته كتابا نافعاً حاوياً على مسائل الفن وموضّحاً للقوانين المنطقية أيّما توضيح ومزيّناً بالجداول الأنيقة ، وقد توّج كتابه هذا بمقدمة ذهبيّة تُنير للسّارين على دروب المنطق أهمية هذا العلم الرّصين بأقوال المحقّقين الجهابذة ، وتقلع شبهات الطاعنين المعاندين لهذا الفن بالبراهين القيّمة وأسأل اللّٰه تعالى أن يتقبّل هٰذه الجهود المبذولة فى سبيل تسهيل كتاب القطبى لروّاد المنطق ويجعلها فى ميزان حسناته يوم لا ينفع مال ولا بنون إلا من أتى اللّٰه بقلب سليم ، وصلّى اللّٰه تعالى على أشرف رسله وخاتم أنبيائه وعلى آله وأصحابه أجمعين .

كتبه شير على شاه كان اللّٰه له خادم أهل
العلم بجامعة دارالعلوم الحقانية أكورة ختك

١١/١١/١٤٣٠هـ

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ المحدث سميع الحق –حفظه الله –مدير الجامعة الحقانية أكورة ختك

بسم الله الرحمن الرحيم

أحلى منطق أفصح به لسان الفصحاء ، وأولى مدرَك ارتسم في أذهان الأذكياء ، حمدإله يُصدّق بكبريائه وشكر منعم لا يُتصوّر عد آلائه ، نحمده حمدا لا يُحدّ ولا يُرسم ، ونشكره شكراً لا يُقاس ولا يُوسم ، ونصلي على من أرسله حجة وبرهاناً ، وجعله هدى وتبياناً ، أوضح سبيل العقل والتفكر ، وأقام الحجة على اعوجاج الجهل والتحيّر ، وعلى آله و أصحابه المستقرئين لسننه و آثاره ،والمتمثلين بسننه وأنواره.

وبعد : فقد تولّى العالم الجليل ، والأديب النبيل تلميذى الوفي فيض الرّحمن الحقاني مشرف قسم التخصص في المعقولات بالجامعة الحقانية الشهيرة بـ" ديوبند باكستان" تسهيل القطبي بنمط مبتكر ، ومنوال بديع . ولقد أتى بتحقيق كل مبحث ما يشفي العليل ويروى الغليل .

ونسأل الله عز وجل أن يعم فيوضه إلى أنحاء العالم ، وأن يفجر ينابيع العلم والعرفان من ذويه إلى يوم لاينفع فيه مال ولا بنون إلا من أتى الله بقلب سليم .

كتبه سميع الحق خادم العلماء والطلباء بالجامعة الحقانية

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ المحدث الحافظ أنوار الحق –حفظه الله– نائب رئيس الجامعة الحقانية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله ، محق الحق ، ومبدع الكل ، والصلاة والسلام على محمد خيرا لرّسل ، وعلى آله أصحابه الداعين إلى أرشد السبل .

وبعد : فقد تصفّحت إلهام الباري في تسهيل القطبي لأخص تلاميذى الفاضل العبقرى فيض الرّحمن الحقاني ، فوجدته شيئا عالياً وغالياً في حق المدرسين والطلاب والعاملين في مجال المعقولات شرقا وغرباً ، وشمالا وجنوباً والله أسئل أن يتقبل هذا التسهيل بقبول حسن ، ويزيد الشارح علما وفضلا. آمين يا أرحم الراحمين .

كتبه أنوار الحق عفي عنه

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ المفتی سيف اللّه الحقانی –حفظه اللّه – رئيس دار الإفتاء بالجامعة الحقانية

باسمه تعالی

الحمد للّه ذی الرّحمة والغفران لأهل الذنوب والعصيان ، والصّلاة والسّلام علی رسوله الفارق بين الحق والبطلان ، وعلی آله وأصحابه الذين سبقوا بالإيمان .

وبعد : فقد طالعت تسهيل القطبی المسمی بإلهام الباری لفضيلة الشيخ فيض الرحمن الحقانی فوجدته نافعاً لمن أراد أن يفهم اصطلاحات الميزان ، والمؤلف قرء كتب المنطق عندی وكان بارعاً فائقاً علی الأقران .

وأسأل اللّه جل شأنه أن يجعل تأليفه نافعاً وسعيه مشكوراً ، وصلی الله تعالی علی خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين

كتبه سيف اللّه الحقانی

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ الكبير العارف بالله عبد الحليم – حفظه اللّه – الشهير بـ "دير بابا"

باسمه تعالی

الحمد لله الذی خلق الإنسان ، ومكّنه علی إظهار ما فی الجنان ، وإثبات ما ادعاه بالقياس والبرهان ، والصّلاة والسّلام علی من بعث إلی الإنس والجان ، متمّما لمكارم الأخلاق ، ومنّوراً للعالَم بنور التّوحيد والإيمان ، وعلی آله وأصحابه وأتباعه الذين آثروا الدين علی البلاد والأوطان .

أما بعد : فقد سرحت النّظر علی إلهام الباری فی تسهيل القطبی لتلميذی الوفی فيض الرّحمن الحقانی –حفظه اللّه ورعاه– فوجدته تأليفا منيفاً وكتابا مستطاباً مشتملاً علی فوائد جمّة ، ومسائل مهمّة ، بترتيب أنيق ، وأسلوب جديد ، وعبارة سهلة ، ما رأيت أسهل منه فی كتب المنطق ، قد بذل فيه المؤلف الوقور جهوداً مشكورة وسهل علی طلبة المنطق فهم المسائل المنطقية مع بعض المسائل الحكمية فأسأل اللّه أن ينفع به وبكتابه العباد والبلاد. آمين.

كتبه عبد الحليم الديروی خادم الحديث بالجامعة الحقانية أكورة ختك

☆☆☆☆☆

كلمة سماحة الشيخ المحدث مغفور اللّه –حفظه الله – بالجامعة الحقانية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله القديم الذى نوّر قلوبنا بمعرفة الكليات والجزئيات ، والصّلاة والسّلام على محمد سيّد كافة الموجودات ، المبعوث بالحجج والبينات ، وعلى آله وأصحابه الذين هم للدين مقدمات.

وبعد : فإن الأخ الفاضل المحقّق الشيخ فيض الرّحمن الحقانى جمع الأبحاث العقلية نفعا للمعلّمين والمتعلّمين ، وبذل الجهد فى جمعها وتأليفها ، وأبدع طريقاً ما رأيت أحسن منه وقد زاد بعد كل مبحث جدولاً منطوياً على مشمولات البحث ، وهذا من مزايا هذا الكتاب وذلك فضل اللّه يؤتيه من يشاء بغير حساب .

كتبه العبد الأحقر مغفور اللّه عفا اللّه عنه

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الّذى ميّز نوعَ الإنسان بنعمة العلم ، والمنطق، والبيان ـوجعل التّصديق بوحدانيّته أفضل الذّكر وخير الكلام . والصّلاة والسّلام على أفضل الأنام الّذى بُعث بالحجّة والبُرهان ، وعلى آله وأصحابه الّذين بلّغوا إلى كلّ جهة نورَ شمس النّبوة والعرفان ، وعلى الأئمة المجتهدين الّذين فازوا بفضيلة مرتبة الاجتهاد ، والقياس ،والفيضان ،وعلى المجاهدين المخلصين الّذين عدلوا اليهودَ والنّصارى عن السّلطة والغلبة على الإسلام ، وجعلوا أنفسهم وأموالهم وأولادهم سدّاً ليأجوج الطّغيان.

أمّا بعد : فيقول العبد الفقير إلى الله الغنى فيض الرّحمن الحقّانى، هذا تسهيل مفيد –إن شاء الله تعالى– لجميع طلبة هذا الفن ، لا سيّما للطّلبة الّذين يقرءون شرح الرّسالة الشّمسية المعروف بـ "القطبى"ففيها تسهيل مباحث القطبى بطرز بديع وترتيب أنيق ، لم يكتحل بنظيره عينُ الزّمان إلى الآن ،وسمّيته بإلهام البارى فى تسهيل القطبى، والباعث على تاليفه أنّى لمّا رأيت هِمم المتعلّمين قاصرة عن إدراك مسائل فنّ المنطق والميزان واصطلاحاته ، مع شدّة الاحتياج إلى ضبطها وحفظها ؛لأنّ كتب العلماء المتقدّمين الرّاسخين فى العلم مشحونة باصطلاحات المناطقة ،وكنتُ كتبتُ بعض مسائل هذا الفن على نهج السّوال والجواب ،فالتمس خلاّنى وخلّص إخوانى فضيلة الشّيخ السّيد شجاعت على شاه والشّيخ طيّب الرّحمن والشّيخ هاشم الله الحقانى أن أتمّ جميع مباحث هذا الفن ومُحتوياته على هذا النّمط، فشمّرت عن ساق الجدّ وشرحت جميع مباحث التّصورات والتّصديقات على النّهج المذكور ، ووضعت بعد كلّ مبحث جدولاً مشتملا على خلاصته تسهيلا .

فياأيها الإخوان بُشرى لكم اليوم بفوزكم بالمنفعة الّتى لم ينلها القوم وإن كانوا فى طلبها والهين،وفى دركها متحيّرين .

اللّهم اجعلنا موصوفين بصفات المتّقين بحرمة سيّد المرسلين صلّى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه أجمعين .

السوال : حرّروا مقالةً وجيزةً مشتملة على معنى المنطق لغة واصطلاحا ، وتعريفه وموضوعه ،وغرضِه ،ووجهِ تسميته بالمنطق والميزان ، وتاريخِ تدوينِه ، واعتراضاتِ المعاندين عليه ثُمّ الأجوبة عنها وأهميةِ المنطق وضرورتِه؟

الجواب : لابُدّ للشّارع فی فن المنطق من معرفة أمور على سبيل التمهيد وهی :

معنى المنطق لغةً : المنطق إمّا مصدر ميمیّ بمعنى النُطق ، وأطلق على هذا العلم مبالغة فی مدخليّته فی تكميل النطق كأنّه هو هو، وإمّا إسم مكان كأنّ هذا العلم محل النطق ومَظْهَرُه .

تعريفه : آلة قانونية تَعْصِمُ مراعاتُها الذهنَ عن الخطأ فی الفكر .

موضوعه : المعلوماتُ التّصورية والتّصديقية لكن لا مطلقا بل من حيث أنها موصلة إلى المجهول التّصوری والتّصديقی .

غرضه : صيانة الذهن عن الخطأ فی الفكر.

وجه تسميته: أمّا تسميته بالمنطق ؛ فلتأثيره فی النُطق الظاهری (أعنی التكلم) ؛ إذاالعارفُ به يَقْوى على التكلّم بما لا يَقْوى عليه الجاهلُ ، وكذا فی النُطق الباطنی (أعنی الإدراك) ؛ لأنّ المنطقیَّ يَعرف حقائقَ الأشياء ، ويَعلم أجناسَها وفصولَها وأنواعَها ولوازمَها وخواصَّها ، بخلاف الغافل عن هذا العلم الشريف ، وأمّا تسميتُه بالميزان ؛ فلأنّه قِسْطاس للعقل يُوزَن به الأفكارُ الصحيحةُ ويُعرف به نقصانُ ما فی الأفكارِ الفاسدة ، واخْتِلالُ ما فی الأنظارِ الكاسدة ، ومن ثَمّ يُقال له العلمُ الآلی ؛ لكونه آلة لجميع العلوم، لا سيّما للعلوم الحِكْمِيَّةِ .

تدوينه : (اعلم) أنّ أرسطاطاليس الحكيم دوَّن هذاالعلم بأمر الإسْكَنْدَرِ الرُّومی ولهذا يُلقّب بالمُعلّم الأوّل ، والفارابی هذب هذاالفن بأمر المنصور السامانی زمن هارون الرشيد وهوالمعلم الثّانی، وبعد إضاعة كتب الفارابی فَصَّله الشيخُ أبو علی بن سينا بأمر السُّلطان مسعود ويُسمّی بالمُعلّم الثّالث.

☆ اعتراضات المعاندين ☆

١ – قال بعضُ العلماء : إنّ المنطقَ مُفسِدُ الأذهانِ ، ومُخَرِّبُ العَقائد كما قال الشاعر :

دَعْ مَنْطِقا فيه الفلاسفةُ الأُولی ضَلَّتْ عُقُوْلُهُمْ بِبَحْرٍ مُغْرِقٍ
واجنَح إلى نَحوِ البَلاغةِ واعْتَبِر إنّ البَلاءَ مُوَكَّل بالمَنطق

٢- قال الحافظ ابن قيّم :

واعجباً لمنطق اليونان كَمْ فيه من إفك ومن بُهتان
مُخْبِط لجيّد الأذهان ومُفسِد لِفِطْرَةِ الإنسان
مُضطرَبُ الأُصولِ والمَبانى على شَفَا هارٍ بناهُ البانى
مُتَصِلُ العِثَار والتّوانى كأنّهُ السّرابُ بالقِيْعَان
بَدَا لعَيْنِ الظمئ الحيران فأمُّه بالظَنِ والحِسبَان
يَرجُو شِفاءَ غَلَّةِ الظمأن فلم يَجِدْ ثَمّ سِوَى الحِرْمان
فعادَ بالخيبة والخُسران يَقرع سن نادم حيران
قد ضَاع منهُ العمر فى الأمان وعاين الخِفّة فى الميزان

٣- وفى جامع الرُّموز :" يجوز الاستنجاء بأوراق المنطق ".

٤- وقال البعض : "من تمنطق فقد تزندق".

٥- وقال الشيخ ابن تيمية :(فى الرّد على المنطقيين) "إنّى كنت دائما أعلم أنّ منطقَ اليونان لا يَحتاج إليه الذكيُّ ولا يَنتفع به البليد"

٦- وقال بعضُ العلماء :" الحكمة بيت الكفر، والمنطق دِهْليزُها "

٧- وقال بعضُ الشعراء :

علم منقولات علم انبياء علم معقولات علم اشقياء
صد كتاب وصدورق درنارکن سینه را در عشق او گلزار کن
چند خواہی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

٨- وقال البعض :" ألاشتغال به حرام "

٩- وقال بعضُ العلماءِ : "لو كان علما نافعا لاشتغل به الأئمةُ المجتهدون ، والحال أنهم لم يشتغلوا به "

١٠- وسمعت اعتراضا من بعض النّاس على المناطقة بأنهم لم يَصنعوا قدحاً ، ولا إبرة إلى الآن.

☆ الأجوبة ☆

الجوابُ الإجمالى : أكثر هذه الأقوال محمول على الاشتغال الشديد فيه بحيث يُجعل الوسيلةُ مقصودةً بالذّات ، ولا شك أنّ جعل الوسيلة مقصودة بالذّات جهلٌ عظيمٌ وضلالٌ مبينٌ .

☆ الأجوبة التفصيلية ☆

أمّاقولهم :يجوز الاستنجاء بأوراق المنطق "فغلط فاحش ، لأنّ الاستنجاء لا يجوز على الكاغذ الخالى عن حروف الهِجَاءِ فما ظَنُّكَ بالكاغذِ المكتوب عليه حروف الهجاء التى تَتَرَكَّب عنها لفظُ اللّه ، ومحمد صلى اللّه عنيه وسلم .

وأمّا قولهم:الحِكمةُ بيت الكفر والمنطق دهليزها " فالمراد من الكفر معناه اللّغوى وهى الاستتار ولا شك أنّ الحكمةَ بيتُ الاستتارِ عن الجهل والمنطق دِهليزُها.

وأمّا قولهم:"لو كان علما نافعا لاشتغل به الأئمة المجتهدون والحال أنهم لم يشتغلوا به" فأقول :إنّ عدمَ اشتغال الأئمة به لِذَكَاوَةِ أذهَانِهم وسَلامةِ عُقولهم .

وأمّا قولهم:" بأنهم لم يَصنَعُوا قدحا ولا إبرة إلى الآن "

فأقول: إنّ المعترِض ما فهم غرضَ المنطق؛لأنّ غرض المنطق صيانةُ الذهن عن الخطاء فى الفكر لا صناعة الأشياء . والشيء إنّما يُعَدُّ عبثا إذا لم يُؤدِّالغرض كالساعة صُنِعَتْ لتعيين الأوقات فإذا لَمْ تُفِدْ تعيينَ الوقت تُعد ضائعة وعبثا والمنطق صُنِعَ لصيانة الذهن وهذا الغرض يحصُل به الآن كما يحصُل به سابقا فلا يُعَدُّ عَبَثاً .

☆ أقوال العلماء فى أهميّة المنطق وضرورته ☆

قال أبو نصر الفارابى:"المنطق رئيس العلوم؛لأنّه حاكم على جميع العلوم فى الصِحّة ،والسّقم ،والقُوّةِ، والضُّعف " .

وقال ابن سينا :" هوخادم العلوم ؛لأنه آلة فى تحصيل العلوم الكسبية النّظرية، والعملية لا مقصود بالذّات " وأيضاً قال :"المنطق نِعْمَ العَوْنُ على إدراك العلوم كُلِّها ، وقد رفضَ هذا العلمَ وجَحدَ منفعتَه من لَمْ يَفهمه،،.

وقال الإمام الغزالى :" من لم يَعْرِفِ المنطقَ فلا ثِقة له فى العُلوم أصلا ، حتى قال البعضُ إنّه فرض كفاية ، وقيل: فرض عين ، وأيضاًقال(فى بيان فائدة المنطق):هو القانون الذى به يُميّزصحيح الحد والقياس من فاسدهما فيتميّز العلم اليقينى عما ليس يقينيا، وكأنّه الميزان والمعيار للعلوم كُلِّها،وكلّ ما لم يُوزن بالميزان لم يتميّز فيه الرجحان عن النقصان ولا الرّبح عن الخُسران .

وقال الإمام الطحطاوى :" من لَمْ يَعْرِفِ المنطقَ فلا يُوثَقُ بعلمه ولا بفتواه ".

وقال بعضُ الشُّعراء:

عَابَ المنطِقَ قومٌلا عَقولَ لَهم ... وليسَ له إذا عابُوهُ من ضَرَر

ماضَرَشَمْسَ الضّحى والشّمسُ طالعة ... أنْ لا يرى ضَوءَ هامَنْ ليسَ ذا بصر

وقال العارف الرومي :

منطق وحکمت ز بہر اصطلاح   گر بخوانی اند کے باشد مباح

وقال القاضي ثناء الله پاني پتيؒ: ''خواندن حکمت فلاسفة لاشیء محض است، کمال دراں مثل کمال مطربان است درعلم موسیقی، کہ موسیقی ہم فنے است از فنون حکمت ریاضی، مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است خواندن آن البتہ مفید است۔

وقال البعض :(في مدح النحووالمنطق)

إنْ رُمتَ إدراكَ العُلوم بِسُرعةٍ   فعليكَ بالنَّحوِ القَويم ومَنْطِق

هذا لميزانِ العُقولِ مُرجّح   والنَّحو إصلاحُ اللِّسانِ بمَنطِق

وقال العلّامة التهانويؒ :

''ہم تو جیسے بخاری کے مطالعے میں اجر سمجھتے ہیں۔میر زاہد،امور عامہ کے مطالعہ میں بھی اجر سمجھتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو''.

وقال شيخُ المعقولِ والمنقول محمد إبراهيم البلياويؒ :"المنطق للعُلوم والفُنونِ كمثل السَماد للحُقول ".

قال سيّدي ومُرشدي واستادي العَلّامة الفهّامة محمد فريد المُحدِّث بالجامعة الحقانية : "إنَّ مثلَ المنطق للعلوم كمثل السُّلَّم للسقوف،أو كضَرورةِ دَورة المِيَاهِ للمكان الجيّد ".

تنبيه : في فهم السوال الثّاني والثّالث الآتيين دِقّة فعليكم بالمُراجعة إلى المعلّمِ الماهر لِيُوصِلَكم إلى حقيقة المسئلة .

السوال : حرّروا ميزانَ العالم والمعلوم يعني من يَصلح أنْ يتصف بالعالمية ،وأيّ شيء يصلح للمعلومية،ثمّ أوضحوا كيفيةَ حصولِ علمنا بالأشياء يعني كيف نَعلمُ الأشياءَ ؟

الجواب : واعلم أنّ هذا السوال والجواب لمزيد الإيضاح والفائدة،وتوطية وتمهيد لربط باقي الكلام،وإلّا ففي فهم المقام دقّة .

ميزان العالم : كون الشيء قائما بالذّات لا بالمحل بعد تجرده في ذاته لا بعمل عامل عن المادة وغواشيها المنغمسة في الجهات الظلمانية (أعني العدم والقوّة المانعة عن الظهور والتعقل).

حاصل العبارة : أنّ شرائط العالميّة أربعة :

١ – كون الشّيء قائماً بالذّات وبه احترز عن العرض ؛ فإنّه لا يقوم بذاته بل بغيره .

٢ – ومجرّداً عن المادة وبه احترز عن الأجسام الماديّة ؛ فإنّها لا تصلح لأنْ تكون عالمة بل علمها لأجل العقل والنّفس .

٣– وكون تجرّده بنفسه لا بعمل عامل واحترز به عن صور ذهنيّة للأشياء الخارجيّة ؛ فإنّها و إن كانت من حيث هي هي مجرّدة عن المادّة لكن تجرّدها بعمل الذّهن لا بنفسها .وهذه الصّور جواهر لأنّ تعريف الجوهر يصدُق عليها وهو ماهيّة إذا وجدت في الخارج كانت لا في موضوع وأمّا التّقييد بـ "من حيث هي هي "؛ فلأنّها عرض بأعتبار قيامها بالذّهن وجوهريتها باعتبار الذّات .

٤– التّجرد عن غواشي المادّة : غواشي جمع غاشية وهي الحجاب والمراد منها ههنا العدم وقوّة العدم ، وبه احترز عن ذات المادّة (أي الهيولى) فإنّها وإن كانت مجرّدة عن المادة لأنّها لو اشتملت على مادة أخرى لكانت لتلك المادّة مادة أخرى وهي أيضاً مشتملة على الأخرى فيلزم التّسلسل ، لكنّها متّصفة بصفات المادّة وهي العدم وقوّة العدم ، يعني لو كانت غير موجودة ففيها العدم ، ولو كانت موجودة ففيها قوّة العدم وهومانع عن العالميّة .

ميزان المعلوم : أنْ يكون الشّيء موجوداًبالفعل لذات مجردة،بعد بيان ميزان العالم والمعلوم نقول:شرائط العالمية متحقّقة في ذات الواجب، والعقول العالية وهي الملائكة بلسان أهل الشّرع وسُرادقات نوريّة بعرف الصّوفية ، وعرّفوها بأنّهم جواهر مجرّدة عن المادة غير متعلّقة بالأجسام تعلّق التّدبير والتّصرف ، في قوله "غير متعلّق بالأجسام " احتراز عن النّفس النّاطقة ، والنّفوس الفلكيّة هي في زعمهم نفوس مجرّدة عن المادة متعلّقة

....

عالم کون بن سکتا ہے؟ عالم بننے کے لئے چار شرائط ہیں :

ا۔ عالم بننے کے لئے وجود بالفعل اور قیام بالذات ضروری ہے ،یعنی عالم موجود بالفعل ہو معدوم صرف اور موجود بالقوہ عالم نہیں بن سکتا کیونکہ جو شے خود موجود نہیں تو دوسری شے اس کے ہاں کیسے موجود اور حاضر ہوسکتی ہے۔ عالم قائم بالذات ہوگا لہذا اعراض عالم نہیں بن سکتے ؛ کیونکہ وہ محتاج الی المحل ہوتے ہیں تو جو شے بظاہر اس کے ہاں موجود ہوگی وہ درحقیقت اس کے ہاں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے محل کے ہاں موجود ہے؛ کیونکہ جب وہ خود موجود لمحلہ ہے تو وہ شی معلوم بھی موجود لمحلہ ہوگی۔

۲۔ عالم مجرد عن المادہ ہوگا لہذا اجسام مادیہ جو اپنے اندر مادہ رکھتے ہیں عالم نہیں ہوسکتے ، بلکہ ان کا علم عقل اور نفس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۳۔ تجرد عن المادہ ذاتی ہوگا کسی عامل سے نہ ہوگا ، جیسے :معلوم ذہنی جو کہ جو ہر ہے حصول الاشیاء بانفسہا کی وجہ سے ذہن میں موجود بنفسہ اور من حیث ہی ہی کے درجہ میں جو ہر ہے اور مجرد عن المادہ بھی ہے ؛ لیکن ذہن نے اپنے عمل کے ساتھ مجرد عن المادہ کیا ہے ذاتا مادہ سے مجرد نہیں ہے۔ لہذا صور ذہنیہ عالم نہیں ہوسکتے ہیں۔

۴۔ عالم مادہ کے غواشی سے بھی مجرد ہوگا (غواشی) غاشیہ کی جمع ہے بمعنی حجاب یہاں العدم والقوہ مراد ہے اس شرط کی روشنی میں معلوم ہوا کہ خود مادہ عالم وعاقل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے؛ اس لئے کہ غواشی مادہ سے منزہ نہیں ؛ کیونکہ اگر مادہ غیر موجود ہو تو اس میں عدم متحقق ہے، اگر موجود ہو تو اس میں قوۃ العدم ہے۔ اور دونوں عالم بننے سے مانع ہیں۔ اب شرائط مذکورہ کی روشنی میں عالم بننے کی صلاحیت ذات واجب تعالی ،عقول عالیہ ،نفوس فلکیہ ، اور نفوس ناطقہ میں موجود ہے۔

بجرم الفلك (أی بجسمه) تعلّق التّدبير والتّصرف حسب تعلّق النّفس النّاطقة ببدن الإنسان ، والنّفوس النّاطقة، فالنّفس النّاطقة تصلح للعالمية ، وبعد بيان ميزان المعلوم عُلم أنّ المعلوم ماهو موجود وحاضر عند النّفس النّاطقة .

كيف يحصُل لنا العلم بالأشياء :

اعلم :أنّ النّفس النّاطقة عالمة على الأوصاف القائمة بها ،لأنّ شرائط العالمية موجودة فی النّفس النّاطقة ، وشرائط المعلومية موجودة فی الأوصاف القائمة بها ؛ لأنّها حاضرة وموجودة عند العالم ، وكلّ ماهو حاضر وموجود عند العالم فهو معلوم ، فالأوصاف القائمة بها معلومةٌ ، والنّفس النّاطقة عالمة بها ولا خفاء فيه بل الخفاء فی علم النّفس النّاطقة على الأمور الغير الحاضرة عندها ، فالظّاهر – فی حصول علمها على الأمور الغير الحاضرة عندها –طريقتان ،وكلتاهما باطلتان :

أمّاالأولى : فأنْ يخرُجَ النّفسُ النّاطقةُ من البدن ، وتتّصل مع الأشياء ، فيكون النّفس النّاطقة عالمة والأشياء معلومة لها ، وبُطلان هذه الطريقة أظهر من الشّمس ،لأنّ النّفس النّاطقة متى تخرج من البدن تذهب بسرعة إمّا إلى السّجّين ، وإمّا إلى عِلِيّين .– اللّهم اجعل نفوسَنا ذاهبةً إلى عِليين ولا تمكث ولا تتعلق بشیء آخر .

وأمّا الثّانية :فأنْ يدخلَ الأشياءُ فی البدن ، وتتعلّق النّفسُ النّاطقةُ بها ، وهذه الطريقة باطلة ، وبُطلانها أظهر من الشّمس فی نصف النّهار ؛ لأنّ الأشياء الكبيرة،(كالجبال وغيرها) كيف تدخل فی بدن الإنسان بل الصغيرة أيضاً.

وهناك طريقة أخرى سالمة عن الخدشات والأنظار ، ولكنّها دقيقة فعليك بالتّأمل الصّادق فيها ؛ لتُخرجك عن وَرطة الضّلال إلى ذُروة الكمال .

ولا بدّ من تمهيد مقدمة قبل الشّروع فی المقصود وهوما قال الأطِبّاء المتقدمون: إنّ فی الجسم قوى ثلاثاً : قوّة طبعية وهی فی الصدر ،وقوّة حيوانية وهی فی القلب، وقوّة نفسانية وهی فی الدِماغ ، ومدار الحسّ والحركة لِسَائِرِ الأعضاء هی هذه القوّة .

ثُمّ القوّة النّفسانية على قسمين : قوّة محركة ، وقوّة مدركة ثُمّ المحرّكة على قسمين :قوّة باعثة،وقوّة فاعلة والقوّة المدركة على قسمين:قوّة مدركة ظاهرة ،و قوّة مدركة باطنة .

....

معلوم ہونے کی صلاحیت کون رکھتا ہے؟ معلوم ہونے کی شرط یہ ہے کہ شی معلوم موجود بالفعل ہو(یہ شرط عند الحکما ہے ورنہ متکلمین تعلق علم بالمعدوم جائز قرار دیتے ہیں)اور ذات مجردہ (یعنی عالم) کے ہاں حاضر ہو کیونکہ جب تک معلوم عالم کے سامنے نہ ہوتو وہ تحت العلم نہیں آ سکتا۔

والآن نبدأ فی المقصود الأصلی ، وهو بيان كيفيّة حُصول علمِنا بالأشياءِ الغيرِ الموجودة عندَ النّفس النّاطقة ،فأقول: إنّ اللّه سبحانه وتعالی خلقَ الدماغ ذابطن مُنقسم إلی ثلثة تجاويف: أوسعها التجويف المقدّم الذی يَلِی الناصية ، ثمّ التجويف المؤخر الذی يلی القفاء ، وأضيقُها التجويف الأوسط ، وقد خُلق فی هذه التجاويف خمس حواسّ :

١ – الحس المشترك : فی مُقدّم التجويف الأوّل يُرتسم فيه جميعُ مدركات الحواس الظاهرة ما دام المدرَكات حاضرة عندها ، فصورة القمر عند رويته منقوشة فی الحسّ المشترك ، وكذا الصّوت عند سمعه فهو كحَوْضٍ يقع فيه خمسةُ أنهار .

آمدم برسرِ مطلب: سابقہ بحث سے ثابت ہوا کہ نفس ناطقہ انسانی عالم ہوسکتی ہے، اب بات یہ ہے کہ نفس ناطقہ کا علم اشیاء پر کس طرح آتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ کا علم اپنے نفس اور صفات پر علم حضوری ہے؛ کیونکہ خود اس کا نفس اور صفات اس کے ہاں حاضر ہے اور جو چیز حاضر عند العالم ہو تو اس پر عالم کا علم ہوگا۔ البتہ جو اشیا نفس ناطقہ کے ہاں موجود نہیں، ان پر نفس ناطقہ کا علم کس طرح حاصل ہوگا۔ اب اس کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ نفس ناطقہ جسم سے نکل جائے اور اس شے کے ساتھ جس پر وہ علم لانا چاہتی ہے متصل اور چمٹ جائے تاکہ وہ شے اس کے ہاں حاضر ہو کر معلوم ہو جائے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ نفس ناطقہ جب بھی بدن سے نکلتی ہے تو وہ یا علیین جاتی ہے یا سجین۔ دوسرا طریقہ یہ ہے: کہ شے معلوم جسم کے اندر داخل ہو جائے اور نفس ناطقہ کے ہاں حاضر ہو کر معلوم ہو جائے لیکن اس طریقے کا بطلان تو اظہر من الشمس ہے کیونکہ بڑے اشیا پہاڑ زمین وغیرہ بلکہ چھوٹے اشیا بھی جسم میں داخل نہیں ہو سکتے، ورنہ جسم انسانی پھٹ کر خراب ہو جائے گا۔

اب صحیح اور درست طریقہ کیا ہے تو آیئے اور اس کے بیان کرنے سے پہلے ایک تمہید سنیئے تاکہ آپ علی وجہ البصیرہ یہ جان سکیں کہ ہمارا علم اشیا پر کس طرح حاصل ہوتا ہے۔

تمہید: متقدمین اطباء یونان جسم میں تین قوتیں مانتے ہیں ا۔ قوت طبعی جو جگر میں ہوتی ہے ۲۔ قوت حیوانی جو دل میں ہوتی ہے ۳۔ قوت نفسانی جو دماغ میں ہوتی ہے۔ قوت نفسانی وہ قوت ہے جس سے جسم کے تمام اعضا میں حس وحرکت پیدا ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ا۔ قوت محرکہ ۲۔ قوت مدرکہ۔ قوت محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) باعثہ (۲) قوت فاعلہ، اور قوت مدرکہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) قوت مدرکہ ظاہرہ اور قوت مدرکہ باطنہ۔ قوت مدرکہ ظاہرہ کی پانچ قسمیں ہیں جن کو حواس خمسہ ظاہرہ کہتے ہیں۔ قوت مدرکہ باطنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں: جن کو حواس باطنہ کہتے ہیں جیسا کہ نقشہ میں مذکور ہیں۔

اس تمہید کے ذہن نشین کرنے کے بعد یہ جان لیں کہ حواس خمسہ ظاہرہ تمام بیرونی محسوسات کو حواس خمسہ باطنہ تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ حواس خمسہ ظاہرہ کی تمام محسوسات کو پہلے حس مشترک ادراک کرتی ہے اور پھر وہ ان کو اپنے خزانہ (خیال) کے سپرد کردیتی ہے جو ان کو محفوظ رکھتا ہے تاکہ وقت ضرورت یاد آسکیں۔ چنانچہ اسی وقت خیال سے وہ باتیں یاد آتی ہیں جن کا تعلق حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے جن کو اصطلاح میں صور کہتے ہیں پھر قوت واہمہ ان صور محسوسہ سے معانی جزئیہ کا ادراک کرتی ہے۔ مثلاً کسی کو دوست اور کسی کو دشمن سمجھنا اسی قوت کا کام ہے، پھر قوت واہمہ کے ادراک کردہ معانی کو قوت حافظہ محفوظ کرتی ہے اور اس طریقہ سے ہم کو علم حاصل ہوتا ہے۔

٢ - الخيال: في مؤخر التجويف الأوّل يحفَظُ مدركاتِ الحِسِّ المُشترك فهو كالخِزَانَة لها ، فإنك إذا أبصرت زيدا فمادام زيدٌ حاضراً عندك فصورته مرتسمة في الحس المشترك ، وإذا غاب تمتثل في الخيال ، وبهذه الحاسة يُعرف زيدٌ إذا عَاد بعدغَيبُوبته.

٣- الوهم: في مؤخّر التجويف الأوسط يُدرَكُ بها المعاني الجزئية ، والمعاني: ما لا يُدرك بالحواس الظاهرة مع وُجودها في المحسوسات كإدراكناشَجاعة زيد ، وبخل عمرو، وقال بعضُ المحققين: هذه القوّة غالبة على القُوى بل على العقل أيضاً ، ولذا يَتَوَحَّشُ أحدُناعن الميِّتِ، وإنْ حكم العقل بأنّه لَا مخافة عنه "

٤- الحافظة:في التجويف المؤخرتحفَظُ المعاني الجزئية الّتي تُدرِكها الوهمُ، فهي خِزانَة الوهم.

٥- المتصرفة : فيْ مقدّم التجويف الأوسط ، ومن شانها تركيب الصُّوَرِ والمعاني، وفصلِ بعضِها عن بعض . فالحاصلُ أنّا نعلمُ الأشياءَ الغير الحاضرة عند النّفس النّاطقة بالحواسِ الباطنة باستعانةِ الحواس الظاهرة كما عرفت .

السوال : حرّروا نِزَاعَ المتكلّمين والحكماء في إثبات الحواس الباطنة وَنَفْيِهَا ، وأيّ شيء سبب نزاعهم ، ثمّ أوضحوا الحواس الظاهرة بطريق الاختصار؟

الجواب : اعلم: أنّ هذا السوال والجواب مثل السابق غير مقصود في هذا المقام ، لكن أذكره لكشف المقام ولاضطراب الذهن من التّحقيق السابق فأقول : بعد اتفاق أهلِ العقل والنقل على الحواس الظاهرة اختلفوا في الباطنة ، فالحكماء يُثبتونها، ولكن لمّا كان إثباتها موقوفاً على القواعد الغير الإسلامية أنكرها المتكلمون واكتفوا بالظاهرة ، وذهب المتأخرون من المتكلّمين إلى إثباتها ، ولكن لم يُلاحظوا في إثباتها القواعد المخالفة لأصول الإسلام .

....

حواس کی تھوڑی سی وضاحت: حواس دوقسم پر ہے ظاہرہ اور باطنہ ۔ حواس ظاہرہ کے اثبات پر متکلمین اور حکماء متفق ہیں البتہ حواس باطنہ حکماء ثابت کرتے ہیں لیکن متکلمین اس کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے کہ جن دلائل سے فلاسفہ انکا اثبات کرتے ہیں وہ دلائل اسلامی اصول وقواعد سے ٹکراتے ہیں۔ مگر محققین متکلمین حواس باطنہ مانتے ہیں البتہ حکماء کے ان دلائل کو جو اسلامی اصول وقواعد کے موافق نہیں، رد کرتے ہیں۔

حواس باطنہ: تفصیل مقام یہ ہے کہ اولاً دماغ کے تین خانے ہیں ایک دماغ کے مقدم میں ہے جو بشکل مثلث ہے اور تینوں میں سب سے بڑا ہے اور دوسرا دماغ کے وسط میں ہے جو بشکل دائرہ ہے اور تینوں میں سب سے چھوٹا ہے اور تیسرا دماغ کے پچھلے حصہ میں ہے جو بشکل مربع ہے اول سے چھوٹا اور ثانی سے بڑا ہے۔ پھر یہ تینوں خانے دو دو حصوں میں تقسیم ہیں۔

حس مشترک: دماغ کے اگلے خانے کے اگلے حصے میں حس مشترک ہے۔ یہ قوت ان تمام صورتوں کو قبول کر لیتی ہے۔ جو حواس خمسہ ظاہرہ میں مرتسم ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ کا اگلا حصہ موؤف ہوتا ہے تو حس مشترک کے فعل میں تغیر ہو جاتا ہے۔

☆ ملخص. كلام الحكماء فى إثباتها ☆

إنّا قد نُدرك بعضَ الجزئيات لا بالحواس الظاهرة ، وقد تقرر أنّ الجزئى لا يُدرك إلّا بحاسة جِسْمانية ، فعُلِمَ أنّ مُدرِكَاتها حواس جسمانية باطنة ، وليس يُدركها النّفس لأنّها مجردة غير جسمانية .

أمّا ثبوت الحس المشترك ، فلأنّ النائم وصاحبَ السّرسام(وَرَمٌ فى حجاب الدّماغ ، تَحدُث عنه حُمّىً دائمة وتتبعها أعراض رَديئة كالسّهر واختلاط الذّهن) يَبصرُ ويَسمع ما لا وجود له فى الخارج .

وأمّا الخيال : فلأنّ الحسَّ المشترك يقبَلُ الصُورَ ، والحِفظ غير القبول ، فالحافظة حاسة أخرى هى الخيال ؛ لأنّ الواحد لا يصدر عنه إلّا الواحد بزعمهم الباطل .

وأمّا الوهم : فللقطع بأنّ شجاعة زيدمعنى شخصى غير محسوس بالحواس الظاهرة بل المحسوس آثارها ، ولا بالحِس المشترك والخيال ؛ لأنّهما لا يُحسان إلّا ما بَلَغهما من الحواس الظاهرة ، فَمُدرِكُها حَاسَّةٌ أخرى .

وأمّا الحفظ : فلأنّ الوهم قابل للمعانى فلا بُدّ لحفظها من حاسة أخرى ، إذا الحفظ غير القبول.

وأمّا المُفكّرة : فلأنّا نتصوّر إنسانا ذارَأْسَيْن وإنسانا بلا رأس وليس هذا فى الحس المشترك والخيال ؛ لأنّه ليس من المحسوسات بالحواس الظاهرة ، ولا فى الوهم والحفظ ؛ لأنّه ليس من المعانى الموجودة فى المحسوسات الظاهرة فهو موجود فى حاسة أخرى .

أمّا دليل تعيين مواضعها فَلِاخْتِلَال إدراك الحاسة بآفة موضعهامن الدماغ كما عُلم من الطّب هذا ملخّص مَقالِتهم وللتّفصيل كتبُ الحكمة والطّب .

....

خیال: حواس خمسہ باطنہ میں سے دوسرا حاسہ خیال ہے،قوت خیال حس مشترک کا خزانہ ہے کیونکہ حس مشترک میں محسوسات کی صورتیں عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی ،لہذا ان کے باقی اور محفوظ رکھنے کے لئے قوت خیال پیدا کی گئی ہے۔

وہم: اس قوت کو کہتے ہیں جو دماغ کے بطن اوسط کے آخری حصہ میں پیدا کی گئی ہے جومحسوسات کے معانی جزئیہ کا ادراک کرتی ہے اور اپنے ادراک کے مطابق حکم لگاتی ہے اور تمام قوی جسمانیہ پر مسلط ہے۔ بلکہ کبھی عقل کو بھی مغلوب ومجبور کر کے غیرمحسوس پر محسوس کا حکم لگاتی ہے۔

حافظہ: ایسی قوت ہے جو دماغ کے بطن اخیر میں پیدا کی گئی ہے، جوان معانی کی محافظ ہے جن کو قوت وہمیہ ادراک کرتی ہے یا جن کا حکم کرتی ہے ۔ قوت حافظہ وہمیہ کا خزانہ ہے جس طرح خیال حس مشترک کا خزانہ ہے۔

متصرفہ: ایسی قوت ہے جو دماغ کے بطن اوسط میں پیدا کی گئی ہے جوخیال اور حافظہ کی صور اور معانی میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑتی ہے اور بعض کو بعض سے جدا کرتی ہے یعنی خزانہ خیال سے کبھی دوصورتوں کو لے کر جوڑتی ہے مثلاً انسان کی صورت کے ساتھ جناح کی صورت لیکر پردار انسان بناتی ہے اور کبھی انسان کی صورت سے سر کی صورت علیحدہ کر کے سرکٹا انسان بناتی ہے اسی طرح حافظہ سے دو معانی جزئیہ کو لے کر جوڑتی ہے مثلاً عداوت اور نفرت

☆ وضاحة الحواس الظّاهرة بطريق الاختصار ☆

السَّمْعُ : قوّة مُوْدَعَةٌ في العصَبِ المفروش في مُقَعَّرِ الصِّماخ تُدرَك بها الأصواتُ بطريق وُصول الهواءِ المتكيف بكيفيّة الصَّوت إلى الصِّماخ .

البَصَرُ : هي القوّة المودَعة في العصبتَيْنِ اللتين تَتَلاقيان ثمّ تفترقان فَتأدّيان إلى العينين ، يُدرك بها الأضواءُ ، والألوانُ ، والأشكالُ ، والمقاديرُ ، والحركاتُ .

الشَّمُ : وهيَ قوّةُ مودَعة في الزّائدتين النّابتتين في مُقدّم الدّماغ الشّبيهتين بِحُلْمتي الثَّدْي ، يُدرَك بها الرّوائِحُ بطريق وُصول الهواء المتكيّف بكيفيّةِ ذي الرائحة إلى الخَيْشُوم .

الذَّوْقُ : وهو قوّة مُنبثّة في العصَب المفرُوش على جِرْمِ اللّسان .

اللَّمْسُ : وهي قوّة منبثّة في جميع الْبدن ، تُدرك بها الحرارةُ والبرودةُ ونحو ذلك (والتفصيل في شرح العقائد وشروحه)

....

کوایک ساتھ جوڑتی ہے اور کبھی ان میں سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرتی ہے اور کبھی خزانہ خیال سے بعض صور کو حافظہ کی بعض معانی کے ساتھ جوڑتی ہے مثلا زید کے ساتھ صداقت جوڑتی ہے اور کبھی بعض صور سے بعض معانی کو جدا کرتی ہے مثلا زید کو بلا عداوت کے تصور کرتی ہے قوت متصرفہ کے اسی قسم کے افعال ہیں اور اسی مصلحت کی وجہ سے خزانہ خیال اور قوت حافظہ کے وسط میں ودیعت کی گئی ہے تاکہ خزانہ خیال سے صور محسوسہ اور حافظہ سے معانی متوہمہ کو حاصل کر سکے۔

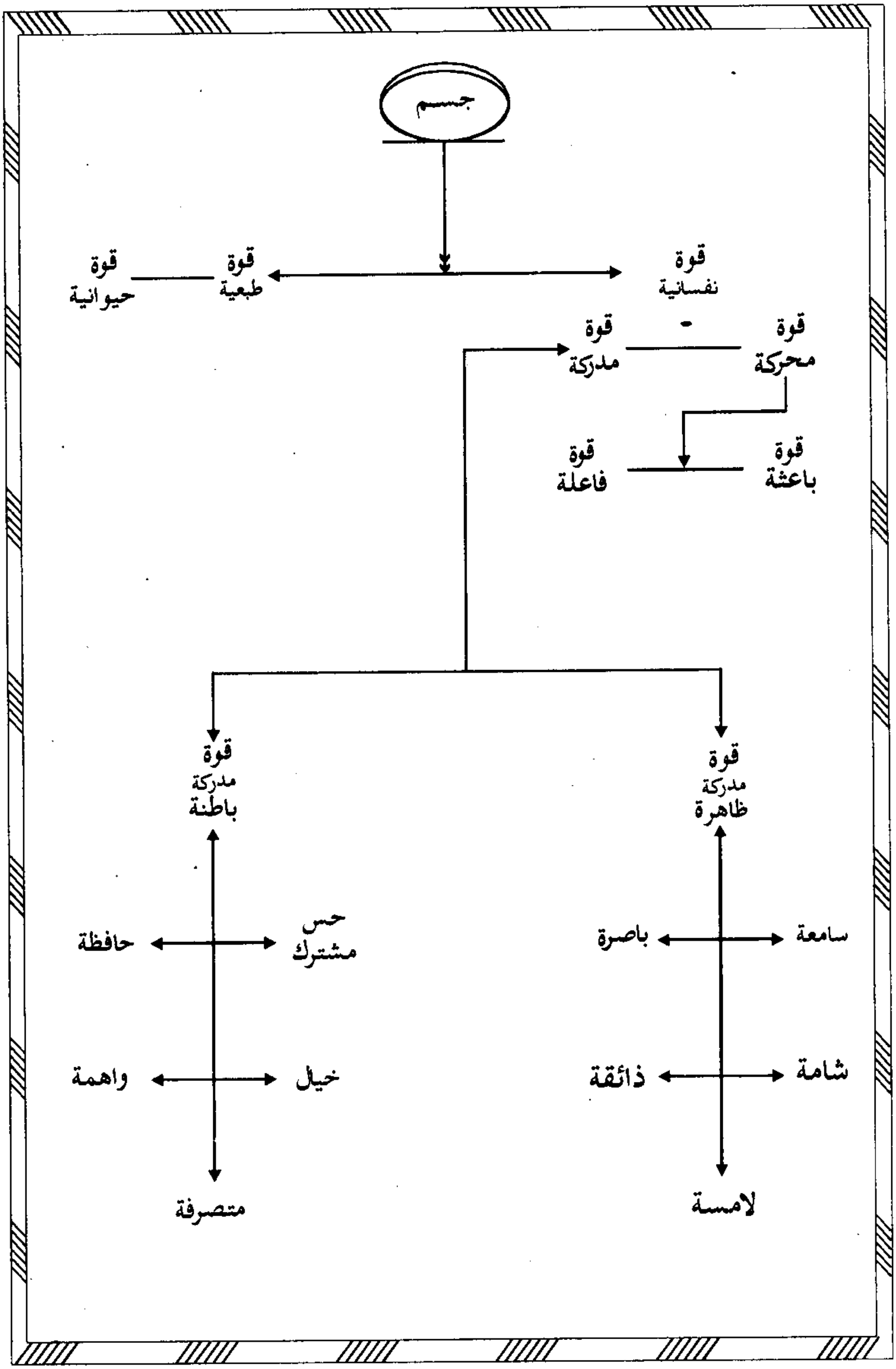
حواس ظاہرہ: سمع: ایک ایسی قوت ہے جو کان کے سوراخ کے باطن میں بچھے ہوئے پٹھوں میں (من جانب اللہ) رکھی ہوتی ہے اس کے ذریعہ کان کے سوراخ میں اس ہوا کے پہونچنے کے واسطے سے جو اواز کی کیفیت کے ساتھ متصف ہوتی ہے، اوازوں کا ادراک کیا جاتا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالی اس وقت نفس میں ادراک پیدا فرمادیتے ہیں۔

بصر: ایک ایسی قوت ہے جو ان کھوکھلے پٹھوں میں رکھی ہوتی ہے، جو باہم دماغ میں ملے ہوتے ہیں پھر ایک دوسرے سے جدا ہو کر دونوں آنکھوں میں پہنچتے ہیں۔ اس قوت کے ذریعہ روشنیوں، رنگوں، شکلوں، مقداروں، حرکتوں، خوبصورتی اور بدصورتی وغیرہ ایسی چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔

شم: ایک ایسی قوت ہے جو مقدم دماغ میں پستان کی گھنڈیوں کے مشابہ پیدا ہونے والے گوشت کے دو ٹکڑوں میں ودیعت کی ہوئی ہے جس کے ذریعہ بودار چیز کی کیفیت (بو) کے ساتھ متصف ہونے والی ہوا کے ناک کے بانسہ تک پہنچنے کے واسطے سے ہر قسم کی بو کا ادراک ہوتا ہے۔

ذوق: ایک ایسی قوت جو زبان کے اوپر بچھے ہوئے پٹھے میں ودیعت کی ہوئی ہے اس کے ذریعے کھائی جانے والی یا ذائقہ والی چیز کے ساتھ منہ کے اندر کی لعابی رطوبت کے اختلاط کرنے اور اس رطوبت کے مذکورہ پٹھے تک پہنچنے کے واسطے سے ہر قسم کے ذائقوں کا ادراک ہوتا ہے۔

لمس: ایک ایسی قوت ہے جو تمام بدن میں پھیلی ہوتی ہے اس کے ذریعہ بدن کے ساتھ مس اور اتصال کرنے کے وقت حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست وغیرہ کا ادراک ہوتا ہے۔


جسم
قوة نفسانية
قوة طبعية
قوة حيوانية
قوة محركة
قوة مدركة
قوة باعثة
قوة فاعلة
قوة مدركة ظاهرة
قوة مدركة باطنة
سامعة
باصرة
شامة
ذائقة
لامسة
حس مشترك
حافظة
خيال
واهمة
متصرفة

السؤال : لـم يـذكـر الـمـنـاطـقـةُ فى فواتِحِ كُتُبهم تحت عنوان المقدّمة تَعريفَ العلم وتقسيمَه مع أنّ هذا اشتغال بما لا يعنى ، وأيضا يلزم الخلافُ بين العنوان والمعنونِ ؛ إذا العُنوان "مقدّمة" والمُعَنْوَن للمقدّمة بيانُ الأمور الثّلاثة لا تعريفُ العلم وتقسيمُه ؟

الجواب : لـمّـا كـان تـعـريف الـعـلـم ، وغـايـتـه ، يُعلم فى ضِمْنِ إثبات الاحتياج إلى المنطق ، وإثبات الاحتيـاج إلـى الـمـنـطـق موقوف على مقدّمات :الأولى تقسيم العلم إلى التّصور والتّصديق،والثّانية تقسيمهما إلى البـديهـى والـنّظرى ،والثّالثةأنّ النّظرى يتوقّف على النّظر – وهو ترتيب أمور معلومة – والرّابعة:أنّ كلّ ترتيب ليس مـفيـدًا ولاطبـعيـاً ،والخامسة:أنّ البَسِيْطَ لا يكونُ كاسباً ، وكلّ واحدةٍ من هذه المقدّمات موقوفة عليها للاحتياج إلـى الـمـنـطـق كـمـا لا يـخـفـى ؛ فـلذلك يشرعون فى بيان هذه المقدّمات فى أوائل الكُتُبِ ؛ لأنّها موقوفة عليها للمقصود ، والموقوف عليه للمقصود يكون مقصودا ، ولما كان تقسيم العلم فرعاً لتعريفه فبدؤوا بتعريف العلم .

السؤال : حرّروا الاختلاف فى تعريف العلم؟

الجواب : اعـلـم :أنّ الـعـلـمـاء بـعـد اتـفـاقـهـم عـلـى أنّ حقيقة العلم ما به الانكشاف اختلفوافى سبب الانكشاف ولذلك اختلفوا فى تعريف العلم :

١ – فقيل :العلم إضافةٌ بين العالم والمعلوم .

٢ – وقيل :حصولُ صورةِ الشيءِ فى العقل .

٣ – وقيل :الصّورةُ الحاصلةُ من الشيءِ عِندَ العقل .

٤ – وقيل :هُو الحاضر عند المدرك .

٥ – وقيل :الصُّورة الذهنية للشيء .

٦ – وقيل :الحالةُ الإدراكية .

٧ – وقيل : العلم ما يُعلم به .

٨ – وقيل :العلم: هو إدراك المعلوم على ما هوبه .

٩ – وقيل :معرفةُ المعلوم على ما هو عليه .

....

ایک تیر دو شکار: کیا وجہ ہے کہ مناطقہ حضرات مقدمہ کے عنوان کے تحت علم کی تعریف اور تقسیم کرتے ہیں حالانکہ مقدمہ میں مقصود علم منطق کی تعریف ،غرض اور موضوع کا بیان ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مناطقہ منطق کی طرف پہلے حاجت بیان کرتے ہیں اور اس کے ضمن میں خود بخود منطق کی تعریف اور غرض آپ کو معلوم ہو جائے گی البتہ موضوع رہ جائے گی تو وہ کہیں گے واما موضوعہ۔۔۔۔

السوال : حرّروا اختلافَ العُلماء فی بَدَاهَةِ العلم ونَظَارتِه ؟

الجواب : اختلفَ العلماءُ فی بداهةِ العلم ونَظَارتِه:

١- مذهب الإمامِ الرّازی:وهوأنّه بدیهی مُتصوّر بالكُنْه فلا يُمكن تعريفُه ونبّه على ذلك أوّلاً : بأنّ كلّ شيءٍ يُعلم بالعلم فلو عُرِفَ العِلْمُ بغيره لَزِمَ الدَّوْرُ . وثانياً : بأنّ علمَ كلِّ أحدٍ بوُجوده ضروريٌ ، وهو علمٌ خاصٌ ، والعلمُ المطلق جزئُه ، وَالْعلمُ بالجزءِ سابقٌ على العلم بالكُلِّ ؛ فالسَّابق على الضَّروري ضروريٌ ألبتّة .

٢- وقال إمام الحرمين محمد الجونى، والإمام حجّةُ الإسلام الغزاليّ:إنّه نظرى ، ولكن يعسُر تَحْدِيْده بجنس وفصل ؛ فإنّ ذلك مُتعسِّرٌ فى أكثر الأشياء حتى فى المَحْسُوسات فكيف فى الإدراكات الخفيّة ، بل الوجه فى معرفته هوتقسيمه إلى تصوّر وتصديق ويقين وظن .

٣- وقال قوم: إنّه نظرى مُتَيَسِّرٌ تحديدُه .

السوال: أوضحوا أنّ العلم من أيةِ مقولة ؟

الجواب : اختلف القائلون بِعَرضِيَّةِ العلم فى أنّه من أيّة مَقُولة ، فقيل : إضافةٌ ، وقيل :كيفٌ، وقيل: انفعالٌ .

قال المحققون : والوجه أنّا إذا عَلِمْنا الشيءَ فههنا ثلثة أُمُورٍ : نسبةٌ بينَ العالم والمَعلوم ، صورةٌ حاصلةٌ عند الْعَالم ، قبولُ النَفس لتلك الصُورة.

فمن ذهبَ إلى أنّ العلمَ هو الأوّل قال "نسبةٌ " (أى إضافة بين العالم والمعلوم)ومن ذهبَ إلى الثّانى قال " كيفٌ ،ومن ذهبَ إلى الثّالث قال " انفعالٌ "

....

منطق کی طرف احتیاج اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ پہلے علم کی تعریف بیان کرتے ہیں پھر تقسیم العلم الی التصور اور تصدیق کرتے ہیں ۔ پھر دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ تمام تصورات وتصدیقات نہ بدیہی ہیں اور نہ نظری، بلکہ بعض بدیہی اور بعض نظری ہیں پھر یہ بیان کرتے ہیں کہ نظری نظر پر موقوف ہوتا ہے، پھر نظر کی تعریف ترتیب الامور المعلومۃ لتادی الی المجہول بیان کرتے ہیں پھر یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہر ترتیب درست اور مفید نہیں ہوتا ہے، اور یہ بھی درمیان میں بیان کرتے ہیں کہ بسیط کا سب نہیں ہوتا ہے تو ترتیب ضروری ہے مگر اس میں غلطی واقع ہوسکتی ہے تو ایسے قوانین کی ضرورت پیش آئی ہے جو ہم کو ترتیب میں غلطی سے بچائے اور ایسے قوانین کا نام علم منطق ہے لہذا منطق کی طرف ضرورت ثابت ہوئی اور اس بیان کے ضمن میں منطق کی تعریف آلۃ قانونیۃ تعصم مراعاتھا الذھن عن الخطائی الفکر اور غرض صیانۃ الذھن عن الخطائی الفکر معلوم ہوئی۔

بداہۃ ونظارۃ علم میں اختلاف

علم کی بدیہی اور نظری ہونے میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ علم نظری ہے اس واسطے کہ مناطقہ کا اس کی حقیقت میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ، اور جس میں اختلاف ہو وہ نظری ہے بعض کہتے ہیں کہ بدیہی ہے ورنہ دور لازم آئے گا اس واسطے کہ ہر شے کا حصول علم پر موقوف ہے تو

السوال: حرّروا تعريفات المقولات العشر مع بيان الأمثلة ؟

الجواب: قال الحكماء: المقولات عشر، واحدة منها للجوهر، والتّسع الباقية للعَرَضِ، وهى الكَمُّ، والكَيْفُ، والأينُ، والمَتى، والإضافةُ، والمِلْكُ، والْوَضْع، والفَعْلُ، والإنفعالُ.

١- أمّا الكَمُّ: فهو العَرضُ الذى يقبل القسمة والتّجَزّى لذاته فهو إنْ كان بين أجزائه حدٌ مشترك- والمراد من الحدّ المشترك ما يكون نسبته إلى الجزئين نسبة واحدة كالنّقطة المتوهمة فى وسط الخطّ بالقياس إلى جزئى الخطّ، يُمكن اعتبارها نهاية لكلا الجزئين وكذا بداية لكليهما، والنّقطة ليست جزءً من الخطّ بل هى عرض فيه، إذا ضُمّت إلى أحد الجزئين من الخطّ لم يَزد به أصلاً وإذا فُصل عنه لم ينقص منه شيء. وأمّا العدد فليس الأمر فيه هكذا؛ لأنّ العدد المتوسّط (الرّابع فى السّبعة) لو ضمّمته إلى أحد الجانبين لزاد ذلك الجانب وإن فصلته عنه نقص – فهوالكَمُّ المتّصل، كالمِقْدَار وإلّافهوالكَمُّ المُنفصِلُ كالعدد، ثُمّ الكمّ المتّصل إماً غيرقارٍ وهو ما لا يجوزاجتماع أجزائه المفروضة فى الوُجود وهوالزّمان، وإمّاقارّ وهوالمقدار، فإن انقسم فى الجهات الثّلاث فجسمٌ تعليمى، أو فى جهتين فقط فسطح، أو فى جهة واحدة فقط فخطٌّ. و الكَمّ المُنفصل هو العدد.

٢- وأمّا الكيف: فهو هَيْأةٌ فى شيء لا تقتضى لذاتها قسمةً إلى أجزاء مقداريةولا نسبة ولا يتوقّف تصوّره على الغير كحَلاوَة العَسل.

وهو على أربعة أقسام: الأول الكيف المحسوس إمّا باللّمس كالحرارة والبرودة، أو بالبصر كالضّوء واللّون، أو بالسّمع كالصّوت والحروف، أو بالطّعم كالحلاوة والمِرارة، أو بالشّم كالرّوائح.

والثّانى: الكيف الاستعدادى وهو القوّة والضّعف أى عسر القبول من الغير وسهولته كالصّلابة واللّين.

....

اگر علم نظری ہوتو اس کو کسی دوسری شے سے حاصل کرنا پڑے گا اور اس شے کو اس علم سے حاصل کیا ہے جس سے ''توقف الشی علی نفسہ'' لازم آئے گا۔ اور اس کو دور کہتے ہیں اور یہ مذہب امام رازی کا ہے جولوگ نظری ہونے کے قائل ہیں ان میں دوگروہ ہیں۔ امام غزالی کا قول ہے کہ ''متعسر التحدید'' ہے یعنی اس کی تعریف نہیں ہوسکتی بعض متکلمین قائل ہیں کہ ''ممکن التحدید'' ہے امام غزالی کی دلیل یہ ہے کہ جب محسوسات میں تحدید دشوار ہے۔ اور جنس کا اشتباہ عرض عام سے اور فصل کا اشتباہ خاصہ سے ہوسکتا ہے۔ تو غیر محسوس میں بدرجہ اولی دقت ہوگی جولوگ ممکن التحدید کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے اور کیف اجناس عشرہ میں سے ایک جنس ہے اور ہر جنس کے لئے فصل کا ہونا ضروری ہے اور ہر چیز کی جنس اور فصل اس کی حد ہوا کرتی ہے لہذا علم کے لئے ''حد'' حاصل ہوگئی۔

مقولات عشر: اجناس عالیہ اور مقولات عشرہ درحقیقت فلسفہ کا مضمون ہے لیکن فائدہ کی خاطر معمولی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہوں فلاسفہ کہتے ہیں کہ تمام ممکنات ان اجناس عالیہ میں منحصر ہیں کوئی باہر نہیں ہے۔ ان مقولات میں سے ایک جوہر اور باقی نو اعراض ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (۱) این: یہ حصول الشیء فی المکان کو کہتے ہیں

والثالث : الكيف النفسانی المخصوص بذوات الأنفس كالحياة والعلم والشّجاعة والجبن ، والكيفية النّفسانية إن كانت راسخة يعسُرّ زوالها أو يتعذّر سمّيت ملكة وإلاّ فحالاً ، والغالب أن الكيفية تبتدئ حالاً ثم تعود ملكة .

والرّابع : ما يعرض الكمّيات بناء على جواز قيام العرض بالعرض كالزّوجية والفردية للعدد والمثلّثية والمربّعية للسّطح ، والكروية للجسم التّعليمی .

٣- وأمّا الأين :فهو حالة تحصل للشّیء بسبب حصوله فی المكان-وهو علی نحوين :حقيقی وهو كون الشّیء فی مكانه الخاص به الذی لا يسع فيه غيره ، وغير حقيقی وهوما لا يكون كذلك ،ككون زيد فی الدار .

٤- وأمّا المتی: فهوحالة تحصُل للشیء بسبب حصوله فی الزّمان ، وهوعلی نحوين :حقيقی وغير حقيقی ، أمّا الحقيقی :فهوكون الشیء فی الزّمان الذی لا يفضُل عليه كالصّوم لليوم ، وغير حقيقی مالا يكون كذلك كالدُّخول فی الشهروالسّنة.

٥- وأمّا الإضافة :فهی حالة نسبيّة متكرّرة كالأخوة ،أو غير متكررة كالأبوّة والبنوّة.

٦- وأمّا الملك: فهی حالة تحصُل للشیء بسبب ما يحيط به ، وينتقل با نتقاله ، ككون الإنسان مُتعمّماً ، ومُتقمّصًا. فمنه ما هو طبعی كالإهاب للهرّة ، ومنه ما هوعرضی ، سواء كان محيطا بالكلّ كالثوب الشامل لجميع البدن ، أو مُحيطاًبالبعض كالعمامة والقميص وغيرهما.

٧- وأمّا الوضع :فهو هيأة حاصلة للشیء بسبب نسبة أجزائه بعضها إلی البعض ، وبسبب نسبتها إلی الأمور الخارجيّة ،كالقيام ، والقعود .

٨- وأمّا الفعل : فهو حالة تحصُل للشیء بسبب تأثيره فی غيره ،كالقاطع ما دام يَقطع.

....

(٢) متی : يہ حصول الشیء فی الزمان کو کہتے ہیں دونوں کی مثال ''جلوس زید فی المسجد یوم الجمعۃ'' (٣) وضع : یہ وہ ہیئت ہے جو کہ شے کو من نسبۃ بعض اجزاءہ الی البعض حاصل ہو۔ جیسے ہیئت رکوع وسجود (٤) اضافت : یہ وہ نسبت ہے جو ایک شے کو بالقیاس الی غیرہ حاصل ہو خواہ وہ نسبت مکررہ ہو جیسے: اخوۃ جو جانبین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، خواہ غیر مکررہ ہو جیسے ابوۃ وبنوۃ (٥) ملک : ایک شے کا کل یا بعض کا محاط ہونا ایسی چیز کے ساتھ جو اس شے کے منتقل ہونے کے ساتھ منتقل ہوتی رہے جیسے قمیص وعمامہ وغیرہ کے ساتھ محاط ہونا اسے ملک کہا جاتا ہے (٦) فعل : (بالفتح) نفس تاثیر فی الغیر کو کہا جاتا ہے کالقطع (٧) انفعال: نفس قبول الاثر عن الغیر کو کہا جاتا ہے کالانقطاع .(٨) کم : جسے مقدار بھی کہتے ہیں یہ وہ ہوتا جو قسمت اور مساواۃ ولا مساواۃ کو بالذات قبول کرتا ہے اور وہ دو قسم ہیں ایک کم منفصل دوسرا متصل ، اگر حدود مشترکہ اس میں نہ نکل سکیں تو وہ کم منفصل ہے جیسے : عدد اگر اس میں حدود مشترکہ پائی جاسکے تو وہ کم متصل ہے۔ حدود مشترکہ وہ ہوتی ہے جس کے ملانے یا نہ ملانے سے اس شے میں زیادتی اور کمی نہ ہو اور کم متصل مختلف اقسام پر ہے اگر اشارہ حسیہ کو قبول نہ کرے تو وہ زمان ہے اگر قبول کرے تو وہ خط ، سطح ، جسم تعلیمی ہے۔

٩ ـ وأمّاالانفعال: فهو هيأة تحصل للشيء بسبب تأثره عن غيره ، كالمُتسخِّن ما دَام يَتسخّن .

اعلم : أنّ الفعل والانفعال نفس التّاثير والتّأثر لا هيئة أخرى تعرض للشّيء بسبب التّاثير والتّأثر .

١٠ـ الجوهر : وهو الموجود لا في موضوع .

وقدجمعها الشّاعر في قوله:

مردی دراز دیدم نیکو بشہر امروز	باخواستہ نشستہ ازکرد خویش فیروز
جوہر کم انفعال کیف این متی	اضافۃ وضع فعل ملک
بدورت بسے عاشق دل شکستہ	سیاہ کردہ جامہ بکنج نشستہ
متی کم اضافۃ جوہر انفعال	کیف فعل ملک این وضع

السوال : حرّروا التقسيم الأولي والثانوي للعلم ؟

الجواب : اعلم: أنّ العلم أوّلًا على قسمين : حضوري و حصولي ؛ لأنّه إنْ كان بين العالم والمعلوم إحدى من العَلائِقِ الثّلاث : وهي العَيْنِيّة ، والنّعتية ، والمَعْلُولية ، فالعلم حضوريٌّ ،كعلمه تعالى على ذاته حضوري بعلاقة العينية ، وعلى صفاته حضوري بعلاقة النعتية ، وعلى الكائنات حضوري بعلاقة العِليّة والمعلولية ، (أعنى الجاعلية والمجعولية) ، وإلّا (أي وإنْ لم يكن بين العالم والمعلوم إحدى من العلائق الثّلاث) فحصولي، كعلمنا على غير ذَواتناوصفاتنا ، ثمّ كلّ من الحصولي والحضوري على قسمين : حادث إنْ كان العَالمُ حادثاً وقديمٌ إنْ كان العَالِمُ قديماً .

....

خط : وہ عرض ہے جوصرف طول میں تقسیم قبول کرتا ہے نہ کہ عرض اور عمق میں ۔ سطح : وہ عرض ہے جوطول اور عرض میں تقسیم قبول کرتا ہے نہ کہ عمق میں ۔ جسم تعلیمی : وہ عرض ہے جوطول ، عرض ، عمق تینوں میں تقسیم قبول کرتا ہے ۔ واضح رہے کہ جسم تعلیمی وہ جسم نہیں جو ہیولی اور صورت جسمیہ یا اجزاء لاتجزی سے مرکب ہے جس کو جسم طبعی کہا جاتا ہے اور جوہر ہے بلکہ جسم تعلیمی عرض ہے اور جسم طبعی کے ساتھ قائم ہے

(٩) کیف : جو بالذات تقسیم قبول نہ کرے ، اور اس کا تصور غیر پر موقوف نہ ہو۔

(١٠) جوہر : وہ موجود جو اپنی موجودیت میں محل کی طرف محتاج نہ ہو۔

علم کی تقسیم اولی اور ثانوی : علم اولا دو قسم پر ہے : حضوری اور حصولی ۔ اگر عالم ومعلوم کے درمیان تین علاقوں میں سے کوئی ہو تو علم حضوری ورنہ علم حصولی ۔ وہ تین علاقے یہ ہیں (١) عینیۃ : یعنی معلوم عالم کا عین ہو (٢) نعتیت : یعنی معلوم عالم کے لئے نعت وصفت ہو ۔ (٣) معلومیت : یعنی معلوم عالم کے لئے معلول ومجعول ہو اور عالم اس کے لئے علت و جاعل ہو جیسے اللہ تعالی کا علم اپنی ذات مقدس پر علاقہ عینیت کی وجہ سے حضوری ہے ، اور اپنے صفات پر علاقہ نعتیت کی وجہ سے حضوری ہے اور تمام کائنات پر علاقہ جاعلیت اور مجعولیت کی وجہ سے حضوری ہے اور اگر ان تین علاقوں میں سے کوئی نہ ہو تو علم حصولی ہوگا۔

السؤال : عَيِّنوا المَقْسم للتّصور والتّصديق المُنقسِمَيْن إلى البديهی والنّظری ؟

الجواب : قال بعضُ العلماء : إنّ المقسمَ للتّصور والتّصديق هو العلم الحصولی الحادث .

دليل هذا المذهب : أنّ المقسم هو العلم الحصولی الحادث ، لا مطلق العلم ، ولا مطلق الحصولی ، إذ لو كان المقسم هو مطلق العلم ، يلزَم عدمُ انحصارِ المَقْسم فی الأقسام ، والتّالی باطلٌ إذ لا بدّ فی التّقسيم من حصر المقسم الحقيقی فی أقسامه ، فالمقدّم مثله : أمّا وجه المُلَازمة فلأنّ مطلقَ العلم شامل للحضوری والحصولی ، والأقسام (أی التّصوروالتّصديق) إنّما هی للحصولی فقط ، فلو كان مطلقُ العلم مقسماً يلزَم عدمُ انحصار المقسم فی الأقسام ،ولوكان المقسم هو مطلق الحصولی الشامل للحادث والقديم،فيلزَم أيضاً عدم انحصار المقسم فی الأقسام، فلأنّ مطلق الحصولی شامل للقديم أيضاً والأقسام ليست إلّا للتّصور والتّصديق وهما حادثان ؛ لأنّهما منقسمان إلى البديهی والنّظری ، وكلاهما حادثان ، والمنقسم إلى الحادث يكون حادثاً ، أمّا انقسام التّصور والتّصديق إلى البديهی والنّظری فظاهرٌ ، وأمّا كون البديهی والنّظری حادثين ،فلأنّه عبارةٌ عما يتوقّف على النّظر ، والنّظر ترتيب الأمور المعلومة تَدْرِيجاً لتحصيل المجهول والحاصل بالتدريج يكون حادثاً ، والموقوف على الحادث يكون حادثا بالضّرورة ، وأمّا البديهی فهو أيضاً حادثٌ ؛ فإنّه مقابل للنظری تقابل التّضاد ، أو العدم والملكة ، فإنْ كان مقابلا بالتّضاد فالشّرط فی المتقابلين بالتّضاد أنْ يكون محلّ كلّ واحد صالحا لورود الآخر ، فعلى هذا يكون محلُّ البديهی صالحاً لِوُرود النّظری ، فعُلِم أنّ البديهی أيضاً حادثٌ ؛ إذ لو كان قديما لم يكن صالحاً لورود الحادث ، إذ ليس من شان القديم الاتّصاف بالحادث ، وإنْ كان البديهی مقابلا للنظری بتقابل العَدَم والْمَلكة ، فيكون النّظریُ وجودياً بمعنی ما يتوقّف على النّظر،والبديهی عد مياً بمعنی مالا يتوقّف على النّظر ، والقاعدةُ فی المتقابلَين تقابلَ العَدَم والمَلَكَة أنْ يكونَ محلُ العدمی صالحاً لِوُرود الوُجودی ، فيكون محلُّ البديهی صالحا لورود النظری ، فيكون البديهی أيضاً حادثاً ، إذ لو كان قديما لم يكن صالحا لورود الحادث ؛فعُلِم من البيان السابق أنّ المقسم ليس مطلق العلم ، ولا مطلق الحصولی ، بل الحصولی الحادث .

جیسے: ہمارا علم اپنی ذات وصفات کے علاوہ دوسرے اشیاء پر۔ پھر اگر عالم حادث ہے تو وہ علم حادث اور عالم قدیم ہے تو وہ علم قدیم ہوگا اس طرح چار صورتیں پیدا ہوگئیں: علم حضوری قدیم اور حادث علم حصولی قدیم اور حادث۔

مقسم للتصور والتصدیق: یہاں تین مذاہب ہیں: (۱) مقسم حصولی حادث ہے اس لئے کہ اگر مقسم مطلق علم بن جائے تو لازم آئے گا عدم انحصار مقسم فی الاقسام لیکن تالی باطل ہے تو مقدم بھی باطل ہے۔ بطلان تالی ظاہر ہے اور وجہ ملازمہ یہ ہے کہ مطلق علم حصولی اور حضوری دونوں کو شامل ہے، اور اقسام یعنی تصور اور تصدیق صرف حصولی کے لئے ہیں اب اگر مقسم مطلق علم بن جائے تو عدم انحصار مقسم فی الاقسام لازم آئے گا۔ اسی طرح اگر مقسم مطلق حصولی بن جائے تو بھی عدم انحصار مقسم فی الاقسام لازم آئے گا۔ تالی باطل ہے مقدم بھی اس کا مثل ہے، بطلان تالی ظاہر ہے اور ملازمہ یہ ہے کہ مطلق حصولی قدیم کے لئے بھی شامل

وقيل : المقسم للتصور والتصديق مطلقُ العلم :

دليل هذا المذهب : أنّ المقسم مطلق العلم ؛ لأنّ التخصيص فی المقسم لغوٌ؛ إذ التقسيمُ فی الخاص يستلزم التقسيمَ فی العام ، فلا فائدة فی جعل الخاص مقسما.

وقيل المقسم هو مطلقُ العلم الحصولی لا مطلقُ العلم ولا الحصولیُ الحادث :

إذ لو كان المقسم مطلق العلم الشامل للحضوری والحصولی يلزَم عدم انحصار المقسم فی الأقسام وهو باطل كما مرَّ مفصّلاً . وليس المقسم الحصولی الحادث، وإلّا يلزَم عُموميّةالقسم من المقسم ، واللّازم باطل فالملزوم مثله .
أمّا وجه الملازمة : فلأنّ التّصوروالتّصديق موجودان فی علوم العقول المجرّدة ؛لأنّ علمَهم علی ما سِوی ذاتها وصفاتها حُصولی ؛ ولأنّهم يقولون :إنّ العقولَ العالية خزائنُ للسّوافل؛ لأنّ السّوافل لكونها حادثة يَطْرَء عليها الذهول والنّسيان ،فلابُدّ لهم من الخَزائن، والحواس الباطنة لا تصلح أنْ تكون خزائن ؛ لأنّ المخزونات كليات ، والحواس ليست بمدركة لها ، فعُلم أنّ الخزائن لعلوم السّوافل إنما هی العقول المجرّدة فالقضايا الكواذب المدركة للسّوافل تكون مدرَكة للعقول المجرّدة بدون التّصديق بها؛لأنّ تصديق الكواذب جهلٌ ،والعقولُ متعاليةٌ عن الجهل ،وإدراكُ الكواذب بدون التّصديق بها عينُ التّصور، والقضايا الصّادقة المدركة للسّوافل تكون مدركةً للعقول المجرّدة مع التّصديق ؛ لِأنّ عدمَ التّصديق بالصّادق جهل ، والعقول مُبرّئة عن الجهل فعلم أنّ التّصورَ والتّصديقَ موجودان فی عُلوم المجرّدات ، وعلمهم قديم،فعلم أنّ التّصور والتّصديق موجودان فی القديم ،فلوكان

....

ہےاور اقسام یعنی تصور اور تصدیق دونوں حادث ہیں اس لئے کہ یہ دونوں بدیہی اور نظری کی طرف منقسم ہیں، اور بدیہی ونظری حادث ہیں اور حادث کی طرف منقسم ہونے والا بھی حادث ہوتا ہے۔ بدیہی اور نظری اس لئے حادث ہیں کہ نظری مایتوقف علی النظر کو کہتے ہیں اور نظر ترتیب امور معلومۃ تدریجا لتحصیل المجہول کو کہا جاتا ہے، اور حاصل تدریجا حادث ہوتا ہے، اور موقوف علی الحادث حادث ہوتا ہے تو نظری بھی حادث ہوا اور بدیہی اس لئے حادث ہوا کہ وہ نظری کا مقابل ہے تقابل تضاد یا تقابل عدم والملکہ کے ساتھ، اگر تقابل تضاد ہو تو متقابلین بتقابل تضاد کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر واحد کا محل ایراد اخر کے لئے صالح ہو، تو بدیہی کا محل صالح ہوگا ورود نظری کے لئے، معلوم ہوا کہ بدیہی بھی حادث ہے نظری کی طرح ورنہ تو ورود حادث کے لئے صالح نہ ہوگا۔ اگر تقابل عدم والملکہ ہو تو نظری وجودی ہوگا بمعنی مایتوقف علی النظر اور بدیہی عدمی ہوگا بمعنی مالا یتوقف علی النظر اور متقابلین بتقابل عدم والملکہ میں قانون یہ ہے کہ محل عدمی صالح ہوتا ہے ورود وجودی کے لئے تو بدیہی کا محل صالح ہوگا ورود نظری کے لئے تو بدیہی بھی نظری کی طرح حادث ہو جائے گا، ورنہ تو ورود حادث کے لئے صالح نہ ہوتا۔ (۲) دوسرا مذہب یہ ہے کہ مقسم مطلق علم ہے اس وجہ سے کہ تخصیص فی المقسم لغو اور بلا فائدہ ہے اس لئے کہ تقسیم فی الخاص مستلزم ہے تقسیم فی العام کے لئے تو خاص کو مقسم بنانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا مذہب یہ ہے کہ مقسم مطلق علم حصولی ہے نہ کہ مطلق علم اور نہ حصولی حادث، اس لئے کہ اگر مطلق علم مقسم بن جائے تو عدم انحصار مقسم فی الاقسام لازم ائے گا۔ تالی باطل ہے مقدم اس کا مثل ہے بطلان تالی ظاہر اور ملازمہ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق علم تو حضوری کے لئے بھی شامل ہے حالانکہ تصور اور تصدیق علم حصولی کے اقسام ہیں اور اگر حصولی حادث مقسم بن جائے تو عموم قسم عن المقسم لازم آئے گا، تالی باطل ہے مقدم اس کا مثل ہے بطلان تالی ظاہر

المقسم هو الحادث فقط يلزَم عُموم القسم من المقسم و هو باطل ، فثبت أنّ المقسم للتّصور والتّصديق مطلقُ الحصولي .

السوال:حرّروا تعريفَ التّقابل، وأقسامَه بطريق الضّبط والانحصار؟

الجواب:التّقابل هوكونُ الشيئين بحيث لا يَجتمعان في مَحَلّ وَاحد ، من جِهَة واحدة ، وأنواعه أربعة:لأنّهما لا يخلوان إمّا أنْ يكونا وُجودِيّين أولا،فإنْ كانا وُجوديين فإنْ كان تعقُّل كلّ منهما منوطاً بتعقّل آخر ، فهما مُتضايفان كالأبوّةِ والبُنُوَّة ، وإن لم يكن تعقّل أحَدهما بالنّسبة إلى الآخر بل يُتصوّر كل منهما بدون الآخر ، فهما مُتضادان ،كالسّواد والبياض ، وإنْ لم يكونا وُجوديين ،بل كان أحدُ هما وجودياً ، والآخر عدمياً ، فإنْ اعتُبِر محلُّ العدمي صالحا للوجودي ،فهما العدم والملكة ،كالعمى والبصر ، وإنْ لم يُعتبر هذاأي لم يكن محل

....

ہےاور ملازمہ کی دلیل یہ ہے کہ تصوراور تصدیق مجردات میں موجود ہے؛اس لئے کہ ان کا علم اپنی ذات وصفات کے ماسوا پر حصولی ہےاوران کا علم قدیم ہے حادث نہیں ہے ۔اب اگر مقسم حصولی حادث ہوجائے تو قسم یعنی تصوراور تصدیق مقسم سے عام ہوجائے گا۔

دوسری وجہ: اس بات کی دوسری وجہ کہ علم قدیم بھی تصوراور تصدیق کی طرف منقسم ہے یہ ہے کہ مدرکات انسانی یا تو جزئیات مادیہ محسوسہ ہیں ان کا ادراک حس مشترک کرتی ہے۔ بشرط حضورها عند الحواس الظاهرة ،یا معانی جزئیہ ہوں گے جو منتزعہ از صور محسوسات ہوتی ہیں۔جیسے صداقت وعداوت بین الشخصین ان کا ادراک وہم کرتا ہے، یا امور کلیہ ان کا ادراک عقل کرتا ہےاوران تمام معلومات پر کیفیات ثلاثہ طاری ہوتی ہیں،ایک کیفیت استحضار یعنی معلومات ومدرکات قوت مدرکہ میں متحضر ہوتے ہیں اگر سوال کیا جائے تو فورا بلا تاخیر جواب دے سکے۔دوسری کیفیت ذہول وہ یہ ہوتی ہے کہ معلوم بالتامل والتفکر یاد آتا ہے یعنی غور وفکر اور سوچنے کے بعد یاد آتا ہے البتہ کسب جدید کی ضرورت پیش نہیں آتی۔تیسری کیفیت نسیان وہ یہ ہوتی ہے کہ معلوم بعد الغور والفکر بھی یاد نہیں آتا اور یہاں کسب جدید کی ضرورت پیش آتی ہے استحضار میں وہ معلوم قوت مدرکہ میں موجود ہوتا ہےاور ذہول میں قوت مدرکہ سے زائل ہوجاتا ہے لیکن خزانہ میں باقی رہتا ہے لہذا تامل کرکے اس کو خزانہ سے مدرکہ میں لانا پڑتا ہے اس لئے تذکیر میں کچھ تاخیر ہوجاتی ہےاور نسیان میں وہ معلوم قوت مدرکہ اور خزانہ دونوں سے زائل ہوجاتا ہےاور کسی میں باقی نہیں رہتا اس لئے کسب جدید کی ضرورت پیش آتی ہے لہذا ضروری ہے کہ ہرایک مدرک کے لئے ایک خزانہ ہو تاکہ کیفیت ذہول میں بقائی الخزانہ کی شرط پوری ہوسکے حس مشترک اور وہم چونکہ قوی جسمانیہ ہیں اس لئے ان کا خزانہ بھی قوی جسمانیہ ہیں حس مشترک کا خزانہ قوت خیالیہ ہےاور وہم کا خزانہ قوت حافظہ ہےاور عقل چونکہ قوت مجردہ ہے اس لئے اس کا خزانہ قوت جسمانیہ نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ مدرکات عقل امور کلیہ ہیں جو کہ بسائط یعنی غیر ممتد ہیں اور نا قابل انقسام اگر قوت جسمانیہ میں ان کا حصول رہے تو چونکہ قوت جسمانیہ قابل انقسام ہے اگر معلوم عقلی جو کہ بسیط اور نا قابل انقسام ہے قوت جسمانیہ کے ایک حصہ میں حاصل ہو اور دوسرے میں نہ ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اگر ہر ہر جز اور ہر ہر حصہ میں حاصل ہو تو حصول شے واحد فی زمان واحد فی امکنۃ متعددۃ لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے اگر مجموع من حیث المجموع میں حاصل ہو تو انقسام قوت جسمانیہ کی وجہ سے اس امر حاصل کا انقسام لازم ائے گا جو ان کی بساطت اور عدم امتداد کے منافی ہے اس لئے مدرکات عقل کا خزانہ قوت جسمانیہ نہیں ہوسکتی لہذا عند الحکما ان کا خزانہ مجردات ہیں اوران کا حصول وارتسام مجردات میں بافاضۃ المبداء الاول ہے جو کہ مبداء فیاض اور واجب تعالی ہے اور ہوگا بارتسام صور ہالہذا حصولی ہوا پھر مدرکات عقل بعض تصور ہیں اور بعض تصدیق لہذا مجردات میں بھی بعض کا حصول علی سبیل التصور ہوگا اور بعض کا علی طریق التصدیق کما کان فی العقل اور پھر مدرکات عقل جو بصورت تصدیق ہوتے ہیں ان میں بعض تصدیقات صادقہ جو کہ مجردات کے اندر بصورت تصدیق موجود ہوتی ہیں اور بعض تصدیقات کاذبہ ہوتی ہیں یہ مجردات میں بصورت تصدیق نہیں آسکتی کیونکہ کذب کی تصدیق کرنے سے وہ منزہ ہیں اس لئے تصدیقات کاذبہ کا وجود صرف بطریق الحفظ والارتسام ہوگا۔لہذا یہ بصورت تصور موجود ہوں گی تو اس صورت میں علوم مجردات منقسم الی التصور والتصدیق ہوگئے هذا هو المطلوب۔

العدمی صالحاً للوجودی فالإیجاب والسّلب ،كالإنسانيّة واللّاإنسانية وأمّا كونهما عدميين فاحتمال عقلی لا وجود له .

السؤال : حرّروا تعريف التّصور والتّصديق ، ثمّ تقسيم كلّ واحد منهما إلى البديهی والنّظری ، مع بيان الأمثلة ؟

الجواب : اعلم: أنّ مطلقَ العلم الحصولی علی قسمين :أحدهما يقال له التّصور، وثانيهما يُعبّر عنه بالتّصديق ، أمّا التّصور: فهوالإدراك الخالی عن الحكم،كما إذا تصوّرتَ زيداً وحده ، أو قائماً وحده من دُون أنْ تُثبتَ القيام لزيد ، أو تسلبه عنه أمّا التّصديق: فهو الإدراك المقارن بالحكم ، ثمّ التّصور قسمان : أحدهما بديهی (أی حاصل بلا نظر وكسب) كتصوّرنا الحرارة والبُرودة ويقال له الضّروری أيضاً ،وثانيهما نظری(أی يحتاج فی حصوله إلى الفكر والنّظر) كتصوّرنا الجِنَّ والملائكة ، فإنّا مُحتاجون فی أمثال هذه التّصوراتِ إلى تَجَشُّمِ فكرٍ ، وترتيبِ نظرٍ ، ويقال له الكسْبی أيضاً ،والتّصديق أيضاً قسمان: أحدهما البديهی : الحاصل من غير فكر وكسب ، وثانيهما : النّظری : المفتقِر إليه، مثال الأوّل: الكلّ أعظم من الجزء ، والاثنان نصف الأربعة ، ومثال الثّانی العالم حادث ، والصّانع موجود، ونحو ذلك .

السؤال : حرّروا المذاهب فی حقيقة التّصديق وماهيّته مع الدّلائل ؟

الجواب : قال الجُمهور إنّ التّصديق عينُ الحكم ، والحكمَ عينُ التّصديق ، وقال الإمام الرّازی : التّصديق: مركّب من التّصورات الثّلاثة ، والحكم ،وقال صاحبُ المطالع ، والعلّامة جارُ اللّه الزمخشری : التّصديق :عبارة عن التّصورات الثّلاثة بشرط الحكم .

الدّليل الأوّل للجمهور : اعلم: أنّ بيان الدّليل الأوّل موقوف علی معرفة مقدّمتين : الأولى أنّ المرّكب إنْ كان بين أجزائه علاقة الافتقار فهو مركّب حقيقی ، وإلّا فهو مركّبٌ اعتباری واختراعی .

الثّانية : اتّفق المناطقةُ على أنّ التّصديق أمرٌ واقعیٌ لا اِختِرَاعی .

فأقول(فی بيان الدّليل) : إنّ التّصديق عينُ الحكم ، وإلّا فيكون التّصديق مركّباً من التّصورات الثّلاثة والحكم ، والتّصورات الثّلاثة والحكم أجزاء التّصديق ، وهذه الأجزاء ليس فيها علاقة الاحتياج ، وكلّ مركّب من الأجزاء التی ليس فيها علاقة الاحتياج ، فهو اعتباری فعلی هذا التّصديق مركّب اعتباری ، وقد عرفت فی المقدّمة الثّانية اتّفاق المناطقة علی أنّ التّصديق أمر واقعی ، لا اعتباری ، فثبت أنّ التّصديق عين الحكم .

الدّليل الثّانی للجمهور : اعلم:أنّ هذا الدّليل موقوف علی معرفة المقدّمتين ـالأولى : لا يُعلم التّصور من التّصديق ولا بالعكس .والثّانية : لا يَصِحّ أنْ يكونَ لشیء وَاحد كاسبان.

فأقول(فی بیان الدّلائل): إنّ التّصدیق عینُ الحکم، وإلّا فهو مرکّب من التّصورات الثّلاثة والحکم، فعلی تقدیر کون التّصورات الثّلاثة والحکم نَظریین یحصُل التّصورات الثّلاثة من القولِ الشّارح، والحکم من الحُجّة ،فالتّصدیق المرکّب من التّصورات الثّلاثة والحکم شیء واحد له کاسبان .وهذا باطل . فکونُ التّصدیق مرکّبا من التّصورات الثّلاثة والحکم باطل . فثبتَ أنّ التّصدیق عینُ الحکم، والحکم عین التّصدیق .

دلیل الإمام الرّازی : قال الإمام : إنّ بین التّصورات الثّلاثة والحکم تلازما وبین الحکم والتّصدیق تلازماً ؛ لأنّ الحکم یتحقّق بعد تحقّق التّصورات الثّلاثة، والتّصدیق یتحقّق بعد تحقّق الحکم، فعلم أنّ تحقّق التّصدیق بعد تحقّق التّصورات الثّلاثة والحکم .

الجواب من جانب الجمهور عن دلیل الإمام : لانُسلّم التّلازم بین التّصورات الثّلاثة والحکم، ألا تری فی صورة الشّک یتحقّق التّصورات الثّلاثة بِدُون الحکم .

دلیل صاحب المطالع، والعلّامة الزمخشری : یُعبّر عن الحکم بتعبیراتٍ شتّی فقد یعبّر عنه بإیقاع النّسبة وانتزاعها، وإدراك أنّ النّسبةَ واقعة أو لیست بواقعة، وغیرها من التّعبیرات، فعُلِم أنّها فعلٌ من أفعال النّفس یعنی غیر إدراك . فلو کان الحکم جزءً من التّصدیق کما قال الإمام یلزَم کون التّصدیق مرکّبا من إدراك وغیره، وهو باطل، ولو کان الحکم عینَ التّصدیق کما قال الحکماء فیلزَم أنْ یکون التّصدیق غیر إدراك وهو باطل .

الجواب : لا یغُرنّکم التّعبیرات المختلفة بأنّها فعل من أفعال النّفس بل التّصدیق إدراك، والتّحقیق فی شروحات السلّم .

السوال : حرّروا اختلاف المناطقه فی التّصدیق أهو إدراك أمْ من لواحقه ؟

الجواب : قیل: إنّه علم کما أنّ التّصور علم، وإلیه ذهب جماعة من المنطقیین، وقیل: إنّه من لواحقه، وهذا ما ارْتَضی به المحقّقُون منهم العلّامة الطُّوسی والفاضل الهِرَوی .

السوال : حرّروا الفرقَ بین المذاهب الثّلاثة ؟

الجواب : الفرق بین مذهب الحکماء والإمام من وجوه ثلاثه: التّصدیق عند الحکماء بسیط، وعند الإمام مرکّب، عند الحکماء الحکم عین التّصدیق، وعند الإمام شطره .عند الحکماء التّصورات الثّلاثة شرط التّصدیق، وعند الإمام شطره .

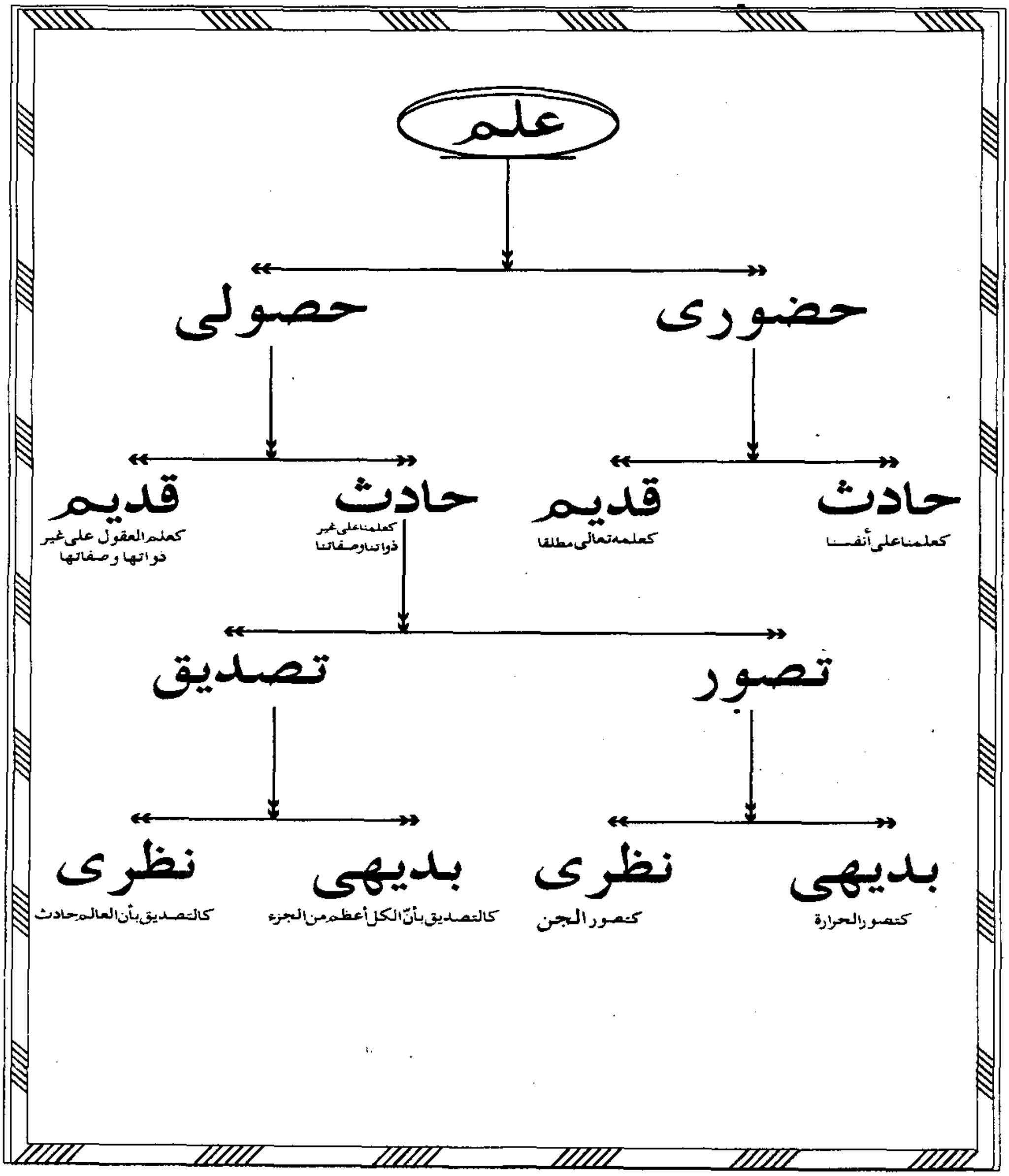
☆ الفرق بین مذهب الحکماء والزّمخشری من وجوه ثلاثة ☆

١- عند الحکماء التّصدیق بسیط، وعندجار اللّه الزمخشری مرکّب من التّصورات الثّلاثة .

٢- عند الحکماء التّصورات الثّلاثة شرط التّصدیق، وعند العلّامة الزمخشری کلّ واحد من التّصورات

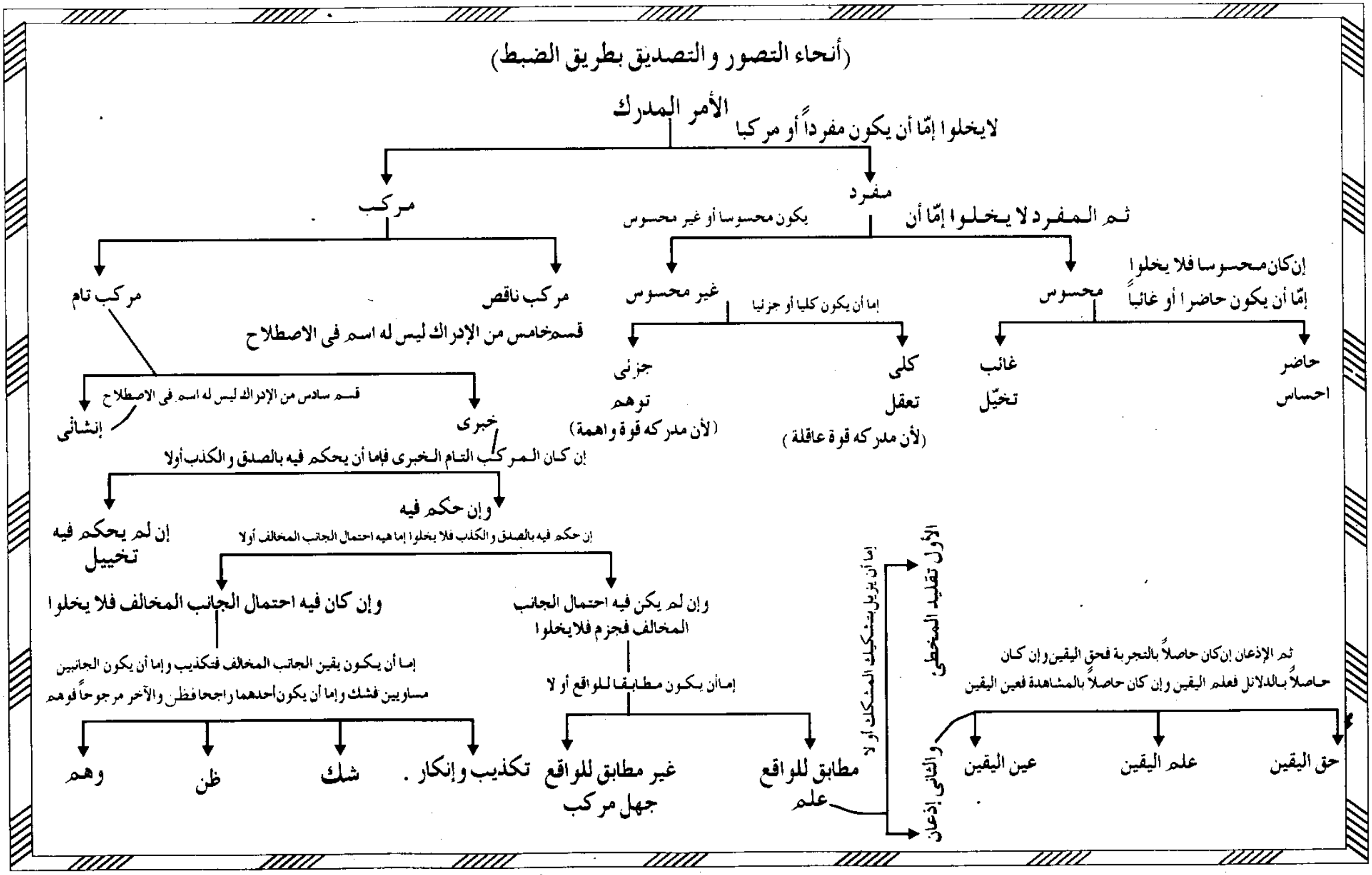
الثلاثة جزء التّصديق .

٣- عند الحكماء الحكم عين التّصديق ، وعند الزمخشرى شرط التّصديق .



السؤال : حـرّروا معانى الحكم أوّلاً ، ثمّ عيّنوا المعنى المرادمنها فى هذا الفن ثانياً ، وعليكم بذكر أنْحاءِ التّصور والتّصديق بطريق الضّبط والإيجاز ثالثاً ؟

الجواب : اعـلم :أنّ الحكم بحسب اصطلاح أهل الميزان يُطلق على معان أربعة بالشُّيُوع : الأوّل : ما هو جزء أخير للقضيّة وهو النّسبة التّامة الخبريّة الإيجابيّة فى الموجبة ، والسّلبِيّة فى السّالبة . الثّانى : المحمول (أى المحكوم به) فى الموجبة ، أو السّالبة ، والثّالث : نفس القضيّة من حيث أنها مشتملة على النّسبة التّامة الخبرية الإ يجابية أوالسّلبية التى هى ربط أحد المَعنيَين (أى المحمول)بالآخر ، (أى الموضوع) ، أو سلب الربط . والرّابع : إدراك وقـوع الـنّسبة أوّلا وقوعها ، أى الإدراك الإذعانى بأنّ النّسبة واقعة أو ليست بواقعة ، وهذا الإدراك الإذعانى هـو التّصـديـق الـمنطقي على مذهب بعض الحكماء واختاره المصنفؒ . وأمّا الحكم بمعنى الانتساب(أى إيقاع الـنّسبة الـخبـرية فى القلب)، وتسميتها بحسب الباطن الذى هو من أفعال النّفس فهو التّصديق الشرعى لاالمنطقى لاشـطـرا،ولاعيـنا،ولاشرطاً،ومايُفهم من عبارات البعض أنّ الحكم بمعنى الانتساب فهو شرط للتّصديق المنطقى فليس كما ينبغي .


(أنحاء التصور و التصديق بطريق الضبط)
الأمر المدرك
لايخلوا إمّا أن يكون مفرداً أو مركبا
مفرد
مركب
ثم المفرد لا يخلوا إمّا أن
يكون محسوسا أو غير محسوس
محسوس
غير محسوس
إن كان محسوسا فلا يخلوا
إمّا أن يكون حاضرا أو غائباً
حاضر
احساس
غائب
تخيّل
إما أن يكون كليا أو جزئيا
كلى
تعقل
(لأن مدركه قوة عاقلة)
جزئى
توهم
(لأن مدركه قوة واهمة)
مركب ناقص
قسم خامس من الإدراك ليس له اسم فى الاصطلاح
مركب تام
قسم سادس من الإدراك ليس له اسم فى الاصطلاح
خبرى
إنشائى
إن كان المركب التام الخبرى فإما أن يحكم فيه بالصدق و الكذب أولا
وإن حكم فيه
إن لم يحكم فيه
تخييل
إن حكم فيه بالصدق و الكذب فلا يخلوا إما هيه احتمال الجانب المخالف أولا
وإن لم يكن فيه احتمال الجانب
المخالف فجزم فلايخلوا
وإن كان فيه احتمال الجانب المخالف فلا يخلوا
إما أن يكون يقين الجانب المخالف فتكذيب و إما أن يكون الجانبين
مساويين فشك وإما أن يكون أحدهما راجحا فظن والآخر مرجوحاً فوهم
تكذيب وإنكار .
شك
ظن
وهم
إما أن يكون مطابقا للواقع أو لا
مطابق للواقع
علم
غير مطابق للواقع
جهل مركب
إما أن يزيل بتشكيك المشكك أو لا
الأول تقليد المخطئ
والثانى إذعان
ثم الإذعان إن كان حاصلاً بالتجربة فحق اليقين وإن كان
حاصلاً بالدلائل فعلم اليقين وإن كان حاصلاً بالمشاهدة فعين اليقين
حق اليقين
علم اليقين
عين اليقين

السؤال : حرروا وجه عدول صاحب الرسالة الشمسية عن التقسيم المشهور فيما بين القوم ، وهو أنّ العلم إمّا تصور ، وإمّا تصديق إلى التقسيم الغير المشهور ، وهو أنّ العلم إمّا تصور سَاذِجٌ وإمّا تصديق؟

الجواب : اعلم: أنّ سبب العدول عن التقسيم المشهور ورودالاعتراض على التقسيم المشهور من وجهين :

الأوّل : أنّ التقسيم فاسد ؛ لأنّ أحد الأمرين لازم ، وهو أنْ يكون قسم الشىء قَسِيماً له ، أو يكون قسيم الشىء قِسْماً منه ، وهما باطلان ، وذلك ؛لأنّ التّصديق إنْ كان عبارة عن التّصور مع الحكم ، والتّصور مع الحكم قسم من التّصور فى الواقع ، وقد جعل فى التّقسيم المشهور قسيماً له ، فيكون قسمُ الشىء قسيما له ، وهو الأمر الأوّل ، وإنْ كان عبارة عن الحكم ، والحكم قسيمٌ للتّصور ، وقد جُعل فى التّقسيم قسما من العلم الذى هو نفس التّصور ، فيكون قسيمُ الشىء قسماً منه ، وهو الأمر الثّانى ، وهذا الاعتراض إنّما يرد إذا قُسِّمَ العلمُ إلى مطلق التّصور والتّصديق كما هو المشهور ، وأمّا إذا قُسِّمَ العلمُ إلى التّصور السّاذج ، وإلى التّصديق كما فعله بعضُ المصنّفين فلا يتوجّه الاعتراضُ أصلاً .

☆ وجه عدم وُرود الاعتراض على تقسيم بعض المصنفينّ ☆

اعلم :أنّ صاحب السلم والرسالة الشّمسية قسم العلم هكذا ، العلم على قسمين: تصور فقط وتصديق .

فإنْ قلت : يلزَم على هذا التّقسيم أيضاً ما يلزَم على المشهورين ؛ لأنّ التّصديق فى التّقسيم المذكور قسم من العلم ، وقسيمٌ للتّصور الساذج ، فإنْ كان التّصديق ههنا عبارة عن التّصور مع الحكم فيكون قسم الشىء قسيماً له ، وان كان عبارة عن الحكم فيكون قسيمُ الشىء قسماً منه .

قلنا فى الجواب : إنّا نختار الشّقّ الأوّل ، وهو أنّ التّصديق ههنا عبارة عن التّصور مع الحكم .

فإنْ قلت : التّصور مع الحكم قسم من التّصور فيلزَم أنْ يكون قسم الشىء قسيما له .

قلنا : إنْ أردْتَ أنّ التّصورمع الحكم قسم من التّصور السّاذج المقابل للتّصديق فظاهر أنّه ليس كذلك، وإنْ أردتَ أنّه قسم من مطلق التّصور فمُسلّم لكن قسيم التّصديق ليس مطلق التّصور بل التّصور الساذج ، فلا يلزَم أنْ يكون قسم الشىء قسيما له .

الوجه الثّانى للعدول عن التّقسيم المشهور : أنّ المراد بالتّصور إمّا الحضور الذهنى مطلقا ، أو المقيّد بعدم الحكم فإنْ عنى به الحضورَ الذهنى مطلقاً ، لزِمَ انقسامُ الشىء إلى نفسه وإلى غيره ؛ لأنّ الحضورَ الذهنى مطلقا نفس العلم ، وإنْ عَنى به المقيّد بعدم الحكم امتنع اعتبارُ التّصور فى التّصديق ؛ لأنّ عدمَ الحكم حينئذ يكونُ معتبراً ، فلو كان التّصور معتبراً فى التّصديق لكان عدم الحكم معتبراً فيه أيضاً، والحكم معتبرٌ فيه، فلزِمَ اعتبارُ

الحكم وعدمه في التصديق ، وإنّه محال! جوابه: أنّ التصور يُطلق بالاشتراك على ما اعتبر فيه عدمُ الحكم ، وهو التصور الساذج ، وعلى الحضور الذهني مطلقاً كما وقع التنبيه عليه ، والمعتبر فى التصديق ليس هو الأوّل بل الثانى ، والحاصل أنّ الحضور الذهنى مطلقاً هو العلم، والتصور إمّا أنْ يُعتبر بشرط شيء (أى الحكم) ، ويقال له التّصديق ، أو بشرط لا شيء (أى عدم الحكم)، ويقال له التّصورالسّاذج ، أولا بشرط شيء وهو مطلق التّصور ،فالمقابل للتّصديق هو التّصور بشرط لاشيء ،والمعتبرُ فى التّصديق شرطاً أو شطراً هو التّصور لا بشرط شيء فلا إشكال.

السؤال: حرّروا المقدّمة الثّانية من مُقدمات إثبات الحاجة إلى المنطق؟

الجواب : (اعلم) أنّ المناطقة بعد تقسيم العلم إلى التّصور السّاذج والتّصديق يُقسّمون كلّ واحد منهما إلى البديهي والنّظرى حيث يقولون :ليس الكلّ من كلٍّ منهمابديهياً وإلّا لَمَا احْتجْنا فى تحصيل شيء من الأشياء إلى كسب و نظر . ولا نظرياً وإلّا لدار أو تسلسل .تفصيل المقام بحيث ينكشف به المرام.

(اعلم) أنّ الاحتمالات العقلية ههنا تسعة : الأوّل :أنْ يكون جميعُ التّصورات والتّصديقات بديهيا. والثّاني : أنْ يكون نظريا .والثّالث: أنْ يكون التّصورات كلّها بديهية،والتّصديقات بعضها نظرية وبعضها بديهية .والرّابع : أنْ يكون جميع التّصديقات بديهية ،والتّصورات بعضها بديهية وبعضها نظرية. والخامس :أنْ يكون التّصورات بأسرها نظرية .والسّادس :أنْ يكون التّصديقات بأسرها نظرية ،والتّصورات بعضها بديهية وبعضها نظرية .والسّابع :أنْ يكون التّصورات بأسرها نظرية ،والتّصديقات بتمامها بديهية. والتّاسع :أنْ يكون البعض من كلّ منهما بديهيا، والبعض الآخر نظريا.

☆ الاحتمالات المذهوبة إليها ☆

ذهب إلى الأوّل طائفة من الأشاعرة ،وإلى الثّاني جحم ابن صفوان التّرمذى ،وإلى الثّالث الإمام فخر الدين الرّازى،وإلى الرّابع الحكماء المتقدّمون ،وإلى التّاسع المتأخّرون من الحكماء والمحقّقون من المتكلّمين .ولم يَشتَهِر الذّاهب إلى الاحتمالات الباقية.

وعلى كلّ حال فالمتأخّرون ذهبو إلى أنْ يكون بعضُ التّصورات والتّصديقات بديهياً وبعضها نظرياً.

السؤال : فإنْ قيل لِمَ لاّ يجوز أنْ يكون جميعُ التّصورات والتّصديقات بديهياً ؟

الجواب: لو كان كلّ واحد من التّصورات والتّصديقات بديهياً لَمَا احتجنا فى تحصيل شيء من الأشياء إلى كسب ونظر وهذا(أى عدم الاحتياج) فاسدٌ ضرورة احتياجنا فى تحصيل بعض التّصورات أو التّصديقات إلى الفكر والنّظر .

السوال : لِمَ لا يجوز أنْ يكون جميعُ التّصورات والتّصديقات نظرياً ؟

الجواب: لو كان جميعُ التّصورات والتّصديقات نظريا يلزَم الدّور أو التّسلسل،وكلاهما باطلان،والمستلزم للباطل باطل فكون جميعهما نظريا باطلٌ.

السوال: حرّروا تعريف الدّور،وأقسامه،ودليل بطلانه؟

الجواب: الدّور:هو توقّف الشيء على ما يتوقّف على ذلك الشيء من جِهَة واحدة. فإنْ كان بِدَرجة واحدة بأنْ توقّف "ا" على "ب" ،و"ب" على "ا" فَدورٌ مُصرّح،وإنْ كان بدرجتين بأنْ توقّف "ا" على" ب" و"ب" على "ج" و"ج" على" ا " ، أو بدرجات فدَور مُضمر.

دليل بُطلان الدّور:اعلم أنّ الدّور إذا كان بدرجة واحدة لزِمَ تقدّم الشيء على نفسه بمرتَبتين ؛فإنّ "ا" سَبقَ على سَابقه،ولو كانَ "ا" في مرتبة سابقة لتقدّم على نفسه بمرتبةواحدة ، وإذا سبقَ على سابقه تقدّم على نفسه بمرتبتين. وتقدّم الشّيء على نفسه بمرتبة واحدة ليس بجائز فما ظنّك إذا تقدّم الشّيء على نفسه بمرتبتين.

(فائدة) إذا كان الدّور بدرجة واحدة يلزَم تقدّم الشّيء على نفسه بمرتبتين ، وإذا كان بدرجتين يلزَم تقدّم الشّيء على نفسه بثلاث مراتب وهلمّ جرّا . ولذا قال صاحب السّلم : "يلزَم تقدّم الشّيء على نفسه بمرتبتين بل بمراتب غَير متناهية ؛ فإنّ الدّور مستلزم للتّسلسل "والتّفصيل لا يَخلو عن التحصيل لكن يُفضى إلى التطويل .

السوال: حرّروا معنى التّسلسل ، ودليلَ بطلانه؟

الجواب : التّسلسل : هو استحضار أمور غير مُتناهية ، والمشهور ههنا لإبطاله أنّه لو حصل علم بطريق التّسلسل ، لزِمَ استحضارُ أمور غير متناهية وهو محال ؛ لأنّ هذا الاستحضار يستدعى أزْمنة غير متناهية ، وزمان الكسب متناهٍ ، وقالوا : هذا موقوف على حدوث النّفس إذ لو كانت قديمة يُمكن لها تحصيل أمور غير متناهية؛ لوجودها فى أزمنة غير متناهية ، ولك أن تقول بعدم توقّفه على حدوثها، بل إذا كانت قديمة لا يُمكن لها أيضاً تحصيل أمور غير متناهية ؛ لأنّ زمانَ إدراكها حادثة ومتناهية، وعلى كلّ حال سواء كانت النّفس حادثة أو قديمة ، يكون زمانُ ادراكها متناهية . فلا يمكن لها تحصيل أمورٍ غير متناهية.

(فائدة)لإبطال التّسلسل دلائل متعددة أسْهلها برهانُ التّضعيف ، وهو مبنى على عِدّة مقدّمات : الأولى : أنّ كلّ شيء إذا خَرَج من القوّة إلى الفعل فهو معروضُ العدد . الثّانية : أنّ كلّ عدد يُمكن تضعيفه ؛ لأنّه عبارة عن ضَمّ المِثْل إلى المِثْل . الثّالثة : أنّ عددَ التّضعيف أزيدُ من عددالأصل ؛ الرّابعة : أنّ زيادة الزّائد بعد انْصِرَامِ أحاد المزيد عليه.الخامسة : أنّ تَناهِيَ العدد يستلزم تناهيَ المعدود . وعلى كلّ حال لو وُجدتْ أمور غير متناهية عَرَضها العدد بحكم الأولى ، وأمكنَ تضعيفُها بحكم الثّانية ، وزاد عدد التضعيف على الأصل بحكم الثّالثة ،

وكانَ زيادته على عددها بعد انصرام أحاد عددها بحكم الرّابعة ، ويستلزم تناهى عددها تناهيها بحكم الخامسة،فيلزَم تناهيها مع فرضها غير متناهية.

خلاصة المقام : ثبت أنْ ليس الكلّ من كلّ منهما بديهيا وإلّا لَمَا احتجنا فى تحصيل شىء من الأشياء إلى كسب ونظر ، ولا نظرياً وإلّا لدار أو تَسَلْسَل . بل البعضُ من كلّ منهما بديهي : والبعض الآخر نظرى يحصُل منه بالفكر .

السوال : حرّروا تعريفَ البديهى والنّظرى؟

الجواب : البديهى من التّصور والتّصديق ما لا يكون متوقّفاً على النّظر ، والنّظرى ما يكون متوقّفا على النّظر .

فإنْ قيل : لا نسلّم أنّ النّظرى ما يتوقّف على النّظر ؛ لأنّ النّظريّاتِ كلّها تحصُل لصاحب القوّة القُدسيّة بلا نظر بل بالحدس .

نقول : أوّلا : إنّ هذا التّعريف بالنّظر لفاقد القوّة القدسية ، لا بالنّظر لواجد القوّة القدسية . وثانياً : إنّ البداهة والنّظرية من صفات العلم ، وعلم صاحب القوّة القدسية مُغائر بالشّخص لعلم فاقِدها ، فيجوز أنْ يتوقّف علمُ أحدهما على النّظر . ولا يتوقّف علم الآخر . وثالثا : إنّ التوقّف ههنا بمعنى إنْ وجد فوجد ، لا بمعنى لولاه لامتنع ، ولا شكّ أنّه لو وجد النّظر لصاحب القوّة القدسية وجد النّظرى ، أى يحصُل النّظرى ، وإنْ أمكن حصول النّظرى له بدون النّظر . ورابعا : إنّ المُرَاد بالتوقّف فى تعريف النّظرى مطلقُ التوقّف بمعنى مطلق الشىء ، لا التوقّف المطلق بمعنى الشىء المطلق ، ومطلقُ الشىء يجرى عليه حكم بعض الأفراد ، فيكون المعنى أنّ النّظرى ما يكون مطلق حصوله موقوفا على النّظر ، ولا شَكَّ أنّ النّظرى مطلق حصوله باعتبار فاقد القُوّة القدسيّة موقوف على النّظر ، والمراد بالتّوقّف فى تعريف البديهى التوقّف المطلق ، أى الشىء المطلق ، فالبديهى ما لا يتوقّف كلّ فرد فرد منه على النّظر .

(اعلم) أنك أيها القارى سَمِعْتَ بعضَ الاصطلاحات فى الدّرس السابق لا بُدّ لنا أنْ نُوضِحها على نَهْج السّوال والجواب فاستمع.

السوال : ما معنى الواجد للقوّة القدسية وفاقدها؟

الجواب : (اعلم)أنّ للنّفس مراتبَ أربع : الأولى : أنْ تكون مستعدةً محضةً خالية عن جميع العلوم التّصورية والتّصديقية :، كما يكون فى مَبْدأ الفِطرة وتُسمّى تلك المرتبة عقلاً هيولا نياً تشبيهاً لها بالهيولى الأولى الخالية بالنّظر إلى ذاتها عن الصّور كلّها .

والثّانية : حصولُ الأوّليات باستعمال الآلات (كالحواس الخمس وغيرها) ففى تلك المرتبة تكون أكمل استعدادا من المرتبة الأولى ؛ لحصول البديهيات لها بالفعل ، ويحصُل لها ملكةُ الانتقال إلى النّظريات وتُسمّى هذه المرتبة عقلاً بالملكة .

والثّالثة : صيرورةُ النّظريات مخزونة عندها بحيث تتمكّن من الاستحضار متى تشاء، وتسمى هذه المرتبة عقلاً مُستفاداً، وهو الكمالُ الأتمّ والفيضُ الأهمّ . ومن حصَل له هذه المرتبة يقال له الواجد للقوّة القدسية ، ولغيره الفَاقد للقوّة القدسية .

والرّابعة : حضور صور المعقولات عند النّفس ويُسمّى العقل المستفاد وهو كمال العلم ،وهل يحصُل هذه المرتبة بالنّسبة إلى جميع المعقولات فى دار الدّنيا ، قيل : لا ، والصّحيح أنّه لا يُبعد فى الأنبياء.

السؤال: حرّروا تعريف مطلق الشّيء والشّيء المطلق والفرق بينهما ؟

الجواب: الكلى إذا أخذ من حيث أنّه عام في الأفراد يقال له الشيء المطلق كالإنسان إذا أخذ من حيث أنّه عام شامل لجميع الأفراد ، وإذا أخذ الكلى من حيث هوهو ولا يعتبر معه جهة لا جهة الخصوص ولا جهة العموم يقال له مطلق الشيء والفرق المشهورأنّ الشّيء المطلق– بالتّركيب التوصيفى– يتحقّق بتحقّق فرد وينتفى بانتفاء جميع الأفراد ، ومطلق الشيء –بالتركيب الإضافى – يتحقق بتحقق فرد وينتفى بانتفاء فرد . أقول: هذا الفرق ليس بصحيح؛ لأنّهم يقولون إنّ الشّيء المطلق لا يجرى فيه أحكام الخصوص. وإذَا قلت إنّه يتحقّق بتحقّق فرد، فقد أجريت عليه حكمَ الفرد؛ لأنّ تحقّق الفرد من أحكام الفرد. وأيضا أنّه لو تحقّق بتحقّق الفرد فينبغى أن ينتفى بانتفاء ذلك الفردّ؛ لأن التابع ينتفى بانتفاء المتبوع. فالصواب ما قاله بحر العلوم: إنّ الشّيء المطلق يتحقّق بتحقّق جميع الأفراد وينتفى بانتفاء جميعها. ومطلق الشّيء يتحقّق بتحقّق فرد ما وينتفى بانتفاء فرد ما (تشكّر وتدبّر).

السؤال: حرّروا اختلاف العلماء فى أنّ البداهة والنّظرية هل هما صفتان للعلم بالذّات، أو للمعلوم بالذّات، أ ولكليهما بالذّات؟

الجواب: ذهبَ المحقّقون ومنهم المصنّف رحمه اللّه إلى أنّ المُتّصف بهما أوّلاً وبالذّات هو العلم؛ لأنّ المقصودَ بالنّظر هو العلم بالأشياء وانكشافها لا وجود المعلومات .

وذهبَ السيّد الزّاهد وأتباعه إلى أنّ المتّصف بهما أوّلاً وبالذّات هو المعلوم؛ لأنّ النّظرى هو ما يتوقّف على النّظر، والموقوف على النّظر ليس إلاّ المعلوم، فالنّظرية صفة المعلوم، والبداهة مقابل لها بالتّضاد، أو عدم الملكة فيكون هو أيضاً صفة المعلوم .

وذهب أفضل الشّراح إلى أنّ العلم والمعلوم كليهما مُتّصفان بالذّات.

السؤال: حرّروا اختلاف المناطقة في تعريف النّظر والفكر؟

الجواب: (اعلم)أنّ المطلوب لا بُدّ وأنْ يكون معلوما للطّالب بوجه ما؛ لامتناع التّوجّه نحو المجهول المُطلق، فإذا حاولنا تحصيل مجهول فلا بدّ من التّوجه إلى مبادِيه، فقد يتحقّق أنّه مُستدْرِج إلى مباديه، وقد يتّفق أنْ يحصُل له المبادى دفعة، ثمّ بعد حصول المبادى تدريجا أو دفعة قد يتّفق أنّه ينتقل إلى المطلوب تدريجا وقد ينتقل إليه دفعة، الحاصل: أنّه قد يكون الانتقالان، أعنى الانتقال من المطلوب وعكسه تدرِيجيين، وقد يكونَان دفعيين، وقد يكونُ الأوّل دفعيّا والثّانى تدريجيّا، وقد يكون بالعكس، وهم يُسمّون الانتقال الأوّل إذا كان تدريجيّا بالحركة الأولى، والثّانى إذا كان تدريجيا بالحركة الثّانية. فالقدماء يُسمّون مجموع الحركتين التّدريجيّتين بالنّظر والفكر، والمتأخِرون يُسمّون الترتيبَ اللّازم للحركة الثانية بالنّظر والفكر.

توضيح المقام في ضِمن المثال: مثلا أردنا معلوميّة الإنسان فينتقل الذهن منه إلى مباديه (أى الحيوان والناطق)، فإنْ كان ذلك الانتقال بحيث يحتاج فيه إلى مُلاحظة المعقولات، بأنْ يُتأمل فى الصُّور المَخْزُونة، فيُوجد صورا غير مطابقة مع الإنسان كالنّاهق، ثمّ يُوجد صورا مطابقة معه كالحيوان والنّاطق، فهذا هوالحركة الأولى، وإن كان ذلك الانتقال بحيث لا يحتاج فيه إلى ملاحظة المعقولات بأن يجدها بدون تأمّل فهو الانتقال الدّفعى . ثمّ بعد معرفة المبَادى إنْ كانت غير مرتّبة فرتّبها الذهنُ وانتقل تدريجا إلى المطلوب، فهو الحركة الثّانية، وان وجدها الذّهن مرتّبة فهو الانتقال الثّانى الدّفعى. فههنا احتمالات أربعة: الأوّل: الانتقالين الدفعيين. والثّانى :الحركتين التدريجيتين. والثّالث: الانتقال الأوّل الدّفعى، والحركةُ الثّانية التدريجية. والرّابع: عكسُه إذا عرفتَ هذا (فاعلم أنّ المتقدّمين ذهبُوا إلى أنّ النّظر والفكر مجموع الحركتين التّدريجيتين، والحدس المقابل للنظر عبارة عن الانتقال الثّانى الدّفعى والمتأخرون ذهبوا إلى أنّ النّظر عبارة عن التّرتيب اللّازم للحركة الثّانية، والحدس عبارة عن الانتقالين الدّفعيين .

السؤال: حرّروا تعريفَ النّظر عند المتأخّرين مع توضيح القيودات؟

الجواب: النّظر عندهم: ترتيب أمور معلومة لتأدّى إلى مجهول.

توضيح القيودات: التّرتيب فى اللّغة: جعل كلّ شىء فى مرتّبة ويكون لبعضها نسبة إلى البعض الآخر بالتّقدم والتّاخر. أمور: المراد بالأمور مافوق الأمر الواحد، وكذلك كلّ جمع يُستعمل فى التّعريفات فى هذا الفن، وإنّما اعتُبرت الأمور؛ لأنّ التّرتيب لا يُمكن إلّا بين شيئين فصاعدا.

معلومة: المراد بالمعلومة الأمور الحاصلة صُورها عند العقل، وهى تتناول التّصورية والتّصديقية من

اليقينيات، والظّنيات، والجهليات؛ فانّ الفكر كما يجرى فى التّصورات يجرى أيضاً فى التّصديقات، وكما يكون فى اليقينى يكون أيضاً فى الظّنى والجهلى. مثال الفكر الواقع فى التّصوّر إذَا حاولنا تحصيل معرفة الإنسان، وقد عرفنا الحيوان والنّاطق، رتبناهما بأنْ قدمنا الحيوان وأخّرنا النّاطق، حتى يتأدى الذهن منه إلى تصور الإنسان. مثال الفكر الواقع فى التّصديق اليقينى: إذا أردنا التّصديق بأنّ العالم حادث، وسّطنا المتغيّر بين طرفى المطلوب، وحكمنا بأنّ العالَم متغيّر وكلّ متغيّر حادثٌ فحصل لنا التّصديق بحدوث العالم. مثال الظّنى: كقولنا: هذا الحائط يَنتشر منه التّراب، وكلّ حائط يَنتشر منه التّراب يَنهدم، فهذا الحائط ينهدم. مثال الجهلى: كما إذا قيل العالَم مُستغن عن المؤثّر، وكلّ مُستغنٍ عن المؤثّر قديمٌ، فالعالم قديمٌ.

لتأدّى إلى مجهول: وإنّما اعْتُبر الجهل فى المطلوب ولم يقل لتأدّى إلى أمر تنبيهاً على أنّه لا بدّ أنْ يكون المطلوب مجهولا من وجه ومعلوما من وجه؛ إذ لو كان معلوما من الوَجه الذى يُطلب لكان تحصيل الحاصل، ولو لم يكن معلوما من وجه لكان طلبا للمجهول المُطلق.

السوال: تعريف الفكر بقوله "ترتيب أمور معلومة" ليس بصحيح؛ لأنّ "المعلومة" مشتق من العلم، والعلم من الألفاظ المشتركة فإنّه كما يُطلق على الحصول العقلى كذلك يُطلق على الاعتقاد الجازم المطابق الثّابت وهوَ أخصّ من الأوّل، واشتراك مبدء الاشتقاق يُوجب اشتراك المشتق منه، فيكون "المعلوم" مشتركا. ومن شرائط التّعريفات التّحرّز عن استعمال الألفاظ المشتركة؟

الجواب: نقول: استعمال الألفاظ المشتركة فى التّعريفات لا يجوز وقت عدم القرينة، وإذا قامت قرينة تدلّ على تعيين الألفاظ من معانيها فيجوز. وهاهنا القرينة دالة على أنّ المراد بالعلم المذكور فى التعريف الحصول العقلى؛ فانّه لم يفسّره فى هذا الكتاب إلاّ به.

السوال: لِمَ لا يجوز أنْ يكون جميع التّصورات نظريّة، والتّصديقات كلّها بديهية أو بعضها بديهية وبعضها نظرية، والتّصورات النّظرية تُعلم من التّصديقات البديهية ؟

الجواب: لا يُعرف التّصور من التّصديق، بأنْ يكون التّصديق معرِّفا (بالكسر) ويكون التّصور معرّفا (بالفتح)؛ لأنّ المعرِّف (بالكسر) محمول. والتّصديق لا يُحمل على التّصور، ولا يقال: التّصور تصديق؛ لأنّهما متباينان.

السوال: لِمَ لا يجوز أنْ يكون جميع التّصديقات نظريّة، والتّصورات كلّها بديهية، أو بعضها بديهية وبعضها نظرية؟

الجواب: لا يُعرف التّصديق من التّصور، بأنْ يكون التّصور معرِّفا (بالكسر) ويكون التّصديق معرّفا

(بالفتح)؛ لأنّ التصوّر متساوى النّسبة إلى وجود التّصديق وعدمه ؛ لأنّ أثر التّصوّر مجرّد تمثّل الشّيء فى الذّهن ؛ لأنّ التّصوّر تصوير بحت للشّيء مع عزل النّظر عن كونه حقاً أو باطلاً أو كونه حاصلاً فى نفس الأمر أو غير حاصل فيها .وكلمّا هو كذلك لا يكون علّةً مرجّحةً لوجوده فلا يكون كاسبا؛ لأنّه علة مرجّحة أيضاً .

وعلى كلّ حال ثبت أنّ بعض التّصورات والتّصديقات نظرى وبعضهما بديهى، والنّظرى يحصُل من البديهى بالفكر، وهو ترتيب أمور معلومة لتأدّى إلى مجهول. وقد يقع الخطاء فى التّرتيب فلا بُدّ من قانون عاصم عن الخطا وهو المنطق، فثبت الاحتياج إلى المنطق.

السوال: لا نسلّم الاحتياج إلى المنطق؛ لجواز أنْ يكون كلّ ترتيب صحيحاً مفيداً للمطلوب، وواقعا على النّظم الطّبعى، فيكفى فطرةُ الإنسان للانتقال منه إلى المطلوب، فلا حاجة حينئذ إلى المنطق؟

الجواب:لا نسلّم أنّ كلّ ترتيب صحيح، إذ لو كان كذلك لم يَقع التّناقض فى آراء العُلماء، والثّانى باطل؛ لأنّه وقع التّناقض فى آرائهم كما هو المُشاهد، بل الإنسان الواحد يُناقض نفسَه بحسب الوقتين.

السوال: لا نُسلّم الاحتياج إلى المنطق، لأنه يجوز أنْ يكون البَسِيْط كاسبا، وحينئذ لا حاجة إلى التّرتيب حتى يقعَ فيه الخطاء، ونَحتاج إلى قانون يُعصمنا عن الخطاء وهو المنطق؟

الجواب: (اعلم) أنّه اختلف فى أنّ البسيطَ هل يكون كاسبا أولا، فذهب البعض إلى أنّه كاسب، وذهب البعض إلى خِلافه، ومنهم صاحب سلّم العلوم وغيرُه من المحقّقين.

وَأُورِد عليهم بأنّه يخرُج التّعريف بالمفرد، كالفصل وحده، والخاصّة وحدها مع أنّه لا خلاف فى إمكان إفادة التّصور بالمعانى المفردة.

فأجيب عنه بوجوه: أمّا الأوّل فبأنّ البسيط لا يكون كاسبا بحيث يفيدانضباط التّعريف كانضباط التّعريف بالمركّب، فإنّ المعانى المفردة لا ينضبط لها ذلك الانضباط، ولعدم الانضباط فى التّعريف بالمفرد، قال الشيخ: إنّ التّعريف بالمفرد قليل ناقص فى الاستعمال، والنّادر فى حُكم المعدوم، والنّاقص لا يُلتفت إليه. والمراد هاهنا بالانضباط التحصيل بعد الإبهام كما يكون فى التعريف بالمركّب من الجنس والفصل مثلاً، وليس المرادُ بالانضباط إحاطة أفراد المعرّف حتى يرد أنّ عدم تحقّقه فى التّعريف بالمُفرد ممنوع، لأنّه يكون بالفصل وحده، وبالخاصة وحدها، وكلّ منهما يُحيط لأفراد معرّفه(بالفتح) .

وأمّا الثّانى: فمبناه على الفرق بين الكاسب والمعرّف، يعنى أنّ المصنّف حكمَ بعدم وُقوع البسيط كاسبا لا بعدم وُقوعه مُعرّفا (بالكسر) فالبسيط وإنْ صحّ وقوعُه معرّفا (بالكسر) لكن لا يصحّ كونه كاسبا، لأنَّ الكسب فعلٌ يحصُل بالمشقّة بخلاف التّعريف لأنه أعمّ من أنْ يحصُل بالمشقّة أولا ، وعلى كلّ حال الكاسب أخصّ

والمعرف أعمّ؛ ونفى الأخصّ لا يستلزم نفى الأعمّ.

حاصل المقام: أنّ بعض التّصورات والتّصديقات بديهى، والبعض الآخر نظرى، يحصل من البديهى بالفكر، وهو ترتيب أمور معلومة لتأدّى إلى مجهول، وذلك التّرتيب ليس بصواب دائماً؛ لمُناقضة بعض العقلاء بعضاً فى مقتضى أفكارِهم بل الإنسانُ الواحد يُناقض نفسه فى وقتين، فمسّتِ الحاجةُ إلى قانون عاصم عن الخطأ فيه، أى يحفظ ذلك القانون الذّهن عن الخطاء فى التّرتيب إذا رُوعِىَ، وهو المنطق فعُلِمَ تعريف المنطق بأنّه آلة قانونيّة تعصم مراعاتها الذّهن عن الخطاء فى الفكر، وعُلِمَ أيضاً غايته وغرضه، بأنّه صيانة الذّهن عن الخطاء فى الفكر. وبقى موضوعه وسنبيّنه إنْ شاءَ اللّه تعالى.

السوال: حرّروا فوائد قيودات تعريفِ المنطق؟

الجواب: آلة: الآلة: هى الواسطة بين الفاعل ومُنفعله فى وُصول أثرِه إليه كالمنشار للنّجار، فإنّه واسطة بينَه وبين الخشبِ فى وصول أثره إليه.

قانونية: القانون: لفظ سريانى اسم لمِسْطر الكتاب، وفى الاصطلاح عبارة عن أمر كلى ينطبق على جميع جُزئياته؛ ليتعرّف أحكامها منه، كقول النّحاة: الفاعل مرفوع فإنّه أمر كلى منطبق على جميع جزئياته، يتعرّف أحكام جزئياته منه.

طريق معرفة الجزئيات من القانون: أنْ تجعل الجزئى موضوعا، وتجعل موضوعَ القانون الكلى محمولًا عليه، فيحصُل صغرى القياس، ثمّ تَجعل القانون الكلى كُبراه، فيُعلمهمنه حكم الجزئى. مثلاً: الفاعل مرفوع قانون نحوى، نَعلم منه حكم زيد فى ضرب زيد، فنجعل زيدا موضوعا، وموضوع القانون (وهو فاعل) محمولا عليه ونقول: زيد فاعل ونَجعل القانون الكلى كُبراه هكذا زيد فاعلٌ، وكلّ فاعل مرفوع، ينتج زيد مرفوع.

تعصم مُراعاتها: المشهور عند الجمهور أنّ العاصِم عن الخطأ فى الفكر، إنّما هو مُراعاة المنطق لا نفسه، وإلاّ لم يعرض للعالم بالمنطق خطأ وليس كذلك. والحقّ أنّ العاصمَ نفسُ المنطق، والمُراعاة شرطٌ له.

السوال: إنْ قيل لا نُسلّم الاحتياج إلى تعلّم المنطق؛ لأنّه بديهى، إذ لو كان كسبيا فاحتيج فى تحصيله إلى قانون آخر، وذلك القانون أيضاً نظرى فيحتاج إلى قانون آخر وهكذا، فإمّا أنْ يدور الاكتساب، أو يتسلسل وهما مَحالان؟

الجواب: ليس المنطق بجميع أجزائه بديهيّاً حتى استغنى عن تَعلّمه، ولا كسبيًّا حتى لزِمَ الدّور أوالتّسلسل، بل بعض أجزائه بديهى، كالشّكل الأوّل، والبعضُ الآخر كسبى كباقى الأشكال، والبعض الكسبى إنّما يُستفاد من البعض البديهى فلا يلزَم الدّور ولا التّسلسل.

وأيضاً نقول فى الجواب: إنّ المعترض أقام الدّليل على عدم الاحتياج إلى تعلّم المنطق، ونحن أثبتنا سابقا الاحتياج إلى نفس المنطق فما نفاه المعترضُ غير ما أثبتناه فلا يضُرّنا؛ لأنّه يجوز أنْ لَا يحتاج إلى تعلّم المنطق؛ لكونه ضَروريًا بجيمع أجزائه، أو لكونه معلوماً بشيء آخر، وتكون الحاجة ماسة إلى نفسه فى تحصيل العُلوم النّظرية.

(اعلم) أنّك علمت إلى هاهنا أمرين من أمور المقدمة، رسم العلم وبيان الحاجة إليه، وبقى الثّالث وهو موضوع المنطق، فاستمع إلى أبحاث مطلق الموضوع وموضوع المنطق مفصّلا.

السوال: حرّروا تعريفَ مُطلقِ الموضوع؟

الجواب: موضوع كلّ علم ما يُبحث فى ذلك العلم عن عوارضه الذّاتية، كبدن الإنسان لعلم الطب؛ فإنّه يُبحث فيه عن أحوالِه من حيث الصّحة والمرَض، وكالكلمة والكلام لعلم النّحو؛ فإنّه يُبحث فيه عن أحوالهما من حيث الإعراب والبناء.

السوال: حرّروا العوارض الذّاتية، والغَريبة مفصّلاً؟

الجواب: (اعلم) أنّ العوارض ستّ ؛ لأنّ ما يَعرِض الشيء إمّا أنْ يكون عروضه لذاته، أولِجُزئه، أو لأمر خارج عنه، والأمر الخارج عن المعروض إمّا مساوٍ له، أو أعمّ منه، أو أخصّ منه، أو مبائن له، فالثّلاثة الأوّل: وهى العارض لذات المعروض، كالتّعجب اللّاحق لذات الإنسان، والعارض لجزئه، كالحركة بالإرادة اللّاحقة للإنسان بواسطة أنّه حيوان والعارض للمساوى كالضّحك العارض للإنسان بواسطة التعجّب – تُسمّى أعراضا ذاتية؛ لاستنادها إلى ذَات المعروض، أمّا العارض للذّات فظاهر أنّه مستند إلى الذّات، وأمّا العارض للجزء فلأنّ الجزء داخل فى الذّات، والمستند إلى ما هو فى الذّات مستند إلى الذّات فى الجملة، وأمّا العارض للأمر المساوى؛ فلأنّ المساوى يكون مستندا إلى ذات المعروض، والعارض مُستند إلى المساوى، والمستند إلى المستند إلى الشيء مستند إلى ذلك الشيء، فيكون العارض أيضاً مستندا إلى الذّات .

والثّلاثة الأخيرة: وهى العارض لأمر خارج أعمّ من المعروض، كالحركة اللّاحقة للأبيَض بواسطة أنّه جسم، والجسم أعمّ من الأبيض وغيره، والعارض للخارج الأخص، كالضّحك العارض للحيوان بواسطة أنّه إنسان وهو أخصّ من الحيوان، والعارض بسبب المبائن، كالحرارة العارضة للماءِ بسبب النّار، وهى مباينة للماء. تسمّى أعراضاً غريبة لِما فيها من الغرابة بالقياس إلى ذات المعروض.

(اعلم) أنّك سمعت فى التّحقيق السّابق لفظَ الواسطة فلا بُدّ لنا من وضاحتها.

السوال: حرّروا أقسام الواسطة مفصّلاً؟

الجواب: (اعلم) أنّ الواسطة قد تكون واسطة للعلم، أى علّة للتّصديق بثبوت المحمول للموضوع، ويُقال لها الواسطة فى الإثبات، وهذه الواسطة لا تتحقّق فى البديهيات، بل إنّما تتحقّق فى النّظريات الكسبيّة، وقد يُطلق الواسطة على أمر يكون متّصفاً بصفة حقيقة، ويُنسب تلك الصّفة إلى أمر آخر لعلاقة له مع ذلك الأمر، كالسّفينة المتّصفة بالحركة بالذّات، فهى واسطة فى عروض الحركة لجالِسها، فيكون هناك عارض واحِد ثابت للواسطة بالذّات منسوب إلى ذى الواسطة بالعرض، ويُسمّى هذه الواسطة بالواسطة فى العروض. وقد يُطلق الواسطة على ما يكون علة لاتصاف شيء بصفة بأنْ يكون ذلك الشيء متصفاً بتلك الصّفة حقيقة وبالذّات، ويكون تلك الواسطة علّة لاتّصافه بها، ويُسمّى هذه الواسطة بالواسطة فى الثّبوت.

وهى على قسمين: الأوّل ما يكون الواسطة وذوالواسطة كلاهما متّصفين بالذّات بتلك الصّفة، فيكون للصّفة فردان: أحدهما قائمٌ بالواسطة والآخر قائم بذى الواسطة، كاليد فإنّ قيام الحركة بها سبب لقيام الحركة بالمفتاح.

والثّانى: مالايكون الواسطة متّصفة بالصّفة أصلاً، ويكون لها حظّ من العليّة، كالصّباغ الذى هو واسطة فى اتّصاف الثّوب بالصّبغ.

السوال: هل يجوز أنْ يكون الأشياء الكثيرة موضوعاً لعِلم وَاحد أمْ لا؟

الجواب: يجوز لكن لا مطلقاً بل بشرط تناسبها، بأن تكون مشتركة فى ذاتىّ، كالخطّ، والسّطح، والجسم التّعليمى للهندسة، فإنّها تشارك فى جنسها وهو المقدار، أو فى عرضى، كبدن الإنسان، وأجزائه، والأغذية، والأدوية، والأركان، والأمزجة وغير ذلك إذا جعلْتَ موضوعات للطّب، فإنّها تتشارك فى كونها منسوبة إلى الصّحة الّتى هى الغاية القُصوى فى ذلك العِلم. وكالكتاب، والسّنة، والإجماع، والقياس، موضوع لأصول الفقه، وهى مشتركة فى الإيصال إلى حُكم شرعى.

السوال: هل يجوز أنْ يكون الشيء الواحد موضوعا للعلمَين أو للعلوم أمْ لا؟

الجواب: قالوا الشيء الواحد لا يكون موضوعاً للعلمَين. وقال صدرُ الشريعة هذا غير ممتنع، فإنّ الشيء الواحد له أعراض متنوّعة، ففى كلّ علم يُبحث عن بعض منها، ألا ترى أنّهم جعلوا أجسام العالم، وهى البسائط موضوع علم الهيئة من حيث الشّكل، وموضوع علم السّماء والعالم من حيث الطّبيعة. ولَنِعْم ما قال البِهارى: لو لا الاعتبارات والحيثيّات لبطلت الحكمة.

السوال: حرّروا موضوع المنطق، والاختلاف فيه إجمالاً؟

الجواب: (اعلم) أنّهم اختلفوا فى موضوع المنطق، فبعض الأوائل لمّا رأوْا أنّ المنطق، يُقال فيه:

الحيوان جنس ، والنّاطق فصل ، وقولنا العالَم متغيّر ، وكلّ متغير حادث قياس ، والمقدّمة الأولى صغرى ، والثّانية كبرى ، والحيوان النّاطق حد تام إلى غير ذلك ، ففَهِمُوا أنّ هذه الأسامى موضوعة بإزاء الألفاظ فخيّلوا أنّ موضوع المنطق الألفاظ من حيث دلالتها على المعانى ، فهم ضلّوا ضلالاً بيّناً .

وذهب المتأخرون منهم صاحب المطالع والمحقّق التفتازانى إلى أنّ موضوعه المعلوم التّصورى ، والمعلوم التّصديقى من حيث الإيصال ، وإليه ذهب القطب الرّازى ، والبهارىّ حيث قال البهارى : " وموضوعه المعقولاتُ من حيث الإيصال إلى تصور أو تصديق " ولم يقيّد المعقولات بالثّانية .

ثمّ استدلّوا عليه ، بأنّ كثيرا ما يُبحث في الصّناعة ، أى المنطق عن نفس المعقولات الثّانية ، كالذّاتيّة ،والعرضيّة ، أى تجعل المعقولات الثّانية محمولات مسائل المنطق ، فيقال : الجنس ذاتىّ ،والخاصّة عرضية . وقد تقرر فى البرهان أنّ المبحوث عنه فى العلم ، العوارض الذّاتية للموضوع ، والموضوع نفسُه مفروغ عنه فى العلم ، فلو كان موضوع المنطق المعقولات الثانية لم يجز البحث عنها فيه ، والتّالى باطل فالمقدّم مثله .

وأجاب عنه السّيد تحريره ، أنّ للمعقولات الثّانية اعتبارين ، الأوّل اعتبار كونها معقولات ثانية ، فهى بهذا الاعتبار لا يُبحث عنها فى المنطق بل موضوع مفروغ عنه فيه . والثّانى : اعتبار أنّها عارضة لمعقولات ثانية أخر ، وهى بهذا الاعتبار أحوال للمعقولات الثّانية ، وأعراض ذاتيّة لها . فيجوز أنْ يُبحث عنها بهذا الاعتبار .

وذهب جمهور القدماء إلى أنّ موضوع المنطق هو المعقولات الثّانية باعتبار صحّة الإيصال.

السوال: حرّروا تعريفَ المعقول الأوّلى ، والثّانوى؟

الجواب : المعقول هو ما حصَل فى العقل ، ثمّ المعقول على قسمين أوّلىّ وثانوىّ فالأوّلىّ : ما يكون حاصلاً فى العقل أوّلاً ، ويكون مصداقه موجوداً فى الخارج ، كالإنسان ، فإنّه يُتصوّر ويحصُل فى العقل أوّلاً ، وله مصداق فى الخارج ، كزيد وعمرو وبكر .

والثانوىّ : ما يُتصوّر ثانياً وليس له مصداق فى الخارج ، ككليّة الإنسان ، ونوعيّته ، فإنّه يُتصوّر بعد تصوّر الإنسان ، وليس له مصداق فى الخارج . وقيل : المعقول الثّانى هو ما لا يُعقل إلّا عارضاً لمعقول آخر .

السوال : حرّروا بحث الحيثيّة مفصّلاً ؟

الجواب : (اعلم) أنّ الحيثيّة على ثلثة أقسام ؛ لأنّها إمّا لا تكون مُفيدة لمفهوم زائد على الأمر المحيّث ، بل تكون مؤكّدة له ، أو تكون مفيدة له ، الأولى إطلاقيّة ، كقولك : الإنسان من حيث أنّه إنسان ناطق ، وعلى الثّانى إمّا تكون الحيثيّة علّة لِمَا قبلها أولا ، الأولى تعليلية ، كقولك : أكرِم زيداً من حيث أنّه عالم ، فإنّ الحكم بالإكرام هنا ليس إلّا لزيد ، والحيثيّة المذكورة لذكر العِليّة ، أى إنّما أمرتُك بالإكرام ؛ لكونه عالما ، والثانية

تقييدية : وهى الّتى توجب التّكثر والتّعدد ، وتتنوّع على قسمين : فإنّها إنْ كانت معتبرة فى المُعَنْوَن والملحُوظ ، بأنْ كان المحكوم عليه بالحكم المذكور هناك مجموع المحيّث والحيثيّة، فهو النّوع الأوّل ، وتُسمّى بالتّقييدية المُعَنْونيّة ، ومن خواصّها أنّها توجب التّغائر بالذّات ؛ لتغاير المجموع بالمجموع الآخر ، كقولنا : الكلمة من حيث كونها دالة على معنى غير مستقل حرف ، ومن حيث كونهامستقلة ودالة على أحد الأزمنة الثّلاثة فعل ، ومن حيث كونها مستقلة غير دالة على أحد الأزمنة الثّلثة اسم ، فهذه الحيثيّات الثّلث كلّها تقييدية موجبة للتّكثر والتّغاير بالذّات ، فإنّ المحكوم عليه بالحرف ، والفعل ، والاسم ليس نفس الكلمة ، وإلّا يلزَم اتّحادها من حيث الذّات ، بل الكلمة مع حيثيّة من الحيثيّات المذكورة ، أى المجموع فلذلك صوّرت هذه الثّلاثة متغايرة بالذّات .

وأمّا إنْ كانت معتبرة فى العنوان واللّحاظ فقط، بأنْ يكون المحكوم عليه بالحكم هوالمحيّث فقط لا المجموع ، لكن لا من حيْث هوهو ، بل من حيْث كونه محيّثا بهذه الحيثيّة ، فهو النّوع الثّانى ، وتَستحقّ أنْ تُسمّى بالتّقييدية العنوانيّة ، ومن خواصها أنها توجب التّكثر الاعتبارىّ لا الذّاتى ، كقولنا : الماهيّة من حيْث كونها مكْتنِفَة بالعوارض الذّهنية علْم ، ومن حيْث كونها مكتنفة بالعوارض الخارجيّة معلوم بالعرض ، فإنّ هاتين الحيثيّتين معتبرتان فى اللّحاظ فقط دون الملحوظ ، وإلّا يلزَم التّغاير الذّاتى بين أشخاص النّوع .

☆ بحث الدّلالة ☆

السؤال : حرّروا وجه ذكر بحث الدّلالة فى كتب المنطق ، مع أنّ المنطقىّ إنّما يبحث عن المعرِّف والحُجة ، وهما من أقسام المعانى ؛ فإنّ الموصل ليس إلّا المعانى دون الألفاظ ، فإيراد مباحث الألفاظ فى هذا الفنّ لا معنى له ؛ لعدم كونه من وظائفه ؟

الجواب: اعلم : أنّ إيراد هذه المباحث فى هذا الفنّ ليس باعتبار أنّ المنطقىّ يَبحث عنها ، بل لِيُعين على الإفادة والاستفادة ؛ لأنّ إفادة المعانى واستفادتها موقوفة على الألفاظ ، فصارت الألفاظ مقصودةً بالعرض، ثمّ لمّا كان النّظر فى الألفاظ من حيث أنّها دلائل المعنى لا من حيث أنّها موجودة ، أو معدومة ، أو جوهرٌ أو عرض يُقدّمون الكلام فى الدلالة .

السؤال : حرّروا معنى الدّلالة مع تعيين الدّال والمدلول أوّلًا ،ثمّ أوضحوا أقسامها الأوّليّة والثّانويّة ثانياً ، وعليكم بيان الأمثلة مع كلّ قسم ثالثاً ؟

الجواب : الدلالة فى اللّغة : الإرشاد، وفى الاصطلاح كون الشىء بحيث يلزَم من العلم به العلم بشىء آخر ، والشّىء الأوّل هو الدّال، والثّانى هو المدلول .

الأقسام الأوّليّة للدلالة : الدّلالة قسمان : لفظية إنْ كان الدّال فيه اللّفظ ، وغير لفظية إنْ لم يكن الدّال

فيه اللّفظ .

الأقسام الثّانوية للدّلالة مع الأمثلة : ثمّ كلّ من اللّفظية وغير اللّفظية على ثلاثة أقسام : فالدّلالة اللّفظية إمّا بحسب جعل الجاعل ، وهى الوضعيّة ،كدلالة الإنسان على الحيوان النّاطق ،وإمّا بحسب اقتضاء الطّبع ، وهى الطّبعية ،كدلالة أُح أُح على وجع الصّدر ،وإمّا بحسب اقْتضاء العقل ، وهى العقليّة ،كدلالة اللّفظ المسموع من وَراء الجدار على وجود اللّافظ ، اعلم : أنّ الدّال فى هذه الأمثلة لفظ، لأنّ الدّلالة اللّفظيّة ما يكون الدّال فيه لفظا ، وغير اللّفظية مالا يكون الدّال فيه لفظاً ، وهى أيضاً على ثلاثة أقسام : لأنّه إمّا بحسب وضع الواضع ، كدلالة الدّوال الأربعة على مدلولاتها ، وإمّا بحسب اقتضاء الطّبع ، كدلالة صهيل الفرس على طلب الماء والكلاء ، وإمّا بحسب اقتضاء العقل ، كدلالة الدّخان على النّار .

السؤال : حرّروا وجه ذكر البحث عن الدّلالة اللّفظية الوضعيّة ، دون باقى الدّلالات الخمس أوّلاً ، ثمّ أوضحوا أقسام الدّلالة اللّفظية الوضعيّة مع تعريفاتِها ، ووجوهَ تسميتها ثانياً ؟

الجواب : وجه اعتبار الدّلالة اللّفظية دون غيرها من الدّلالات ما ذكره صاحب سلّم العلوم بقوله:" وإذا كان الإنسان مدنى الطّبع كثيرَ الافتقار إلى التّعليم والتّعلم، وكانت اللّفظيةُ الوضعيّة أعمّها وأشمَلها فلها الاعتبار" حاصله :أنّ الإنسان يحتاج فى معيشته إلى التّمدن ، وهو اجتماعه مع بنى نوعِه ليَتعاونُوا ويتشَاركُوا فى تحصيل الغذاء ، واللّباس ، والمَسْكن ، وغيرها ممّا يحتاج إليه فى التّعيّش ، وذلك موقوف على أن يّعرف كلُّ واحد لصاحبه ما فى ضميره والإشارة لا تفِى فى المعقولات الصّرفة ، وفى الكتابة مشقّة ، فعُلِم أنّ أسْهلَ الدّلالات ، وأشْمَلها تعليماً وتعلّماً هى الدّلالة اللّفظية الوضعيّة .

أقسامُ الدّلالة اللّفظية الوضعية : دلالة اللّفظ على تمام ما وُضع له من تلك الحيثيّة مطابقةٌ ، وعلى جزئه تضمّن وعلى الخارج التزامٌ ، وهذا الحصر عقلى وليس فيها احتمال سوَى الثّلاثة ، وذلك ؛ لأنّ اللّفظ إذا كان دَالّاً بحسب الوضع على معنىً و ذلك المعنى الذى هو مدلول اللّفظ إمّا أنْ يكون عينَ المعنى الموضوع له ، أو داخلاً فيه ، أو خارجاً عنه ، فدلالة اللّفظ على معناه بواسطة أنّ اللّفظ موضوع لذلك المعنى مطابقة ، كدلالة الإنسان على الحيوان النّاطق ، فإنّ الإنسان إنّما يدلّ على الحيوان النّاطق لأجل أنّه موضوع للحيوان النّاطق ودلالته على معناه بواسطة أنّ اللّفظ موضوعٌ لمعنى دخل فيه ذلك المعنى المدلول للّفظ تضمّن ، كدلالة الإنسان على الحيوان ، أو النّاطق ، فإنّ الإنسان إنّما يدلّ على الحيْوان أوالنّاطق لأجل أنّه موضوع للحيوان النّاطق ، وهو معنى دخل فيه الحيوان أو النّاطق الذى هو مدلول اللّفظ، ودلالته على معناه بواسطة أنّ اللّفظ موضوع لمعنى خرج عنه ذلك المعنى المدلول التزامٌ، كدلالة الإنسان على قابل العلم وصَنعة الكتابة ؛ فإنّ دلالته عليه بواسطة أنّ اللّفظ

موضوع للحيوان النّاطق ، وقابل العلم ، وصَنعته الكتابة خارج عنه ولازمه.

وجوه الأسامي : ذكر العلّامة قطب الدّين : أمّا تسمية الدّلالة الأولى بالمطابقة ؛ فلأنّ اللّفظ مطابق(أى موافق) لتمام ما وُضع له ، من قولهم: طابق النّعل بالنّعل إذا توافقا ، وأمّا تسمية الدّلالة الثّانية بالتّضمن فلأنّ جزء المعنى الموضوع له داخل فى ضمنه ، فهى دلالة على ما فى ضمن المعنى الموضوع له . وأمّا تسمية الدّلالة الثّالثة بالالتزام فلأنّ اللّفظ لا يدلّ على كلّ أمر خارج عن معناه الموضوع له ، بل على الخارج اللّازم له .

السوال : حرّروا بحث وضع الألفاظ هل هى بإزاء الصّور الذّهنية ، أم بإزاء الأعيان الخارجيّة ؟

الجواب : الاحتمالات ههنا أربعة : الأول القول بوضع الألفاظ للصّور الخارجيّة ولا شكّ أنه باطل فإنّ بعض الألفاظ موضوعة للمعانى الذّهنية التى لا يُمكن وجودها فى الخارج كالألفاظ الموضوعة بإزاء المعانى الانتزاعية كالفوقيّة والتّحتية وغيرها .

والثّانى : القول بوضعها للصّور الذّهنية ، ولا شبهة فى أنّه أيضاً باطل ؛ فإنّ أسمائه تعالى كاسم اللّه موضوعة للهُويّة الخارجيّة الحقيقيّة المنزّهة عن أن يحصُل فى ذهن من أذهان السّافلة أو العالية .

أقول : ويمكن أن يقال لو كانت الألفاظ موضوعة للصّور الذّهنية لكان زيد يشرب ،ويأكل ، وينام قضايا كاذبة أو مهجورة عن الحقائق مع أنّا نعلم صدقها مع قطع النّظر عن القرائن الصّارفة ،وادّعاء القرائن الخفية الصّارفة يغلق أبواب الحقائق مع أنّها مفتوحة .

والثّالث : القول بالتّوزيع يعنى أنّ بعض الألفاظ موضوعة للصّور الذّهنية كما فى المعانى الانتزاعية ،وبعضها للصّور الخارجية كأسماء اللّه تعالى وسائر الجزئيات الخارجية كما ذكرنا ، وبعضها موضوعة للطّبائع من حيث هى سواء كانت فى الذّهن أو فى الخارج كلفظ الإنسان والفرس والبقر والغنم ، وبالجملة يكون كل لفظ بإزاء معنا يوجد فى الذّهن أو فى الخارج وهذا الاحتمال ظاهر بحسب الجلى من النّظر .

الرّابع : هو أن الألفاظ موضوعة بإزاء المعانى من حيث هى ، وهذا هو الاحتمال الرّاجح بحسب الدّقيق من النّظر .

السوال : حرّروا اختلافَ العلماءِ فى واضع الألفاظ إجمالاً ؟

الجواب : قال الإمام الأشعرى وجمع من الفُقهاء : إنّ واضع الألفاظ هو اللّه تعالى .واستدلّوا عليه بقوله تعالى: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ وقال طائفة من المتكلّمين : إنّ الواضع هو النّاس حسب اقتضاء الدّواعى إلى وضع اللّغات بمعانيها، وذهب أبو إسحاق إلى أنّ وضع الأكثر من اللّه تعالى، ووضع بعض الاصطلاحات من النّاس .

السؤال : ما وجه تقييد تعريف المطابقة ، والتّضمن ، والالتزام بقيد توسُّط الوضع ؟

الجواب : حاصل الجواب حسب ما ذكره العلّامة البَلياوي : بيانه : وفي التقييد بهذه الحيثيّة إشارة إلى دفع الإشكال المشهور.

تقريره: أنّ اللّفظ قد يكون موضوعا للكلّ والجزء كالإمكان ، فإنّه موضوع للإمكان العام ، والإمكان الخاص ، ويطلق عليهما ، فإذا أُطلق الإمكان وأُريد به الإمكان العَام مثلاً ، يكون تلك الدّلالة مطابقة ؛ لكونها على ما وُضع له مع أنّه يصدُق عليه أنّه دلالته على جزء المعنى الموضوع له؛لكون الإمكان الخاص موضوعا له ، والإمكان العام جزءه ، فيصدُق التّضمن على المطابقة ، وكذا بالعكس (أي إذا أطلق لفظ الإمكان وأريد به الإمكان الخاص فدلالته على الإمكان العام بالتّضمن مع أنّه يصدق عليه أنّه دلالة على تمام ما وضع له ؛ لأنّ لفظ الإمكان موضوع له فيصدق المطابقة على التّضمن) .

وكذلك قد يكون اللّفظ مشتركا بين الملزوم واللّازم كلفظ الشّمس ، فإنّه مشترك بين الضّوء والجِرم ، فلو أُطلقت الشّمس وأريد بها الضّوء مثلاً ، يكون دلالتها عليه مطابقة ؛ لوضعها له مع أنّه يصدُق عليه أنّه لازم لموضوع له ؛ لكون الجِرم موضوعا له أيضاً ، وهذا لازمه فيصدُق الالتزام على المطابقة ، وكذا بالعكس (أي لو أطلقت الشمس وأريد به الجرم فيكون دلالته على الضوء التزاماً لكونه لازم معناه مع أنّه يصدق عليه أنّه دلالة على تمام ما وضع له ؛ لكونه موضوعاً له فيصدق المطابقة على الالتزام).

فإذا قيدنا التّعريفات بالوضع يعني بحيثيّة الوضع فلا يرد الإشكال ؛ لأنّ الإمكان العام من حيث أنّه موضوع له لا يصدُق عليه بهذه الحيثيّة أنّه جزءٌ للموضوع له ، وكذا الضّوء من هذه الحيثيّة ليس بلازم للموضوع له ، فبالحيثيّة امتازت إحداهما عن الأخرى امتيازاً تاماً (تدبّر في المقام فإنه من مزال الأقدام والأقلام).

فائدة : لـمّا ذكرنا في تعريف الدّلالة الالتزامية أنْ لا يدلّ اللّفظ على الموضوع له ، ولا على جزئه بل على معنى خارج لازم للموضوع له ، فلا بدّلنا أنْ نسئل عن أقسام اللّزوم وتعيين ما هو المراد في هذاالمقام .

السؤال : حرّروا أقسام اللّزوم مع التّعريفات والأمثلة أوّلاً،ثمّ أوضحوا ما هو المراد ههنا ثانياً ؟

الجواب : اعلم :أيّها المتعلّم الفطن أوّلاً أنّ اللّزوم على قسمين : لزوم عرفي ،ولزوم عقلي .

أمّا اللّزوم العقلي : فهو الذي يمتنع تصوّرُ الملزوم بدون تصوّر اللّازم ، وينتقل به الذهن من الملزوم إلى اللّازم كالزّوجيّة للأربعة ؛ فإنّ العقل إذا تصوّر معنى الزّوجيّة والأربعة ، يجد فيهما العلاقة بسببها ينتقل من أحدهما إلى الآخر ، ويجْزم اللّزوم بينهما .

وأمّا اللّزوم العرفي : فهو الذي يمتنع تصوّر المعنى بدونه في مجرى العادة ، أي شاع وذاع في العادة

والعرف تَلاصُقُ شيء بشيء بسببه ينتقل الذهن من أحدهما إلى الآخر كجُود الحاتم مثلاً ، فهذا التّلاصق ليس هو اللزوم العقلى ، لكن لكثرة صُدور الجُود عن المُسمّى بالحاتم صار الجُود فى العرف والعَادة من لوازم مسمّى هذا الاسم بحيث إذا قيل : "فلان حاتم" ينتقل الذّهن إلى أنّه جوّادٌ .

ثمّ اللّازم على قسمين : لازم الماهية ، ولازم الوجود ، فلازم الماهيّة : ما يمتنع انفكاكه عن الماهيّة مطلقاً (أى مع قطع النّظر عن خصوصية أحد الوجودَين من الذّهنى و الخارجىّ) يعنى امتنع انفكاكه عن الماهيّة بحسب كلا وجوديها كالزّوجية للأربعة ؛ فإنّ الأربعة زوج سواء كانت فى الذّهن ،أو فى الخارج.

وأمّا لازم الوجود فما يمتنع انفكاكُه عن الماهيّة بحسب أحد الوجودين فإنْ كان يمتنع انفكاكه عن الماهيّة بحسب الوجود الخارجى فهو لازم الوجود الخارجى كالسّواد للحبشىّ ، فإنّ انفكاك السّواد عن الوجود الخارجى للحبشىّ مستحِيل ، لا عن ماهيته ،لأنّ ماهيته الإنسان ، وظاهر أنّ السّواد ليس بلازم للإنسان ، وإنْ كان يمتنع انفكاكه عن الماهية بحسب الوجود الذّهنى يُسمّى لازم الوجود الذّهنى ، ويُسمّونه أيضاً بالمعقول الثّانوى كالكليّة والجزئيّة ، والجنسيّةوالفصليّة ، فإنّها لازمة للشىء باعتبار وجودها الذّهنى .

ثمّ لازم الماهيّة على قسمين : لازم بيّن ، ولازم غير بيّن ، وكلّ واحد منهما على قسمين: بالمعنى الأعمّ وبالمعنى الأخصّ . فالأقسام الحاصلة أربعة :

اللّازم البيّن بالمعنى الأعمّ : هو الذى يلزَم من تصوّر الملزوم واللّازم الجزم باللّزوم كالزّوجية للأربعة ويقابله" الغير البيّن بالمعنى الأعمّ " وهو الذى لا يلزَم من تصوّر الملزوم واللّازم الجزم باللّزوم كالحدوث للعالم .

اللّازم البيّن بالمعنى الأخصّ : هو الذى يلزَم تصوّر اللّازم من تصوّر الملزوم ، ويقابله" اللّازم الغير البيّن بالمعنى الأخصّ ": وهو الذى لا يلزَم من تصوّر الملزوم تصوّر اللّازم كالكتابةبالقوّةللإنسان .

☆ تعيين ما هو المراد من اللزوم فى تعريف الدلالة الالتزامية ☆

ثمّ اعلم : أنّ المراد ههنا من اللّزوم هو الذّهنى ، وهوكون الخارج بحالةٍ يلزَم من تصوّر المُسمّى فى الذّهن تصوّره ، وليس المراد اللّزوم الخارجىّ ،وهوكون الأمر الخارجىّ بحيث يلزَم من تحقّق المُسمّى فى الخارج تحقّقه فى الخارج .

السؤال : حرّروا وجه اشتراط اللّزوم الذّهنى بين الأمر الخارجىّ ومُسمّى اللّفظ أوّلاً ، وأوضحوا وجه عدم اشتراط اللّزوم الخارجىّ ثانياً ؟

الجواب : لا بُدّ للدّلالة على الخارج من شرط ؛ لأنّ اللّفظ لا يدلّ على كلّ أمر خارج عنه ، والشّرط هو اللّزوم الذّهنى ؛ فإنّه لو لم يتحقّق اللّزوم الذّهنى لامتنع فهم الأمر الخارج من اللّفظ فلم يكن دالاًّ عليه ، وذلك؛

لأنّ دلالة اللّفظ على المعنى بحسب الوضع لأحد الأمرين إمّا لأجل أنّه موضوع بإزائه ، أو لأجل أنّه يلزَم من فهمِ المعنى الموضوع له فهمه ، واللّفظ ليس بموضوع للأمر الخارج فلو لم يكن بحيث يَلزَم من تصوّر المُسمّى تصوّره لم يكن الأمر الثّانی أيضاً متحقّقا فلم يكن اللّفظ دالاّ عليه .

وجه عدم اشتراط اللّزوم الخارجی : حاصل ما قال الشّارح : ولا يشترط فيها اللّزوم الخارجیّ ، وهو كون الأمر الخارجیّ بحيث يَلزَم من تحقّق المُسمّى فی الخارج تحقّقه فی الخارج ؛ لأنّه لو كان اللّزوم الخارجیّ شرطا لم يتحقّق دلالة الالتزام بدونه ، واللّازم باطل فالملزوم مثله ، أمّا وجه الملازمة فلامتناع تحقّق المشروط بدون الشرط وأمّا بطلان اللّازم ؛ فلأنّ العدم كالعمى يدلّ على الملكة كالبصر دلالة التزامية؛ لأنّه عدمُ البَصر عمّا من شانه أنْ يكون بصيراً مع المُعاندة بينهما فی الخارج .

السوال : حرّروا نِسَبَ الدّلالات الثّلث بعضها مع بعض بالاستلزام وعَدَمِه ؟

الجواب : المطابقة لا تستلزم التّضمن والالتزام ، أمّا الأوّل فلِجواز أنْ يكون لِشیء معنى مطابقی بسيط لا جزء له ، كالواجب تعالى ، أو العقول المجرّدة ، فههنا وجد المطابقة بدون التّضمن .

وأمّا الثّانی : فلانّا نتعقّل كثيراً من المعانی مع الغفلة عن غيرها(يعنی يجوز أنْ يكون معنى مطابقياً لالازم لها) فوجد المطابقة بدون الالتزام .

وأمّا التّضمن والالتزامْ فمستلزمان للمطابقة ؛ لأنّهما لا يوجدان إلّا معها ؛ لأنّهما تابعان لها ، والتّابع من حيْث أنّه تابع لا يُوجد بدون المتبوع .

وأمّا التّضمنيّة والالتزاميّة فلا لزوم بينهما ، يعنی أنّ التّضمن ليس بلازم للالتزام ، ولا بالعكس أمّا الأوّل: فلأنّ المعانی البسيطة قد تكون لها لوازم ذهنية ، فهناكَ التزام بدون التّضمن .

وأمّا الثّانی(أی تحقّق التّضمن بدون الالتزام) فلجواز أنْ يكون اللّفظ موضوعا للمعنى المركّب لا لازم لها فهناك تضمّن بدون الالتزام .

فالحاصل : إذا أخذتَ المطابقة فی جانب والتّضمّن والالتزام فی جانب آخر، واعتبرت النّسبة من جانب المطابقة فبينهما نسبة عدم الاستلزام وإذااعتبرت النّسبةمن جانبهما مع المطابقة فبينهما نسبة الاستلزام،وإذا أخذتَ التّضمّن فی طرف، والاستلزام فی طرف آخر فمن كلا الجانبين نسبة عدم الاستلزام ، وإذا أخذت المطابقة والتّضمن فی جانب ، والالتزام فی جانب آخر فمن جانبهما نسبة عدم الاستلزام ، ومن جانبه نسبةُ الاستلزام ، وإذا أخذت المطابقة والالتزام فی جانب ،و التّضمّن فی جانب آخر فمن جانبهما نسبة عدم الاستلزام ومن جانبه نسبة الاستلزام .

فائدة : قد عرفتَ فیما سلف أنّ نظر المناطقة فی الألفاظ من جهة أنّها دلائل طرق الانْتقال فلم یکن لهم بُدّ من البَحث عن الدّلالة اللّفظیة ، ولما کان طریق الانتقال إمّا القول الشّارح ، أو الحجّة ، وهو معنی مرکّب من مفردات أرادوا بعد البحث عن الدّلالات کلّها أنْ یبحثُوا عن الألفاظ الدّالة علی طریق الانتقال حتّی یتبیّن أنّ أیّ مرکّب یدلّ علی القول الشّارح کالمرکّب التّقییدیّ وأیّ مرکّب یدلّ علی القضیّة ، کالخبریّ ، وعن الألفاظ المفردة الدّالة علی أجزاء القول الشّارح والحُجّة فأخذوا فی تقسیم اللّفظ إلی المفرد والمرکّب .

السوال : حرّروأقسام اللّفظ الدّال بالمطابقة مفصّلاً ومُمثّلاً ؟

الجواب : اللّفظ الدّال بالمطابقة إنْ قصد بجزئه الدّلالة علی جزء معناه فهو المرکّب ، کرامی الحِجارة ، وإلّا فهو المفرد ، فعُلِم من هذا أنّ المرکّب لا بُدّ له من أمور أربعة : أنْ یکون للّفظ جزء ، ولمعناه أیضاً جزء، ولجزء اللّفظ دلالة علی جزء معناه ، والدّلالة مقصودة من المتکلّم، فإنْ ارْتفع أمر منها ارتفع التّرکیب ، ویحصُل من رفع کلّ أمر قسم للمفرد .

فللمفرد أربعة أقسام : أحدها : ما لا یکون للّفظ جزء، کهمزة الاستفهام .

وثانیها : ما یکون له جزء لکن لا دلالة له علی معنی ،کزیدٍ .

وثالثها: ما یکون له جزء دال علی المعنی لکن ذلك المعنی لا یکون جزء المعنی المقصود کعبدِ اللّه علما ، فإنّ له جزء کعبد دالّا علی معنی ، و هو العبُودیّة ، لکنّه لیس جزء المعنی المقصود(أی الذّات المشخّصة).

ورابعها : ما یکون له جزء دال علی جزء المعنی المقصود ولکن لا تکون دلالته مقصودة کالحیوان النّاطق عَلَماً لشخص إنسانیّ؛ فإنّ الحیوان مثلا یدلّ علی جزء المعنی المقصود ، لکن هذه الدّلالة غیر مقصودة بل المقصود من العلمیّة هو الشّخص الإنسانی مع قطع النّظر عن کونه حیوانا ناطقاً .

السوال : حرّروا وجه تقدیم المرکّب علی المفرد فی مقام التّعریف وتاخیره فی مقام التّقسیم أوّلا ، وأوضحوا وجه اعتبار دلالة المطابقة فی المَقسم دون التّضمّن والالتزام ثانیاً ؟

الجواب : وجه تقدیم المرکّب فی مقام التّعریف وتاخیره فی مقام التّقسیم:

اعلم: أنّ تعریف المرکّب وجودیّ ، وتعریف المفرد عدمیّ ، والوجودیّ لکونه أشرف یقدّم علی العدمیّ .

وإنْ قلتَ: لِمَ عکسَ الأمر فی بیان أقسامهما ؟ قلت :لأنّ التّقسیم باعتبار الذّات وذات المفرد لکونها محتاجة إلیها مقدّمة علی ذات المرکّب .

☆ وجه اعتبار الدّلالة المطابقة فى المَقْسم☆

اعلم:أنّه أُعتبر فى المقسم المطابقة وحدها ، ولم يُعتبر الدّلالة مطلقاً بحيث يَندرج فيها التّضمّن والالتزام أيضاً ؛ لأنه لو أُعتبر التّضمّن والالتزام فى التّركيب والإفراد لزِمَ أنْ يكون اللّفظ المركّب من لفظين موضوعين لمعنيين بسيطين مفرداً لعدم دلالة جزء اللّفظ على جزء المعنى التّضمّنى ، إذلاجزء له،وأنْ يكون اللّفظ المركّب من لفظين الموضوع بإزاء معنى له لازم ذهنيّ بسيط مفرداً،لأنّ شيئاً من جزئى اللّفظ لا دلالة له على جُزء المعنى الالتزاميّ .

السؤال : حرّرواأقسام المفرد بطريق الضّبط والانحصار بحيث يتّضح به تعريف كلّ قسم مع المثال أوّلاً ، وأوضحوا بعض ما لها وماعليها فى هذاالمقام مع بيان الأسامى ثانياً ؟

الجواب : المفرد إنْ كان مرآة لتعرّف الغير فقط يعنى إنْ كان دالاً على معنى غير مستقل بالمفهوميّة فأداة كـ "فى ولا " وإنْ لم يكن مرآة لتعرّف الغير بل يكون مستقلاً فإنْ دلّ بهيئته على زمان فكلمة كـ "ضرب" وإنْ لم يدلّ بهيئته على الزّمان،ولا يكون مرآة لتعرّف حال الغيرفاسمٌ كزيد وعمرو،وقد عُلِم بذلك حدّ كلّ واحد منها .

فإنْ قيل : تعريف الأداة غير مانع ؛ لصدقه على الأفعال النّاقصة ؛ لعدم استقلالها مع أنّها ليست أداة لا عند أهل العربيّة ؛ لأنّهم يُسمّونها أفعالاً ، ولا عند الميزانيين ، لأنّهم يُسمّونها كلمات ؟

نقول : لا ضَيْر فى صدق التّعريف عليها بل يجب صدق التّعريف عليها ؛ لأنّها من أفراد المعرَّف ؛ لأنّهم قسّموا الأدواتِ إلى زمانيّة وغير زمانيّة ، والزّمانيّة هى الأفعال النّاقصة .

وإنْ قلت : فعلى هذا لا يُطابق اصطلاحهم مع اصطلاح النّحاة ؟

نقول : مطابقة الاصطلاحين غير لازم ؛ لأنّ نظرهم فى الألفاظ من حيث المعنى ، ونظر النّحاة فى الألفاظ من حيث اللّفظ .

فإنْ قيل : تعريف الكلمة غير مانع عن دخول الغير لصدق تعريفها على لفظ الزّمان ، والأمس ، واليوم والصّبوح ، والغَبُوق ، وغيرها فإنّ هذه الألفاظ تدلّ على المعنى المستقل ، ومقترنة بالزّمان أيضاً . وما هذا إلّاشان الكلمة فهى داخلة تحت الكلمة مع أنّهم يُصرّحُون بأنّها أسماء ؟

نقول : المراد فى الكلمة ما يدلّ بهيئته على الزّمان ، وهذه الألفاظ يدلّ على الزّمان بجواهرها وموادها لا بهيئاتها .

وجوه الأسامي : قال الشّارح : ووجه التّسمية أمّا بالأداة فلأنّها آلة في تركيب الألفاظ بعضها مع بعض ، وأمّا بالكلمة فلأنّها من الكلم وهوالجرح ، كأنّها لمّا دلت على الزّمان وهو متجدد ومُنصرم تكلِم الخاطر بتغيرمعناها ، وأمّا بالاسم فلأنّه أعلى مرتبة من سائر أنواع الألفاظ فيكون مشتملاً على معنى السّمُوّ وهو العُلوّ.

السوال : حرّروا النّسبة بين ما هو كلمة عند المناطقة ، وفعل عند النّحاة ، وبين ما هو أداة عند المناطقة وحرف عند النّحاة ، وبين ما هو اسم عند المناطقة واسم عند النّحاة ؟

الجواب : اعلم: أيّها الفطن اللّبيب ليس كلّ فعل عند النّحاة كلمةً عند المناطقة ، فإنّ نحو أمشى مثلاً فعل عند النّحاة ، وليس بكلمةٍ عند المناطقة ؛لاحتماله الصّدق والكذب فيكون كلاماً لا كلمة، بخلاف يَمشى فهو فعل عند النّحاة ، وكلمة عند المناطقة .

وكلّ اسم عند المناطقة فهو اسم عند النّحاة ، وليس كلّ اسم عند النّحاة اسما عند المناطقة فإنّ أسماء الأفعال أسماء عندالنّحاة ، وأفعال عند المناطقة.

وكلّ حرف عند النّحاة أداة عند المناطقة ، وليس كلّ ماهو أداة عند المناطقة فهوحرف عند النّحاة ، فإنّ الكلمات الوُجوديّة يعنى الأفعال النّاقصة أدوات زمانيّة عند المناطقة كما مرّ،وليست بحروف عند النّحاة بل أفعال .

السوال : حرّروا تقسيم الاسم بالقياس إلى معناه أوّلاً ، ثمّ أوضحوا الاختلافات في المقسم في هذا التّقسيم ؟

الجواب : الاسم إمّا أنْ يكون معناه واحداً أو كثيراً ، فإنْ كان الأوّل فإنْ تشخّص ذلك المعنى يُسمّى عَلَماً في عرف النّحاة وجزئيا حقيقياً في عُرف المناطقة ، وإنْ لم يكن المعنى شخصاً فإن استوت أفراده الذّهنية كالشّمس فإنّ لها أفراداً ذهنيّة ، أو الخارجيّة كالإنسان فإنّ له أفراداً خارجيّة ، وصدق الشّمس على الأفراد الذّهنية على السّوية ، وكذا صدق الإنسان على الأفراد الخارجيّة على السّوية فمُتواط ويسمّى متواطيا ، لأنّ أفراده متوافقة في معناه ، من التّواطُؤ وهو التّوافق ، وإنْ كان حصوله في البعض أولى، وأقدم ، وأشد من الآخر كالوجود بالنّسبة إلى الواجب والممكن يُسمّى مشكّكاً لأنّ النّاظر فيه يتشكّك هل هو متواط أو مشترك .

وإنْ كان الثّاني (أى معناه كثيراً) فإنْ وُضع اللّفظ لكلّ معنى ابتداءً بأوضاع مُتعددة على حدة يُسمّى مشتركا كالعين وضع تارة للذّهب ، وتارة للباصرة ، وتارة للرُّكبة ، وإنْ لم يُوضع لكلّ ابتداء بل وُضع أوّلاً لمعنى ثمّ استعمل في معنى ثان لأجل مناسبة بينهما.

فإنْ اشتهر في الثّاني وتُرك موضوعه الأوّل يُسمّى منقولاً، ثمّ المنقول بالنّظر إلى النّاقل ينقسم إلى ثلاثة

أقسام: أحدها: المنقول العرفى باعتبار كون النّاقل عرفاً عاماً، وثانيها: المنقول الشّرعى باعتبار كونه أرباب الشّرع ، وثالثها : المنقول الاصطلاحى باعتبار كونه عرفاً خاصاً وطائفة مخصوصة ، مثال الأوّل: كلفظ الدّابة كان فى الأصل موضوعا لِما يدب على الأرض ثمّ نقلَه العام للفرس أولذات القوائم الأربع ، مثال الثّانى: كلفظ الصّلاة كان فى الأصل بمعنى الدعاء ثمّ نقله الشّارح إلى أركان مخصوصة : مثال الثّالث كلفظ الاسم كان فى اللّغة بمعنى العُلُوّ ثمّ نقله النّحاة إلى كلمة مستقلّة فى الدّلالة غير مقترنة بزمان من الأزمنة الثّلاثة .

وإنْ لم يشتهر فى الثّانى ولم يترك الأوّل بل يُستعمل فى الموضوع الأوّل مرّة وفى الثّانى أخرى يُسمّى بالنّسبة إلى الأوّل حقيقة ، وبالنّسبة إلى الثّانى مجازاً كالأسد بالنّسبة إلى الحيوان المُفترس ، والرّجل الشّجاع فهو بالنّسبة إلى الأوّل حقيقة ، وبالنّسبة إلى الثّانى مجازٌ .

☆ اختلاف العلماء فى مقسم التّقسيم المذكور ☆

قال بعضهم: إنّ المُنْقسم إلى الأقسام المذكورة هو مُطلق المفرد بلا تخصيص اسم .

وقال بعضهم : إنّ المنقسم إلى الكلى والجزئى ، والمتواطى والمشكّك ، الاسم خاصة ، وأمّا إلى المشترك والمنقول بأقسامه، والحقيقة والمجاز فهو مطلق المفرد اسما كان أو كلمة أو أداة وهو المشهور.

وقال محبّ اللّه البهارى " إنّ المجاز بالذّات إنما هو فى الاسم ، وأمّا الفعل وسائر المشتقّات والأداة فإنما يُوجد فيها بالتّبعية "(فى هذا المقام تحقيق لا يتحمّله المقام).

السوال : حرر وأقسام المركّب بأسرها مفصّلاً ؟

الجواب : المركّب أوّلا قسمان : أحدهما المركّب التّام : وهو ما يصحّ السّكوت عليه ، كزيدٌ قائمٌ ، وثانيهما المركّب النّاقص : وهو ما ليس كذلك .

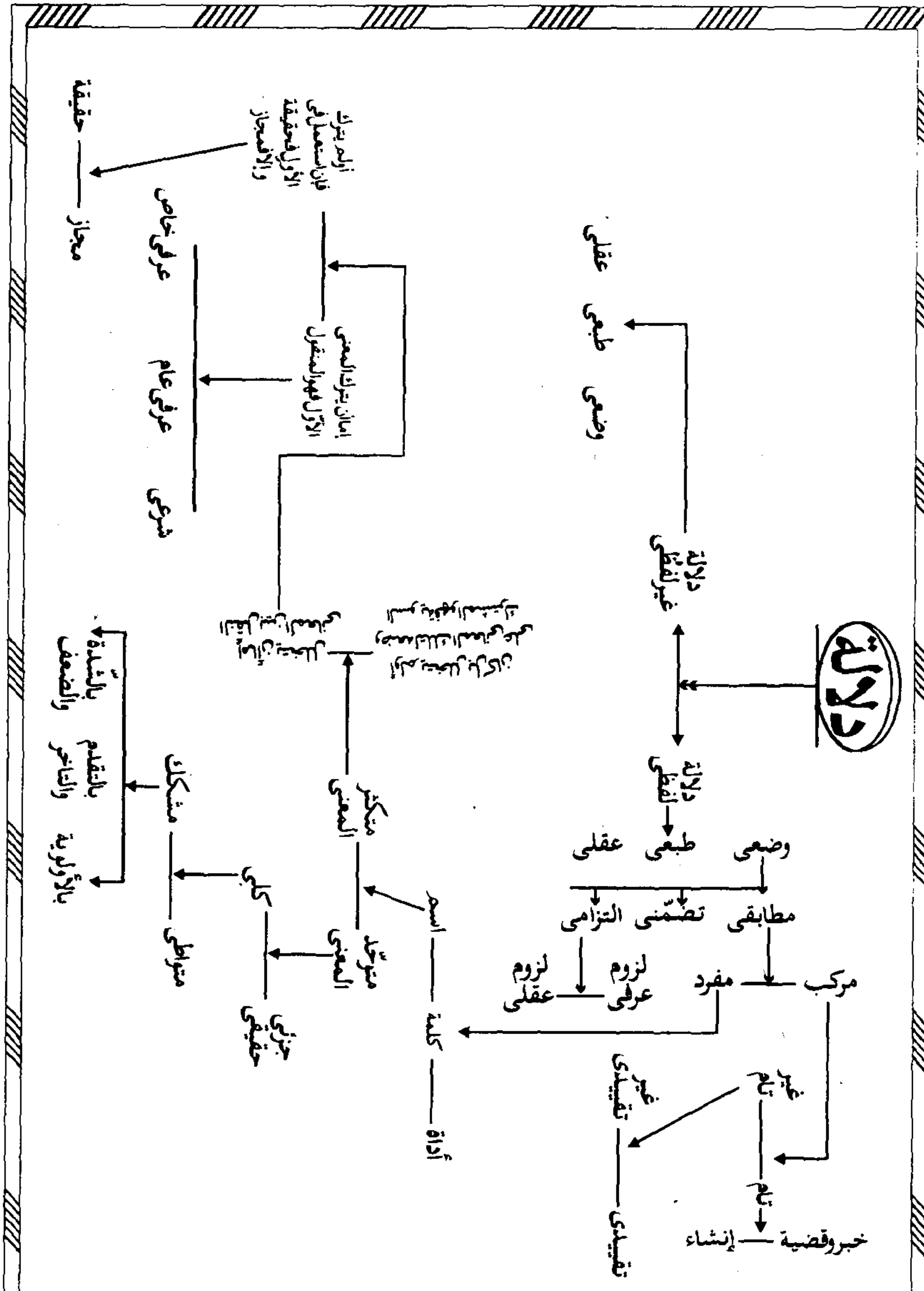
ثمّ المركّب التّام ضربان : يقال ، لأحدهما الخبر والقضيّة ، وهو ما قُصد به الحكاية ويحتمل الصّدق والكذب ، ويقال لقائله إنّه صادق فيه أو كاذب ، نحو السّماء فوقنا والعالم حادث .

فإنْ قيل : قولنا " لا إله إلّا اللّه " قضيّة مع أنّه لا يحتمل الكذب ؟

قلت : مجرّد اللّفظ يحتمله ، وإنْ كان بالنّظر إلى خصوصيّة الحاشيتين غير محتمل للكذب .

ويقال لثانى القسمين الإنشاء ثمّ الإنشاء أمر ونهى وتمنّ وترج واستفهام ونداء .

والمركّب النّاقص على أنحاء : منها المركّب الإضافى ،كغلام زيد . ومنها المركّب التّوصيفى ، كالرّجل العالم، ومنها المركّب التّقييدى ،كفى الدّار .


دلالة
دلالة غير لفظية
وضعي
طبعي
عقلي
دلالة لفظية
وضعي
طبعي
عقلي
مطابقي
تضمّني
التزامي
لزوم عرفي
لزوم عقلي
مركب
مفرد
غير تام
تام
خبروقضية
إنشاء
غير تقييدي
تقييدي
كلمة
اسم
أداة
متكثر المعنى
متحد المعنى
كلي
جزئي حقيقي
مشكك
متواطي
بالأولوية
بالتقدم والتأخر
بالشدة والضعف
إما أن يترك المعنى الأول فهو المنقول
شرعي
عرفي عام
عرفي خاص
إما لم يترك فإن استعمل في الأول فحقيقة وإلا فمجاز
حقيقة
مجاز

السوال : حرّروا معنى المفهوم أوّلاً ، وأوضحوا تقسيمه إلى الكلىّ والجزئىّ ثانياً ، وزيّنوا القرطاس ببعض ما لها وما عليها على تعريف الكلى والجزئى ثالثا ، وعليكم بتسمية الكلى كليّا والجزئىّ جزئيّا رابعاً؟

الجواب : المفهوم ما هو حاصل فى العقل(أى الذّهن)، فإنْ جوّز العقل تكثّره من حيث تصوّره فكلى ، وإنْ لم يجوّز العقلُ تكثره من حيث تصوّره فجزئى ، يعنى الكلى مالا يمنع نفس تصوّره عن وقوع الشّركة فيه وعن صدقه على كثيرين كالإنسان والفرس، والجزئى ما يمنع نفس تصوّره عن صدقه على كثيرين كزيد وعمرو ، وهذا الفرس وهذا الجدار.

بعض مالها وما عليها : قد أورد على تعريف الكلى والجزئى سوال تقريره : أنّ الصّورة الحاصلة من البيضة المعيّنة ، والشّبح المرئى من بعيد ، ومحسوس الطّفل فى مبدأ الولادة ، كلّها جزئيات مع أنّه يصدُق عليها تعريف الكلى ؛ لأنّ فى هذه الصّور فرض صدقها على كثيرين غير ممتنع ؟

حاصل الإيراد : أنّ الصّورة الخيالية الحاصلة للرّائى من بيضة معيّنةٍ ، إذا بدّلناها بواحد بعد واحد، ولم يكن للرّائى علم التّبديل ، يعلم فى كلّ واحد من البيضات أنّه هى ؛ لعدم تميز البيضات عند الحسّ بدون الاجتماع ، فالصورة الخياليّة تنطبق عنده على كلّ واحد من البيضات ، وكذا الشّبح المرئى من بعيد غير متميّز لبعده إذا رآه الإنسان ، فإنه يصدُق عليه أنّه زيد ، أو عمرو ، أو بكر ، وكذلك محسوس الطّفل ؛ فإنّه فى مبدأ الولادة إذا أحسّ واحداً من الأب أو الأم مثلاً ، وحصل صورة منه فى الحسّ المشترك مثلاً ، فهى تنطبق عنده على كلّ واحد منهما بل على ما عداهماأيضاً ، فهذه الصّور كلّها جزئيات عندهم مع أنّهاتقبل التّكثر فينقض تعريف الجزئى جمعاً ، والكلى منعاً ؟

والجواب : أنّ المراد بصدق المفهوم فى تعريف الكلى ، هو الصّدق على وجه الاجتماع ، وهذه الصّورة (أعنى صورة البيضة وغيرها)إنّما يصدُق على كثيرين بدلاً، لا معاً .

☆ وجه تسمية الكلى بالكلى والجزئى بالجزئى☆

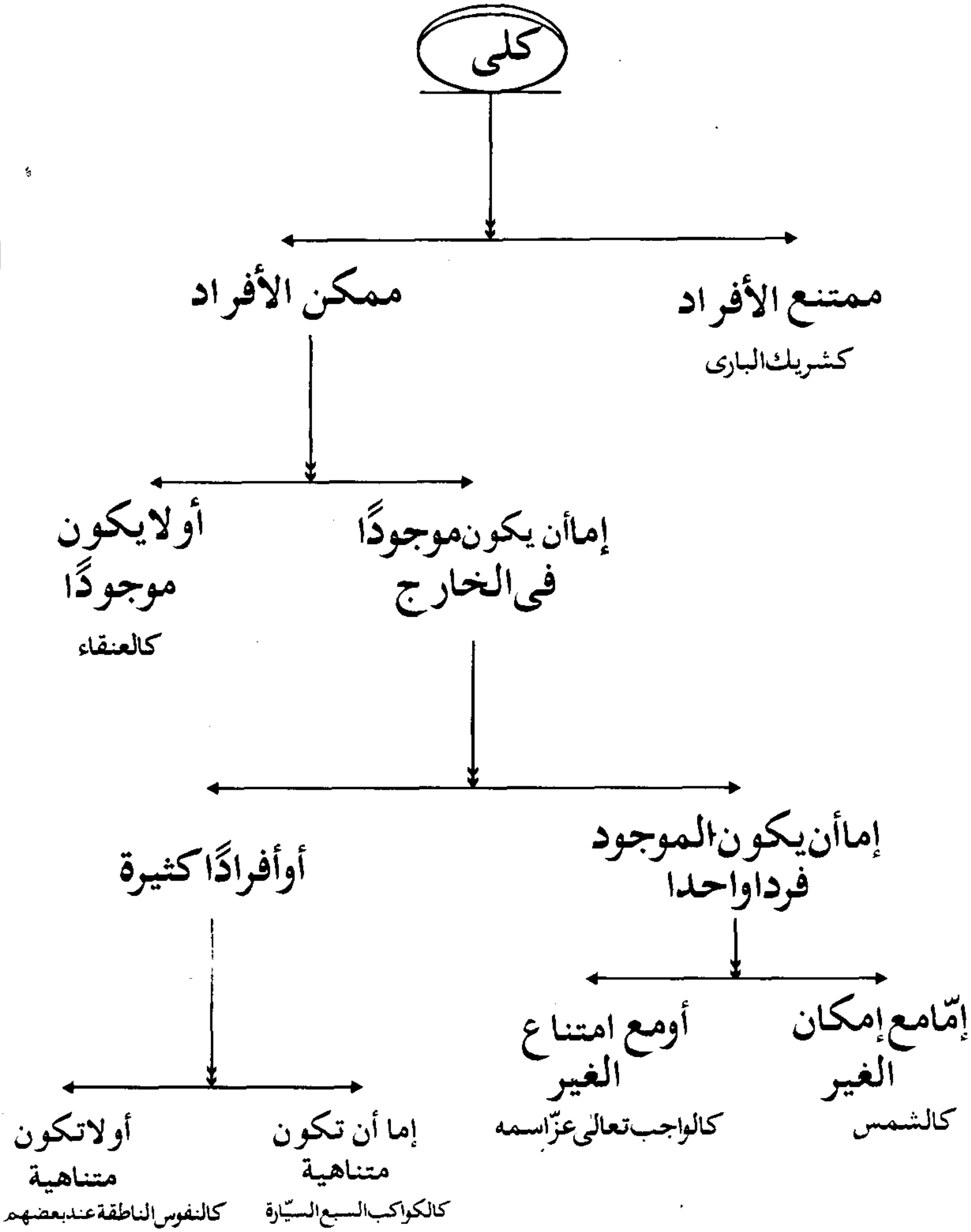
قال الشّارح : وبيان تسمية الكلى بالكلى والجزئى بالجزئى ، أنّ الكلى جزء للجزئى غالباً كالإنسان ، فإنّه جزء لزيد ، والحيوان فإنّه جزء للإنسان ، والجسم فإنّه جزء للحيوان ، فيكون الجزئى كلاًّ والكلى جزءٌ له ، وكلية الشّيء إنّما يكون بالنّسبة إلى الجزئى ، فيكون ذلك الشّيء منسوبا إلى الكلّ والمنسوب إلى الكلّ كلى، وكذلك جزئيّة الشّيء إنّما هى بالنّسبة إلى الكلى فيكون منسوبا إلى الجزء ، والمنسوب إلى الجزء جزئى .

السوال : حرّروا تقسيم الكلى باعتبار إمكان أفراده فى الخارج ، وامتناعه بحيث يتّضح به فائدة قيد "

نفس تصوّره " في تعريف الكلي والجزئي ؟

الجواب : الكلي قد يكون ممتنعَ الوجود في الخارج لا لنفس مفهوم اللّفظ كشريك الباري عزّاسمه ، وقد يكون ممكنَ الوجود ولكن لا يوجد كالعَنقاء ، وقد يكون الموجود منه واحداً فقط مع امتناع غيره كالباري عزّ اسمه ، أو مع إمكان غيره كالشّمس ، وقد يكون الموجود منه كثيراً إمّا متناهياً كالكواكب السّبع السّيارة، أو غير متناه كالنّفوس النّاطقة عند بعضهم ، وبه اتّضح أنّ الكلي ما لا يمتنع نفس تصوّره عن وقوع الشّركة فيه ، وأمّا وقوع الشّركة فيه في الخارج فليس بضروري ، فإنّ من الكليات ما يمنع الشركة بالنّظر إلى الخارج كواجب الوجود ، فإنّ الشّركة فيه ممتنعة بالدّليل الخارجي ، لكن إذا جُرِّد العقل بالنّظر إلى مفهومه لم يمنع من صدقه على كثيرين ؛ فإنّ مجرد تصوّره لو كان مانعاً من الشّركة لم يفتقر في إثبات الوحدانيّة إلى دليل آخر .

تقسیم الکلی باعتبار إمکان أفراده فی الخارج وامتناعها



السوال : حرّروا وجه حصر الكليات فى الخمسة إجمالاً ، وأوضحوا تعريف كلّ واحد مع أقسامه ثانيا اختصاراً؟

الجواب: المفهوم إنْ جوّز العقل تكثّره من حيث تصوّره فكلى،وإلّا فجزئى ثمّ الكلى : إمّا عين حقيقة الأفراد وهو النّوع ، أو داخل فيها ، تمام المشترك بينها وبين نوع آخر وهو الجنس ، أو لا وهو الفصل ، أى لا يكون تمام المشترك أعمّ من أنْ لا يكون مشتركا أصلاً كالنّاطق ، أو يكون مشتركا ، لكن لا يكون تمام المشترك كالحسّاس ، أو خارج ويختصّ بحقيقة وهى الخاصّة،أولاوهوالعرض العام .

فالجنس : كلى مقول على كثيرين مختلفين بالحقائق فى جواب ما هو ، فإنْ كان جواباً عن الماهيّة ، وجميع المشاركات فى ذلك الجنس فقريبٌ كالحيوان للإنسان ، وإلّا فبعيد كالجسم له .

والنّوع على قسمين : حقيقى: وهو الكلى المقول على كثيرين متّفقين بالحقائق فى جواب ما هو كالإنسان بالنّسبة إلى أفراده ، وإضافى : وهوما يحمل عليه وعلى غيره الجنس فى جواب ما هو .

والفصل : هو المقول فى جواب أىّ شيء هو فى جوهره ، فإنْ ميّزه عن مشاركات الجنس القريب ، فقريب كالنّاطق للإنسان فإنّه ميّز الإنسان عن مشارك له فى جنسه القريب ، وهو الحيوان ، أو البعيد فبعيدٌ كالحسّاس للإنسان فإنّه ميّزه عن مشارك له فى جنسه البعيد ، وهو الجسم النّامى .

والخاصة : هو الخارج المقول على ما تحت حقيقة واحدة ، فإنْ عمّت الأفراد فشاملة ، كالضّحك بالقوّة للإنسان ، وإلّا فغير شاملة ، كالضّحك بالفعل للإنسان .

والعرض العام : هو الخارج المقول على حقائق مختلفة ، ثمّ هو لازم إنْ امتنع انفكاكه عن المعروض ، ومفارق إنْ لم يمتنع .

ثمّ اللّازم إمّا لازم الماهيّة كالزّوجية للأربعة ، أو لازم الوجود ثمّ هو إمّا لازم الوجود الذّهنى ، كالكلية والجزئية للشّيء ، وإمّا لازم الوجود الخارجى ، كالتّحيّز للجسم ، فإنّه لازم للجسم إذا وُجد فى الخارج .

ولازم الماهيّة قسمان : بيّن : وهو الذى يلزَم تصوّره من تصوّر الملزوم ، وقد يقال البيّن على الذى يلزَم من تصوّرهما الجزم باللزوم . وهو أعمّ من الأوّل وغير بيّن . وهو الذى لا يلزَم تصوّره من تصوّر الملزوم . وقد يُقال هو الذى لا يلزَم من تصوّره مع تصوّر الملزوم الجزم باللّزوم .

والمفارق على قسمين : مفارق بالقوّة كحركة الأفلاك ، ومفارق بالفعل، وهو على قسمين : إمّا أنْ يزول بسُرعة ، كحُمرة الخَجِل وصُفرَةالوَجِل ، وإمّا ببُطوء ، كالعِشْق وهو ماخوذ من العَشَقَة ، وعبارة عن إفراط الحبّ .

السؤال : حرّروا تعريف الذّاتى والعرضى أوّلاً ، وعيّنوا الذّاتيات والعرضيّات من الكليات الخمسة ثانياً ، واذكروا أمّهات المطالب إجمالاً ثالثاً ؟

الجواب : اعلم : أنّ الذّاتى يُفسربتفسيرين : الأوّل : بأنّه ما يكون داخلاً فى حقيقة جزئيّاته ، فلا يُطلق اسم الذّاتى على النّوع بهذا التّفسير ، فيكون الذّاتيات اثنين : الجنس والفصل ، وعلى هذا يكون تعريف العرضى ما لا يكون داخلاً فى حقيقة جزئياته .

والتّفسير الثّانى : الذّاتى : ما لا يكون خارجاً من الذّات فبهذاالتّفسير النّوع أيضاً داخل فى الذّاتى، والذّاتيات إذن ثلثة : النّوع ، والجنس ، والفصل، ويكون تعريف العرضى حينئذ ما يكون خارجاعن الذّات .

فإنْ قلت : لا يُمكن أنْ يكون النّوع ذاتيا ؛ لأنّ معنى الذّاتى المنسوب إلى الذّات ، ولا يمكن أنْ يكون النّوع منسوبا إلى الذّات ؛فإنّ النّوع هو الذّات والتّغائر بين المنسوب والمنسوب إليه ضرورى ؟

قلت : كون النّوع ذاتيا بالنّسبة إلى الماهيّة الشّخصيّة ، والماهيّة الشّخصية وإنْ لم تكن مغائرة له بحسب الحقيقة لكنّها مغايرة له بحسب الاعتبار ، وهذا القدر من التّغاير كاف بين المنسوب والمنسوب إليه .

أمّهات المطالب :حاصل ما قال محبّ اللّه البِهارىؒ:" وأمّهات المطالب أربع : ما ، وأىّ ، وهل، ولِمَ .

ثمّ "ما" على قسمين : شارحة ، وحقيقيّة ؛ لأنّ المطلوب به إمّا نفس شرح الاسم وتوضيحه(أى تصوّر الشّىء بدون العلم بوجوده الخارجى) فتُسمّى شارحة ؛ لأنّ المطلوب به نفس شرح الاسم .

وان كان المطلوب به شرح الاسم وتوضيحه مع العلم بوجوده الخارجى فتُسمّى حقيقيّة .

وأىّ : لطلب المميّز بالذّاتيات ، أو بالعوارض(يعنى أنّ كلمة أيّ لطلب المميّز للشّىء الذى هو قبل أىّ من المشاركات فيما يُضاف إليه أىّ).

وهل :إمّا لطلب التّصديق بوجود شىء فى نفسه ، لا الوجود الرّابطى فتسمّى بسيطة ، كما يقال هل الإنسان موجود أم لا ، أو على صفة غير الوجود فمركّبة ، نحو : أنْ يقال هل الإنسان قائم أم لا .

ولِمَ : لفظ لِمَ قد يجى لطلب الدّليل بمجرد التّصديق (أى يكون فيه طلب العلة لتصديق العقد فقط من غير تعرّض لعلّة ثبوته فى نفس الأمر)كقولنا : لم كان هذا متعفّن الأخلاط ، قيل : لأنّه محموم ، فهو دليل إنّى يعلم به إنّية الشّىء (أى وجوده) لا عِلّيته ؛لأنّ الحُمّى ليس علّة لتَعفّن الأخلاط بل الأمر بالعكس ، وقد يكون لِمَ لطلب وجود الأمر فى نفس الأمر (يعنى لطلب علّة وجود الأمر فى نفس الأمر)كقولنا : لِمَ كان هذا محموماً ، قيل : لأنّه متعفّن الأخلاط ، وكلّ متعفّن الأخلاط فهو محموم ، فتعفّن الأخلاط علّة للحُمى فى نفس الأمر ، لا فى اللّفظ

فقط وهذا دليل لمّى يُعرف به لمّية الشيء ، وعلّيته .

السؤال : حرّروا معنى تمام المشترك مفصلاً ؟

الجواب : اعلم : أنّ المراد بتمام المشترك ما لا يكون جزء مشترك سواه ، ولو كان فهو يكون جزء هذا ، كالحيوان فإنّه تمام المشترك بين الإنسان والفرس ، وليس جزء مشترك بينهما سواه ، والجسم الذى هو مشترك بينهما جزء من الحيوان ، وليس خارجاً عنه ، وكذا الجسم النّامى والحسّاس أجزاء مشتركة ؛ لكنها ليست بخارجة عن الحيوان ؛ لأنّ الحيوان عبارة عن جسم نامٍ حسّاس متحرّك بالإرادة .

وقال الإمام الرّازى (فى تعريف تمام المشترك) : إنّه عبارة عن مجموع الأجزاء المشتركة بين الماهيّة ونوع آخر كالحيوان ، فإنّه مجموع الجوهر ، والجسم النّامى ، والحساس ، والمتحرّك بالإرادة ، وهى أجزاء مشتركة بين الإنسان والفرس . لكن تعريفه منقوض بالأجناس البسيطة ، كالجوهر فإنّه جزء مشترك بين العقل والجنس ، ولا يكون له جزءٌ حتى يصح أنّه مجموع الأجزاء المشتركة ، فالصّحيح التّعريف الأوّل .

السؤال : حرّروا الفرق بين الكلى المنطقى ، والطّبعى ، والعقلى مع وجوه الأسامى أوّلاً وأوضحوا وجود هذه المفهومات وعدمها فى الخارج ثانيا ؟

الجواب : اعلم : أنّ مفهوم الكلى (أى ما يُعبّر عنه بالكلى) وهو تجويز العقل الصدق على كثيرين من حيث هو هو ، مع قطع النّظر عن التّقييد بشيء يُسمّى كليّا منطقيّا ؛ لأنّ هذا الكلى عنوان المسائل المنطقية ،و معروض ذلك المفهوم (أى ما يُعرض له ذلك المفهوم) كالإنسان يسمى كليا طبعيا ؛ لأنّه طبيعة من الطّبائع ، أى حقيقة من الحقائق ، والمجموع من العارض والمعروض كالإنسان الكلى يُسمّى كليا عقليا ؛ إذ لا تحقّق له إلّا فى العقل .

☆ بحث وجود هذه المفهومات وعدمها فى الخارج ☆

اعلم : أنّ الكلى المنطقى من المعقولات الثّانية ، ومن ثمّ لم يذهب أحد إلى وجوده فى الخارج ، وإذا لم يكن المنطقى موجوداً لم يكن العقلى موجوداً ؛ لأنّه مركّب من المنطقى والطّبعى ، والمنطقى معدوم فى الخارج على قول الجُمهور ، فالعقلى أيضاً يكون معدوما من الخارج ؛ إذانتفاء الجزء يستلزم انتفاء الكلّ من حيث الكل ، فالمنطقى والعقلى ليسا موجودين فى الخارج ، وإنّما هما من الموجودات الذّهنية ، وأمّا الطّبعى ففى وجوده فى الخارج اختلاف ، فذهب المحقّقون ، ومنهم الشّيخ الرّئيس إلى أنّه موجود فى الخارج بعين وجود الأفراد ، وذهب شرذمة قليلة إلى عدم وجوده فى الخارج ، وهم يقولون إنّ الموجود فى الخارج هو الأشخاص .

السؤال : حرّروا وجهَ حصر النّسب الأربع بين الكليّين أوّلا ، واذكروا وجه اعتبار النّسب الأربع بين

الكليّين دون الجزئيّين ، والجزئی والكلی ثانياً ؟

الجواب:اعـلـم:أنّ النّسبة بين الكليين تتصوّر على أنحاء أربعة ؛ لأنّك إذا أخذتَ كليّين فإمّا أنْ يصدُق كـلّ منهما عـلـى ما يصدُق عليه الآخر ، فهما متساويان كالإنسان والنّاطق ؛ لأنّ كلّ إنسان ناطقٌ ، وكلّ ناطق إنسان ، فمرجع التّساوی إلی موجبتين كليتين ، كقولنا : كلّ ما هو إنسان فهو ناطق ، وكلّ ما هو ناطق فهو إنسان ، أو يـصـدُق أحـدهـما على كلّ ما يصدُق عليه الآخر ، ولا يصدُق الآخر على جميع أفرادأحد هما فبينهما عموم وخصوص مطلقاً ،كالحيوان والإنسان، فيصدُق الحيوان على كلّ ما يصدُق عليه الإنسان،ولا يصدُق الإنسان على كـلّ مـا يصدُق عليه الحيوان بل على بعضه، فمرجع العموم والخصوص مطلقاً إلى موجبة كلية من جانب الأعمّ ، وسالبة جزئيّة من جانب الأخصّ ، كقولنا : كلّ ما هو إنسان فهو حيوان ، وليس بعض ما هو حيوان فهو إنسان ، أو لا يـصـدُق شـیء مـنـهـمـا عـلـی شیء مما يصدُق عليه الآخر فهما متبائنان كالإنسان والفرس ، فمرجع التّباين إلى سـالبتيـن كـليتيـن ، نـحو لا شیء من الإنسان بفرس ، ولا شیء من الفرس بإنسان أويصدُق بعض كلّ واحد منهما عـلـی بـعـض مـا يصدُق عليه الآخر فبينهما عموم وخصوص من وجه ، كالأبيض والحيوان ، ففی البطّ يصدُق كلّ مـنـهـمـا ، وفی الفِيل يصدُق الحيوان فقط ، وفی الثّلج والعاج يصدُق الأبيض فقط ، فمرجع العموم والخصوص من وجه إلـی سـالبتين جزئيتين ، هما مادّتان للافتراق ، وموجبة جزئية هی مادة الاجتما ع ، نحو بعض الحيوان أبيض وبعض الحيوان ليس بأبيض ، وبعض الأبيض ليس بحيوان .

☆ وجهٌ اعتبار النّسب بين الكليين دون المفهومين ☆

اعـلـم:أنّها اعتبرت النّسب بين الكليين دون المفهومين ؛ لأنّ المفهومينّ إمّا كليّان ، أو جزئيّان ، أو كلی وجـزئـی ، والـنّسـب الأربـع لا تتحقّق فی القسمين الأخيرين : أمّا الجزئيان ؛ فلأنّهما لا يكونان إلّا متباينين، و أمّا الـجـزئـی والـكـلـی ، فلأنّ الجزئی إنْ كان جزئيّا لذلك الكلی يكون أخصّ منه مطلقاً ، وإنْ لم يكن جزئيا له يكون مبائناً له .

بيان النسب الأربع

تساوی	**تباين**
كالإنسان والناطق	كالإنسان والفرس
عموم وخصوص مطلق	**عموم وخصوص من وجه**
كالحيوان والإنسان	كالأبيض والحيوان

السوال : حرّروا النّسب بين نقائض النّسب الأربع بطريق الضّبط والإيجاز ؟

الجواب : اعلم: أنّ نقيضى المتساويين أيضاً متساويان ، مثل: لا إنسان ولا ناطق ؛ لأنّه لو لم يصدُق أحدهما على ما يصدُق عليه الآخر لصدق عليه عينه لاستحالة ارتفاع النّقيضين ، فيصدُق عين أحد المتساوين بدون الآخر ، وهذا خلف .

ونقيض العموم والخصوص مطلقاً أيضاً عموم وخصوص مطلقاً ، لكن نقيض الأعمّ مطلقاً يكون أخصّ من نقيض الأخصّ مطلقاً ؛ لصدق نقيض الأخصّ على كلّ ما يصدُق عليه نقيض الأعمّ .

وبين نقيضى المتبائنين ، والعام والخاص من وجه تبائن جزئى ، وهو يتحقّق تارة فى ضمن التبائن الكلى ، وتارة فى ضمن العموم والخصوص من وجه ، مثال المتبائنين الذين بين نقيضيهما تبايئن كلى ، كالموجود والمعدوم ، واللا موجود واللامعدوم ، والمتبائنين الّذين بين نقيضيهما عموم وخصوص من وجه ، كالحجر والإنسان ، واللاحجر واللّاإنسان فإنّهما نقيضان للحجر والإنسان يجتمعان فى الشجر ويتفرد اللاحجر فى الإنسان ويتفرد اللاإنسان فى الحجر ، ومثال الأعمّ والأخصّ من وجه بين نقيضيهما تبائن كلىّ ، كاللّاحجر واللّاإنسان ، والحجر والإنسان فإنّهما نقيضان للاحجر واللاإنسان وبينهما تباين كلى ، ومثال الأعمّ والأخصّ من وجه بين نقيضيهما عموم وخصوص من وجه، كالحيوان والأبض .

السوال : حرّروا تعريف الجزئى الحقيقى والإضافى أوّلاً ، وأوضحواالنّسبة بينهما ثانياً ؟

الجواب : اعلم: أنّ للجزئى معنيين : الأوّل: ما يمنع العقل صدقه على كثيرين ،كما مرّ سابقاً ، فهذا الجزئى حقيقى ، لأنّه أحق بكونه جزئيا ، إذ جزئيته بالنّظر إلى حقيقته ، والثّانى ما يندرج تحت كلى ، فهذا جزئى إضافى ، لأنّ جزئيته إنما هو بالنّسبة والإضافة إلى ما يندرج تحته ، إذ جزئية الإنسان ،إنّما هى باعتبار كونه تحت الحيوان ،وأمّا بحسب نفسه فهو كلى .

النّسبة بين الجزئيين : اعلم: أنّ بين الجزئى الحقيقى والإضافى نسبة عموم وخصوص من وجه ؛ لتصادقهما فى زيد فإنه حقيقى لامتناع صدقه على كثيرين ، وإضافى لاندراجه تحت كلى وهو الإنسان ، ووجود الحقيقى فى الواجب عزّ اسمه على مذهب الحكماء بدون الإضافى، لعدم اندراجه تحت شيء ، ووجود الإضافى فى الإنسان ؛ لاندراجه تحت الحيوان ، وعدم الحقيقىّ ؛ لعدم امتناع صدقه على كثيرين .

السوال : حرّروا تعريفَ النّوع الحقيقى والإضافى مع بيان فوائد القيودات أوّلاً ، وأوضحوا النّسبة بينهما ثانياً ؟

الجواب : تعريف النّوع الحقيقى : هو كلى مقول على كثيرين متّفقين بالحقائق فى جواب ما هو .

تعريف النّوع الإضافی : ماهية يقال عليها وعلى غيرها الجنس فی جواب ما هو قولا أوّليا .

فوائد القيودات : فوائد قيودات التّعريف الأوّل واضحة لا حاجة إلى بيانها ، نعَم نذكر فوائد القيودات للتّعريف الثّانی ، فنقول : قوله:" ماهيّة" جنس يشمل الكلّ ، وبقوله:" يقال عليها وعلى غيرها الجنس" يخرج البسائط ؛ إذ ليس لها جنس يقال عليها ، وبقوله:" فی جواب ما هو" يخرج الخاصة ، والعرض العام للحقائق المركّبة ؛ إذالجنس لا يصدُق عليها فی جواب ما هو ، وبقوله:" قولا أوّليا " يخرج الصّنف ؛ إذ صدق الجنس عليه ليس بصدق ذاتی بل بواسطة صدق النّوع عليه ، فإنّ الحيوان إنّما يصدُق على الزّنجی بواسطة حمل الإنسان عليه ، وذلك ؛ لأنّ الحيوان ما لم يصِر إنسانا لم يكن محمولاعلى الزّنجی .

بيان النّسبة بينهما : قال المتأخرون : إنّ بينهما عموماً وخصوصاً من وجه ؛ لأنّهما يتصادقان على النّوع السّافل كالإنسان ؛ لأنّه نوع حقيقی من حيث أنّه مقولٌ على أفراد متّفقة الحقيقة ، ونوع إضافی من حيث أنّه مقولٌ عليه وعلى غيره الجنس فی جواب ما هو ، ويصدُق الإضافی بدون الحقيقی ، كما فی الأنواع المتوسطة ؛ فإنها أنواع إضافية وليست أنواعا حقيقيّة ؛ لأنّها الأجناس ويصدُق الحقيقی بدون الإضافی فی الحقائق البسيطة كالعقل والنّقطة ، فإنّها أنواع حقيقية ، وليست أنواعاً إضافية .وقال المتقدّمون ، ويفهم من كلام الشّيخ أيضاً فی الشّفاء : أنّ بين النّوع الحقيقی ، والإضافی نسبة العموم والخصوص مطلقاً ، فكل نوع حقيقی فهو نوع إضافی ولا عكس .

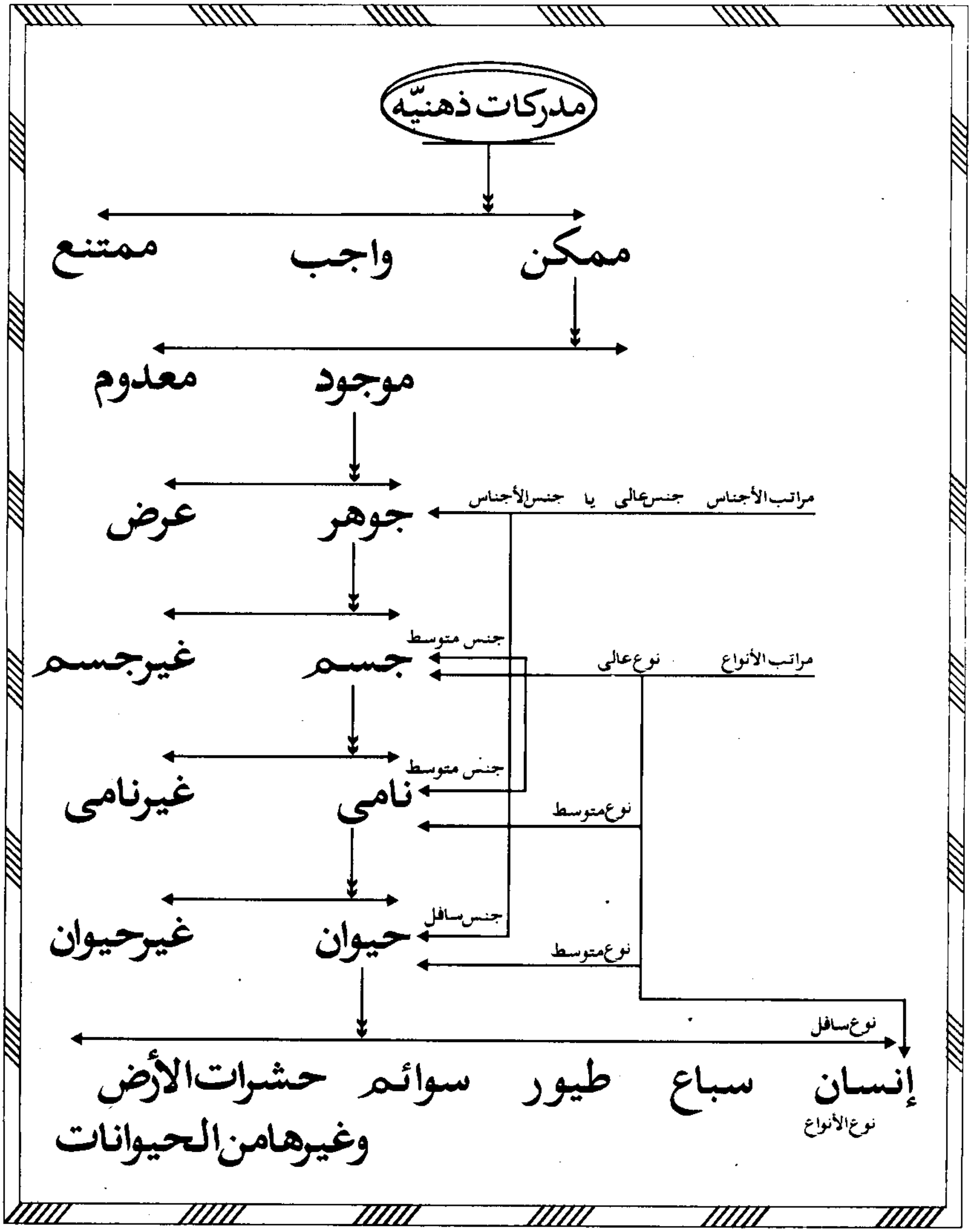
السوال : حرّروا ترتيب الأجناس ، وترتيب الأنواع مفصلاً ؟

الجواب : اعلم : أنّ الجنس إمّا سافل : وهو ما لا يكون تحته جنس ، ويكون فوقه جنس ، بل إنّما يكون تحته النّوع ، كالحيوان فإنّ تحته الإنسان ، وهو نوع ، وفوقه الجسم النّامی ، وهو جنس ، فالحيوان جنس سافل ، وإمّا متوسّط : وهو مايكون تحته جنس ، وفوقه أيضاً جنس ، كالجسم النّامی فإنّ تحته الحيوان ، وفوقه الجسم المطلق ، وإمّا عَال :وهو ما لا يكون فوقه جنس ، ويُسمّى جنس الأجناس أيضاً ، كالجوهر فإنّه ليس فوقه جنس ، وتحته الجسم المطلق ، والجسم النّامی ، والحيوان .

فائدة : ترتيب الأجناس معتبر متصاعدة ، ولذا يقال للجنس العالی جنس الأجناس ؛ لأنّ جنسيّة الشّیء إنّما هی بالقياس إلى ما تحته .

ترتيب الأنواع : اعلم: أنّ الأنواع قد تترتّب مُتنازلةً ، فالنّوع قد يكون تحته نوع ، ولا يكون فوقه نوع ، فهو النّوع العالی كالجسم ، وقد يكون تحته نوع ، وفوقه نوع ، وهو النّوع المتوسّط ، كالجسم النّامی ،

والحيوان ، وقد لايكون تحته نوع ، ويكون فوقه نوع وهو النّوع السّافل ، ويقال له نوع الأنواع أيضاً ، وإنّما سُمّى السّافل بنوع الأنواع ؛ لأنّ نوعيّة الشّىء إنّما يكون بالقياس إلى ما فوقه .



السؤال : حرّروا تعريف المعرّف ، والنّسبة بين المعرّف (بالكسر) والمعرّف (بالفتح) فى العموم والخصوص ؟

الجواب : المعرّف للشّيء هو الذى يستلزم تصوّره تصوّرذلك الشّيء ، أو إمتيازه عن كلّ ما عداه .

ثمّ المعرّف : إمّا أنْ يكون نفس المعرّف (بالفتح) أو غيره ، لا جائز أنْ يكون نفس المعرّف ؛ لوجوب أنْ يكون المعرّف (بالكسر) معلوماً قبل المعرّف (بالفتح) والشّيءُ لا يُعلم قبل نفسه ، فتعيّن أنْ يكون غير المعرّف (بالفتح) . فبعد ثبوت المغائرة لا يخلوإمّا أنْ يكون مساوياً للمعرّف (بالفتح) أو أعمّ منه ، أو أخصّ منه ، أو مبائناً له ، لا سبيل إلى أنّه أعمّ من المعرّف (بالفتح)؛ لأنّ الأعمّ قاصر عن إفادة التّعريف ؛ فإنّ المقصود من التّعريف إمّا تصوّر حقيقة المعرّف ، أو إمتيازه عن جميع ما عداه ، والأعمّ من الشّيء لا يفيد شيئا منهما ، ولا إلى أنّه أخصّ ؛ لكونه أخفى ؛ لأنّه أقلّ وجوداً فى العقل ؛ فإنّ وجود الخاص فى العقل مستلزم لوجود العام ، ورُبما يُوجد العام فى العقل بدون الخاص ، ولا سبيل إلى أنّه مبائن ؛ لأنّ الأعمّ والأخصّ لمّا لم يَصلُحا للتّعريف مع قربهما إلى الشّيء ، فالمبائن بالطّريق الأولى ؛ لأنّه فى غاية البُعد عنه ، فوجب أنْ يكون المعرِّف مساوياً للمعرَّف فى العموم والخصوص.

السؤال : حرّروا معنىٰ قولهم:" لا بدّ أنْ يكون التّعريف جامعاً ومانعاً ، أو مطّردا ومنعكساً "؟

الجواب : معنى الجامعيّة : أنْ يكون المعرّف متناولا لكلّ واحد من أفراد المعرّف بحيث لا يشذّ منه فرد ، وهذا معنى قولهم : كلّما صدق عليه المعرّف (بالفتح) صدق عليه المعرّف (بالكسر) ، ومعنى المانعيّة : أنْ يكون المعرّف بحيث لا يدخل فيه شيء من أغيار المعرّف (بالفتح) ، والاطراد بمعنى المنع ، والانعكاس بمعنى الجمع .

السؤال :حرّروا أقسام التّعريف مفصّلاً ؟

الجواب : اعلم : أنّ التّعريف على قسمين : الأوّل حقيقى : وهو ما فيه تحصيل صورة غير حاصلة .والثّانى لفظى:وهومالايكون فيه تحصيل صورة بل يكون الالتفات إلى الصّورة الحاصلةفى الذّهن ثانياً ،كمافى تعريف الغضنفر بالأسد ، فإنّ صورة الأسد كانت حاصلة لنا ومعلومة لنا ، ولكنا لم نعرفه بلفظ الغَضنفر فإذا أورد فى تعريف الغضنفر يلتفت إليه ثانيا .

والحقيقى على قسمين : تعريف بحسب الحقيقة : إنْ كان تحصيل صورة غير حاصلة علم وجودها فى الخارج ، كالحيوان النّاطق فى تعريف الإنسان وهو قد يكون بالكُنْه ، وقد يكون بالوَجه .

وتعريف بحسب الاسم: إنْ كان تحصيل صورة غير حاصلة لم يُعلم وجودها فى الخارج سواء وجدت

فيه أو لم يوجد ، كتعريف العَنْقاء بالطّائر المخصوص الذى عدم وجوده ، وهو أيضاً أعمّ من أنْ يكون بالكُنه أو بالوجه .

فكلّ واحد منهمايكون حداً ورسماً ، تامّاً و ناقصاً ، فترتقى أقسام التّعريف إلى التّسعة ، أربعة للتّعريف الحقيقى بحسب الحقيقة :وهى حدٌ ورسمٌ، وكلّ واحدمنهما تامّ وناقص ، وأربعة للتّعريف بحسب الاسم ، وهى حد ورسمٌ ، وكلّ واحد منهما تامّ وناقص ، والقسم التّاسع اللّفظى .

قالَ بعض العلماء :ثمّ كلّ واحد من التّام والنّاقص إمّا حقيقى أو مجازى ، فيكون مجموع أقسام التّعريف سبعة عشر واحد منها للتّعريف اللّفظى ، والبواقى وهى ستة عشر للتّعريف الحقيقى .

ثمّ الثّمانية منها للتّعريف الحقيقى بحسب الحقيقة، بأنْ تكون أربعة من تلك الثّمانية للتّعريف الحقيقى بحسب الحقيقة حقيقة ،وأربعة أخرى منها للتعريف الحقيقى بحسب الحقيقة مجازاً ، والثّمانية الباقية منها للتّعريف الحقيقى بحسب الاسم ، بأنْ تكون أربعة أخرى منها للتّعريف الحقيقى بحسب الاسم حقيقة،وأربعة أخرى منها للتّعريف الحقيقى بحسب الاسم مجازا.

السؤال : حرّرواوجه حصر التّعريف فى الأقسام الأربعة الذّائعة المشهورة مع بيان وجوه الأسامى ، والأمثلة ؟

الجواب : اعلم : أنّ التّعريف إمّا بمجرد الذّاتيات أولا ، فإنْ كان بمجرد الذّاتيات ، فإمّا أنْ يكون بجميع الذّاتيات ، وهو الحدّ التّام ، أو ببعضها وهو الحدّ النّاقص ، وإنْ لم يكن بمجرد الذّاتيات ، فإمّا أنْ يكون بالجنس القريب والخاصة وهو الرّسم التّام ، أو بغير ذلك فهو الرّسم النّاقص .

وجوه الأسامى مع بيان الأمثلة : الحد التّام : ما يترَكّب من الجنس والفصل القريبين ، كتعريف الإنسان بالحيوان النّاطق ، أمّا تسميته حداً ؛ فلأنّه فى اللّغة المنع ، وهو لاشتماله على الذّاتيات مانع عن دخول الأغيار الأجنبيّة فيه .وأمّا تسميته تاماً ؛ فلذكر الذّاتيات فيه بتمامها .

والحد النّاقص: ما يكون بالفصل القريب وحده ، أو به وبالجنس البعيد ، كتعريف الإنسان بالنّاطق،أو بالجسم النّاطق ، أمّا أنّه حد ؛فلما ذكرنا ، وأمّا أنّه ناقص ؛ فلحذف بعض الذّاتيات عنه .

والرّسم التّام : ما يترَكّب من الجنس القريب والخاصة ، كتعريفه بالحيوان الضّاحك ، أمّا أنّه رسم؛ فلأنّ رسم الدّار أثرها ، ولما كان هذا التّعريف تعريفا بالخارج اللّازم الذى هو أثر من آثار الشّىء ، فيكون تعريفاً بالأثر ، وأمّا أنّه تام ؛ فلمشابهة الحد التّام من حيث أنّه وضع فيه الجنس القريب وقُيّد بأمر يختصّ بالشّى .

والرّسم النّاقص : ما يكون بالخاصة وحدها ، أو بها وبالجنس البعيد ، كتعريف الإنسان بالضّاحك ، أو

بالجسم الضّاحك ، أمّا كونه رسماً فلما مرّ ، وأمّا كونه ناقصاً فلحذف بعض أجزاء الرّسم التّام عنه .

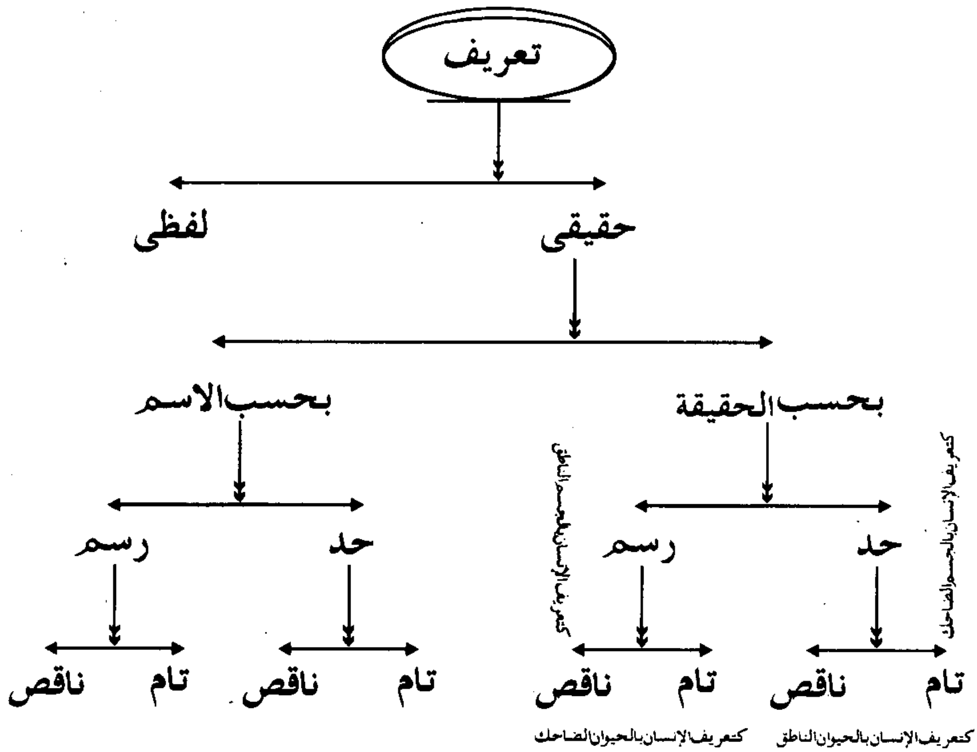
السؤال : ههنا أقسام أُخر : وهى التّعريف بالعرض العام مع الفصل ، أو مع الخاصة ، أو بالفصل مع الخاصة ، فلِمَ تركها ؟

الجواب : لم يعتبروا هذه الأقسام ؛ لأنّ الغرض من التّعريف إمّا التّمييز أوالاطّلاع على الذّاتيات ، والعرض العام لا يفيد شيئا منهما ، فلا فائدة فى ضمّه مع الفصل والخاصّة ، وأمّا المركّب من الفصل والخاصة فالفصل فيه يفيد التّميز والاطّلاع على الذّاتى ،فلا حاجة إلى ضمّ الخاصّة إليه ، وإنْ كانت مفيدة للتّمييز ؛ لأنّ الفصل أفاده مع شىء آخر ، وهو الاطّلاع على الذّاتى .

السؤال : حرّروا وجوه اختلال التّعريف ؟

الجواب : اعلم : أنّ وجوه اختلال التّعريف إمّا معنوية أو لفظيةٌ : أمّا المعنويّة فمنها تعريف الشّىء بما يُساويه فى المعرفة والجهالة (أى يكون العلم بأحدهما مع العلم بالآخر والجهل بأحدهما مع الجهل بالآخر) كتعريف الحركة بما ليس بسكون ، فإنّهما فى المرتبة الواحدة من العلم والجهل ، فمن علم أحدهما علم الآخر ، ومن جهل أحدهما جهل الآخر ، والمعرّف يجب أنْ يكون أقدم ؛ لأنّ معرفة المعرّف علّة لمعرفة المعرَّف ، والعلّة مقدّمة على المعلول ، ومنها تعريف الشّىء بما يتوقّف معرفته عليه إمّا بمرتبة واحدة ، ويُسمّى دوراً مصرّحاً ، كما يقال : الكيفيّة ما بها يقع المشابهة ، ثمّ يُقال المشابهة : اتفاق فى الكيفيّة ، وإمّا بمراتب ويُسمّى دوراًمضمراً، كما يُقال: الاثنان زوج أوّل ،ثم يقال:الزّوج الأوّل هو المنقسم بمتساويين ،ثم يقال المتساويان هما الشّيئان اللّذان لايفضُل أحدهما على الآخر ، ثمّ يقال : الشّيئان هما الاثنان .

وأمّا الأغلاط اللّفظية : فإنّما يتصوّر إذا حاول الإنسان التّعريف لغيره ، وذلك بأنْ يستعمل فى التّعريف ألفاظاً غريبة غير ظاهر الدلالة بالنّسبة إلى ذلك الغير ، فيفوت غرض التّعريف ، كاستعمال الألفاظ الغريبة الوحشيّة ، مثل أنْ يُقال : النّار أُسطُقُسٌّ فوق الأسطقُسّات ، وكاستعمال الألفاظ المجازيّة ، فإنّ الغالب تبادرالمعانى الحقيقية إلى الفهم ، وكاستعمال الألفاظ المشتركة ، فإنّ الاشتراك مُخلّ لفهم المعنى المقصود ، نعم لو كان للسّامع علم بالألفاظ الوحشيّة ، وكان هناك قرينة دالة على المراد جاز استعمالها فيه .


تعريف
حقيقى
لفظى
بحسب الحقيقة
بحسب الاسم
حد
رسم
حد
رسم
تام
ناقص
تام
ناقص
تام
ناقص
تام
ناقص
كتعريف الإنسان بالجسم الضاحك
كتعريف الإنسان بالجسم الناطق
كتعريف الإنسان بالحيوان الناطق
كتعريف الإنسان بالحيوان الضاحك

بسم الله الرحمن الرحيم

التصديقات

السوال : المقصود الأصلي في هذاالفنّ بيان القول الشّارح والحجة فمالأهل هذا الفنّ يشرعون بعد فراغهم عن بيان القول الشّارح بمباحث القضيّة وأقسامهامع أنّ المناسب لهم أنْ يشرعوابيان الحجّة بعد فراغهم عن بيان القول الشّارح ؟

الجواب: أقول :كما أنّ للقول الشّارح مبادى يتوقّف عليها ويجب تقديمها عليه وهى مباحث الكليات الخمسة ليتركّب المعرّف منها ،كذلك للحجّة مباد تتركّب منها ، وتتوقّف معرفتها على معرفة تلك المبادى ، وهى مباحث القضايا فلذلك قدم مباحث القضيّةوأقسامها.

السوال: حرّرواتعريف القضيّةمع بيان فوائد القيودات أوّلا، ثمّ زيّنوالقرطاس بأقسامهاالأوّليّة ثانيا اكتبوا الفرق بين الأقسام الأوّليةوالثانوية ثالثا؟

الجواب: تعريف القضيّة: القضيّة قول يحتمل الصّدق والكذب ، وقيل:هوقول يصحّ أنْ يقال لقائله إنّه صادق فيه أوكاذب فالتّعريف الأوّل باعتبارأنّ الصّدق والكذب وصفان للقضيّة ، والثّانى باعتبار أنّهماوصفان للمتكلّم.

فوائدالقيودات : فقوله:"قول " جنس يشتمل الأقوال التّامة ، مثل زيد قائم، والنّاقصة ، مثل: غلام زيد.

اعلم :أنّ القول يُطلق على الملفوظ والمعقول ، فالقول الملفوظ جنس للقضيّةالملفوظةوالقول المعقول جنس للقضيّةالمعقولة .

وقوله:" يصحّ أنْ يُقال لقائله آه" فصل يخرج الأقوال النّاقصة والإنشاآت كلّهامن الأمروالنّهى وغيرها.

الأقسام الأوّلية للقضيّة: القضيّة قسمان:حمليّة وشرطيّة ؛ لأنّها إنْ لم توجدفى شى من طرفيهاالدّلالة على النّسبة التّامةفهى حمليّة ،كقولك :"الإنسان حيوان ،وإنْ وجدت فإمّاأنْ توجد فى أحد الطرفين أوفى كليهما، فإنْ وجدت فى أحدالطرفين فهى أيضاً حمليّة ، كقولنا:" زيد أبوه قائمٌ" وإنْ وجدت فى كليهما ، فإمّا أنْ تكون ملحوظة إجمالاً أو تفصيلاً، فإنْ كانت ملحوظة إجمالاً فهى أيضاً حمليّة ، نحو: زيدٌ عالمٌ نقيضه زيد ليس بعالم؛ لأنّه بمنزلة أنْ يُقال : هذه القضيّه نقيض تلك القضيّة ، وإنْ كانت ملحوظة تفصيلافهى شرطيّة كذا أفادالسّيدقدّس

سرّہ وهذاأحسن الطّرق فی تقسيم القضيّه فلا يرد الاعتراضات الواردة فی هذاالمقام .

وههنا طريقان آخران الأوّل:أنّ القضيّة قسمان حمليّة و شرطيّة ، أمّاالحمليّةفهی ماحكم فيهابثبوت شیء لشیء أونفيه عنه ،كقولك :"زيدٌ قائمٌ وليس بقائم" وأمّاالشّرطية فمالايكون فيها ذلك الحكم.

والثّانی:أنّ القضيّة قسمان:حمليّة وشرطيّةفالشرطيّةماينحلّ إلی قضيتين ،كقولنا : إنْ كانت الشّمس طالعة فالنّهار موجود ، وليس ألبتّة إذاكانت الشّمس طالعة فاللّيل موجود ، فإذاحذفت الأدوات بقی الشّمس طالعةوالنّهار موجود ، والحمليّة مالا ينحلّ إلی قضيتين بل ينحلُّ إمّاإلی مفردين ،كقولك:زيد قائم فإنك إذاحذفتَ الرابطةَ أعنی هو بقی زيدٌ قائم، وهمامفردان ، وإمّاإلی مفرد وقضيّة ،كما فی قولك :" زيدأبوه قائم" فإذاحللّتَه بقی زيدٌ وهومفرد وأبوه قائمٌ وهوقضيّة .

اعلم:أنّ معنی الانحلال أنْ تحذف الأدوات الدّالةعلی ارتباط أحد همابالآخر .

فإن قلت:قولنا:"الحيوان النّاطق ينتقل بنقل قدميه ،" وقولنا:"زيد عالم يضاده زيد ليس بعالم ، "وقولنا :"الشّمس طالعة يلزَمه النّهار موجودٌ" حمليات مع أنّ أطرافها ليست بمفردات فانتقض التّعريفان طردا وعكسا ؟

فنقول:المراد بالمفرد إمّاالمفرد بالفعل أوالمفرد بالقوّة ، وهوالذی يُمكن أنْ يعبّر عنه بلفظ مفرد ، والأطراف فی القضاياالمذكورة وإنْ لم تكن مفردات بالفعل إلاأنّه يُمكن أنْ يعبّر عنها بالألفاظ المفردة وأقلّها أنْ يقال هذا ذاك ، أوهوهو، أوالموضوع محمول بخلاف الشّرطيات ؛ فإنّه لايمكن أنْ يعبّرعن أطرافهابألفاظ مفردة. (هذاالاعتراض لايرد علی التّقسيم الذی ذكرناه أوّلاً)

الفرق بين الأقسام الأوّليّة والثّانوية: الأقسام الحاصلة للشّیء أوّلاً وبالذّات أقسام أوّليّةوالأقسام الحاصلةللشّیء بالواسطةأقسام ثانوية ،كالكلمة :أوّلاً علی ثلاثة أقسام :اسمٌ ، و فعلٌ، وحرفٌ ،فهذه الأقسام أوّليّةلها ، ثمّ الاسم علی قسمين :معرب ومبنیّ:فالمعرب والمبنی قسمان للكلمة لكن بواسطةالاسم فهی أقسام ثانوية لها .

السوال: ياأيّهاالإخوان الكرام ! لِمَ ترك صاحب القطبی التّعريف المشهور للقضيّة وهو قول يحتمل الصّدق والكذب ، واختارتعريفاآخر وهو قول يصحّ أنْ يُقال لقائله إنّه صادق فيه أوكاذب؟

الجواب: لمّاكان تعريف الجُمهورمستلزمًاللدّور بحيث أنّ الصّدق والكذب مطابقة الخبرللواقع وعدم مطابقته له ، والخبروالقضيّة مترادفان ، فتوقّف القضيّة علی الصّدق والكذب المتوقّفين علی الخبرالذی هو مرادف القضيّه ، فكأنّ معرفةالقضيّةموقوف علی الصّدق والكذب ومعرفتهما موقوف علی معرفةالخبروالقضيّة ، وإنْ هذا إلّا دورٌ مُبين ، فلذاتركه واختارتعريفاآخر، لكن نقول من جانب الجُمهور :إنّ المراد من الصّدق والكذب المعنی

المصدری(یعنی الصّدق هو المطابقة للواقع والکذب هو اللا مطابقة له)، وهذاالمعنی لایتوقّف علی معرفة الخبروالقضیّة فلایلزَم الدّور ،أونقول:الصّدق والکذب بد یهی فلایتوقّف معرفتهماعلی معرفة الخبر، فلایلزَم الدّور.

السوال: حرّرواأجزاء القضیّةالحملیّة مع أسمائها ووجوه تسمیتهاأوّلاً ، ثمّ تقسیمهاباعتبار الرّابطة وباعتبار النّسبةالحکمیّة ، وباعتبار التّحصیل والعدول ، وباعتبار الموضوع مع بیان أقسام المحصورة ، وباعتبار المحکی عنه ثانیاً ،توجروا أجرًا جزیلاً آخراً؟

الجواب: اعلم: أنّ الحملیّة تلتئم من أجزاء ثلاثة عندالقدماء:أحدهاالمحکوم علیه ، ویُسمّی موضوعاً ؛لأنّه قدوضع لیُحکم علیه بشیء ، والثّانی المحکوم به ، ویُسمّی محمولالحمله علی شیء والثّالث الدّال علی الرّابطة ، ویُسمّی رابطة ؛لدلالتها علی النّسبة الرّابطة تسمیة الدّال باسم المدلول.

تقسیم الحملیّة باعتبارالرّابطة: الحملیّة باعتبار الرّابطة قسمانِ :ثنائیة ، وثلاثیّة ، الرّابطة قد تذکر ، فتُسمّی القضیّة ثلاثیّة ،کمافی قولك:زیدٌ هو قائمٌ ، وقدتحذف ، فتُسمّی ثنائیّة ،کمافی قولك :زیدٌ قائمٌ، والرّابطة محذوفة ، وهی هو.

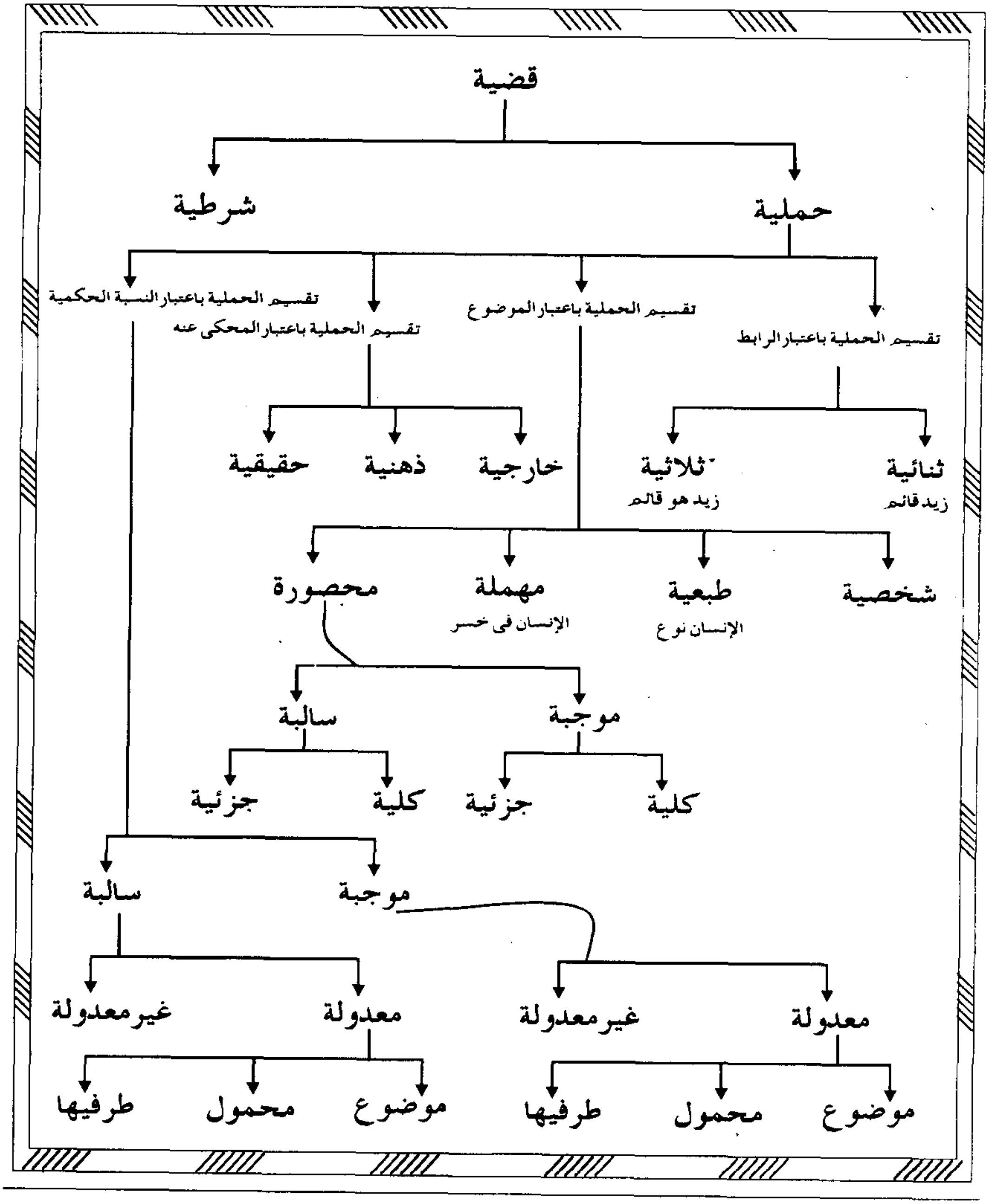
تقسیم الحملیّة باعتبار النّسبة الحکمیّة: الحملیّة بهذاالاعتبار قسمان: موجبة وسالبة ؛ لأنّ النّسبة بین الموضوع والمحمول إنْ کانت بحیث یصحّ أنْ یقال: إنّ الموضوع محمول فموجبةٌ ، وإنْ کانت بحیث یصحّ أنْ یقال: إنّ الموضوع لیس بمحمول فسالبة ، ثمّ کلّ منهماقسمان:معدولة وغیر معدولة ، فالمعدولة مایکون فیه حرف السّلب جزء من الموضوع ، أوالمحمول ، أوکلیهما ، وغیر معدولة: بخلافها ویُسمّی غیر المعدولة فی الموجبة مُحصّلة وفی السّالبة البسیطة .

تقسیم الحملیّة باعتبار الموضوع: الحملیّة باعتبار الموضوع علی أربعة أنواع: مخصوصة ، وطبعیّة ، ومهملة، ومحصورة ؛ لأنّ موضوعها إنْ کان جز ئیاً وشخصاً معیّناً سمیّت القضیّة شخصیّة ومخصوصة ، وإنْ لم یکن جزئیاً بل کان کلیّاً فهو علی أنحاء ؛ لأ نّهاإنْ کان الحکم فیها علی نفس الحقیقة تُسمّی طبعیّة ، وإنْ کان علی أفرادها فلا یخلواإمّاأنْ یکون کمیّة الأفراد فیها مبیّناً أولم یکن ، فإنْ بیّن کمیّةُ الأفراد تُسمّی محصورة ، وإنْ لم یُبیّن تُسمّی مهملة .

ثمّ المحصورة علی أربعة أنواع:موجبة کلیّة ، سالبة کلیّة ، موجبة جزئیة ، وسالبة جزئیة ،لأنّ الحکم فیها إمّا بالإیجاب ، أو بالسّلب ، وعلی التّقدیرین إمّاعلی کلّ الأفراد أوبعضها ، فإنْ حُکم بالإیجاب علی کلّ الأفراد فموجبة کلیّة ،وإنْ حُکم بالإیجاب علی بعضها فموجبة جزئیّة ، وإنْ حُکم بالسّلب علی کلّها فسالبة ،کلیّة وإنْ حُکم بالسّلب علی بعضهافسالبةجزئیّة .

تـقسيـم الـحـمـليّة بـاعتبـار الـمحكى عنه: اعلم أنّ الحمليّة بهذاالاعتبار على ثلاثة أقسام: الخارجيّة ، والـذهنيّة والحقيقيّة ، لأنّ الحكم فى الحمليّة موجبة كانت أو سالبة إنْ كان بحسب الخارج فخارجيّة ، وإنْ كان بحسب الذّهن فذهنيّة ، وإنْ كان بحسب نفس الأمرفحقيقيّة.

وعليك بملاحظة الجدول



السوال: حررّوا معنى السّور لغةً واصطلاحاً والمناسبة بين المعنيين أوّلاً ،ثمّ اكتبواأسوارَ المحصورات الأربع مع أمثلتها ثانياً ، وعليكم بالفرق بين الأسوار الثّلاثة للسّالبة الجزئيّة ، وهى ليس كلّ ، وليس بعض ، وبعض ليس ثالثاً ؟

الجواب: اعلم:أنّ السُّور فى اللّغة يقال للجِدار الذى حول البِلاد للحفاظة ، وفى الاصطلاح لفظ يُبيّن به كميّةُ الأفراد من الكليّة والبعضيّة .

وجه المناسبة : كماأنّ سُور البلاد يحصُر البلاد ويُحيط به كذلك اللّفظ الدّال على كميّة الأفراديحصر ها ويُحيط بها.

أسوار المحصورات: سورالموجبة الكلية كلّ ، ولام الاستغراق ،كقولنا:كلّ إنسان حيوان ، وسورالموجبة الجزئيّة بعضٌ وواحدٌ ، كقولنا: الحيوان أسود وسورالسّالبة الكليه لاشىء ، ولاواحد ، ووقوع النّكره تحت النّفى ، كقولنا:لاشىء من الغُراب بأبيض ، ولاواحد من النّار باردٍ ، ونحو ما من ماءٍ إلّا وهورطب . وسورالسّالبة الجزئيّة ليس كلّ ، وليس بعض ، وبعض ليس ،كقولنا: ليس كلّ حيوان إنساناً.

☆ الفرق بين الأ سوارالثّلاثة (أى ليس كلّ وليس بعض وبعض ليس)☆

اعلم: أنّ ليس كلّ دال على رفع الإيجاب الكلى بالمطابقة ، وعلى السّلب الجزئى بالالتزام ، وليس بعض ، وبعض ليس بالعكس ؛ لأنّا إذاقلنا: ليس كلّ حيوان إنسانًا فمفهومه الصّريح عدم ثبوت الإنسان لكلّ واحد واحد من أفراد الحيوان ، وهو رفع الإيجاب الكلى ،ومن لوازمه السّلب الجزئى ؛ لأنّه إذاارتفع الإيجاب الكلىّ ، فإمّا اَن يكون المحمول مسلوباًعن بعض ، أوثابتاً للبعض ، وعلى كلا التّقديرين يصدُق السّلب الجزئىّ جزماً،وإذاقلنا: بعض الحيون ليس بإنسان ، أوليس بعض الحيون إنساناً يكون مفهومه الصّريح سلب الإنسان من بعض أفراد الحيوان للتّصريح بالبعض ، وإدخال حرف السّلب عليه وهو السّلب الجزئىّ وأمّا أنّهما يدلّان على رفع الإيجاب الكلى بالالتزام ؛ فلأنّ المحمول إذاكان مسلو بامن بعض الأفراد لايكون ثابتاً لكلّ الأفراد فيكون الإيجاب الكلىّ مُرتفعاً هذاهو الفرق بين ليس كلّ والأخيرين .

☆ الفرق بين ليس بعض وبعض ليس ☆

اعلم:أنّ ليس بعض قديُذكر للسّلب الكلىّ ؛ لأنّ البعض غير معيّن وقد جاء تحت النّفى ، فأشبه النّكرة فى سياق النّفى فتُفيدالعموم مثلها،بخلاف بعض ليس ؛ فإنّ البعض ههنا وإنْ كان غير معيّن أيضًا إلّا أنّه ليس واقعاًفى سياق النّفى ، وبعض ليس قديُذكر للإيجاب العدولى الجزئىّ حتّى إذاقيل: بعض الحيوان هو ليس بإنسان

أريدبه إثبات الّلاإنسانية لبعض الحيوان لاسلب الإنسانيّة عنه ، بخلاف ليس بعض إذلايمكن تصور الإيجاب مع تقدم حرف السّلب على الموضوع .

السوال: ياأيها الإخوان الكرام ! عليكم بالفرق بين مهملة المتقدمين والمتأخّرين أوّلاً، ثمّ أوضحوااختلافهم فى موضوع القضيّةالمحصورة ثانياً، واكشفواالغطاء عن قول المناطقه"مهملةالمتأخّرين تُلازم الجزئيّة"؟

الجواب: تعريف المهملة عندالقدماء: قضيّة يكون الموضوع فيها أمراً كليّاً بلازيادةشرطٍ ، ولهذاتُسمّى مهملة ؛لأنّها ماخوذة من الإهمال ومعناه التّرك وفيها ترك شرطٍ زائدٍ.

تعريف المهملة عند المتأخّرين: قضيّة يكون الحُكم فيها على الأ فراد مع عدم ذكرالكميّة فيها ، وتُسمّى مهملة ؛ لتَرك بيان الكميّة فيها.

حاصل الكلام:أنّ المحكوم عليه فى المهملة الماهيّة من حيث هى عند المتقدّمين ،كقولنا : الحيوان مقوّم للإنسان .وأفراد غير مقدرة عند المتأخّرين ، كقولنا: الإنسان فى خسر.

☆ اختلاف المتقدّمين والمتأخرين فى موضوع المحصورة☆

عند المتقدّمين: المحكوم عليه بالذّات فيها الحقيقة الكليّة ،كما فى الطّبعية والمهملة عند هم.

فإنْ قلت: فكيف يُفرّقون بين المحصورة والطّبعية والمهملة ؟

نقول: عند هم موضوع المحصورة طبعيّة من حيث الانطباق على الأفراد ، وموضوع الطّبعيّة من حيث العموم ، وموضوع المهملة طبعيّة من حيث هى .فالفرق باختلاف الحيثيات والاعتبارا ت ولو لا الحيثيّات والاعتبارات لبطلتِ الحكمة.

وعندالمتأخّرين :المحكوم عليه بالذّات فى المحصورة أفراد ، ثمّ الأفراد على قسمين واقعية واعتبارية فالأفراد الواقعية ماجاء تحصلّها بأمورواقعيّة ،كالأفراد النّوعيّة والشّخصيّة ، والأفراد الاعتبارية ماجاء تحصلّها بأموراعتباريّة كالحصة والفرد ، والمعتبر عند المناطقة الأفراد الواقعيّة .

معنى قولهم:" المهملة عند المتأخّرين فى قوّة الجزئيّة ".

اعلم: أنّ المهملة عند هم تلازم الجزئيّة فإنّه إذاصدق قولنا: الإنسان فى خسر صدق بعض الإنسان فى خسر، وبالعكس (أى إذاصدق بعض الإنسان فى خسرصدق الإنسان فى خسر).

السوال: حرّروا وجه تعبير المناطقة عن الموضوع بـ "ج "وعن المحمول بـ "ب" ولِمَ اختاروا هذين اللّفظين من بين حروف الهجاء، ثمّ المناسب أنْ يعبّرواعن الموضوع بـ "ب" وعن المحمول بـ"ج" فلِمَ عكسوا،

وكيف يُتلفّظ بها بسيطاً أم مركّباً عليكم بكشف الغطاء عن الاختلاف .

الجواب : اعلم: أنّ المناطقة يعبّرون عن الموضوع بـ"ب" وعن المحمول بـ"ج" لفائد تين:

أحدهما الاختصار، فإنّ قولنا: كلّ ج ب ، أخصر من قولنا: كلّ إنسان حيوان ، وثانيهما دفع توهّم الانحصار ، فإنّهم لو وضعوا للموجبة الكليّة مثلاً قولنا: كلّ إنسان حيوان وأجروا عليه الأحكام أمكن أنْ يذهبَ الوهمُ إلى أنّ تلك الأحكام إنّما هى فى هذه المادّة دُون الموجبات الكليّات الأُخر .

☆ وجه اختيار هذين الحرفين ☆

اعلم: أنّ أوّل حروف الهجاء ألِف، لكن الألف السّاكنة لا يُمكن التّلفظ بها ، والمتحرّك ليست لها صورة فى الخطّ ،فاعتبروا"الباء" ثمّ الحرف الثّانى الذى يتميّز عن ب فى الخطّ وهو "ج" وعكسُواالتّرتيب الذّكرى ، فلم يقولوا: كلّ ب ج ،للإشعار بأ نّهما خارجان عن أصلهما ، و هوأنْ يُراد بهما نفسهما .

☆كيف يتلفّظ بهما بسيطاً أم مركّباً ☆

اختلف العلماء فى هذه المسئلة فقال صاحب سلّم العلوم :" والأشهر التّلفظ بهما اسما مركّبا ،كالمقطّعات القرآنيّة ، ويدلّ على ذلك أنّهم يعبّرون بالجيْم والجيميّة والباء والبائيّة " وقال الشّيخ عصام الدّين : "الحق أنْ يتلفّظ به مركّبا ويقال كلّ جيم بآء والتّلفظ البسيط خطأ وإنْ صار مجمعاً عليه" فرأى الشّيخ وصاحب السلّم واحد وقال الفاضل الّلاهورى ، والفاضل الخيرآبادى والفاضل العماد: الأشهر التّلفظ بهما اسماًبسيطاً .

واستدلّوعليه بوجوه ثلاثة: الأوّل: أنّ المقصود فى التّعبير بهما ليس إلّا الاختصار وذلك فى التّلفظ بالبسيط .

والثّانى: أنّه لوتلفّظ بهما اسماً مركّباً ينتقل الذّهن إلى مُسمّياتهما ؛ لأنّها هى المتبادرة من إطلاق لفظ الجيم والباء لا الموضوع والمحمول والمقصود هو هذا ، لاذاك .

والثّالث: أنّ كتابتهما بسيط فينبغى أنْ يُتلفّظ بهما بسيطاً ، والأجوبة عن دلائل صاحب سلّم العلوم فى شروح السلّم فعليك بالمراجعة.

السوال: حرّروا معنى الحمل لغةً واصطلاحاً ، وأقسامه مع الأمثلة ؟

الجواب: اعلم: أنّ الحمل فى الّلغة هو الحكم بالثّبوت أو بانتفائه ، وفى الاصطلاح اتحاد المتغائرين فى المفهوم بحسب الوجود ، ففى قولك: زيدٌ كاتب وعمرو شاعر مفهوم زيدمغائر لمفهوم كاتب ، لكنّهما موجودان بوجود واحد وكذا مفهوم عمرومفهوم شاعرمتغائران ، وقد اتحدافى الوجود .

ثمّ الحمل على قسمين :لأنّه إنْ كان بواسطة فى أوذو أوالّلام كما فى قولك: زيد فى الدّار والمال

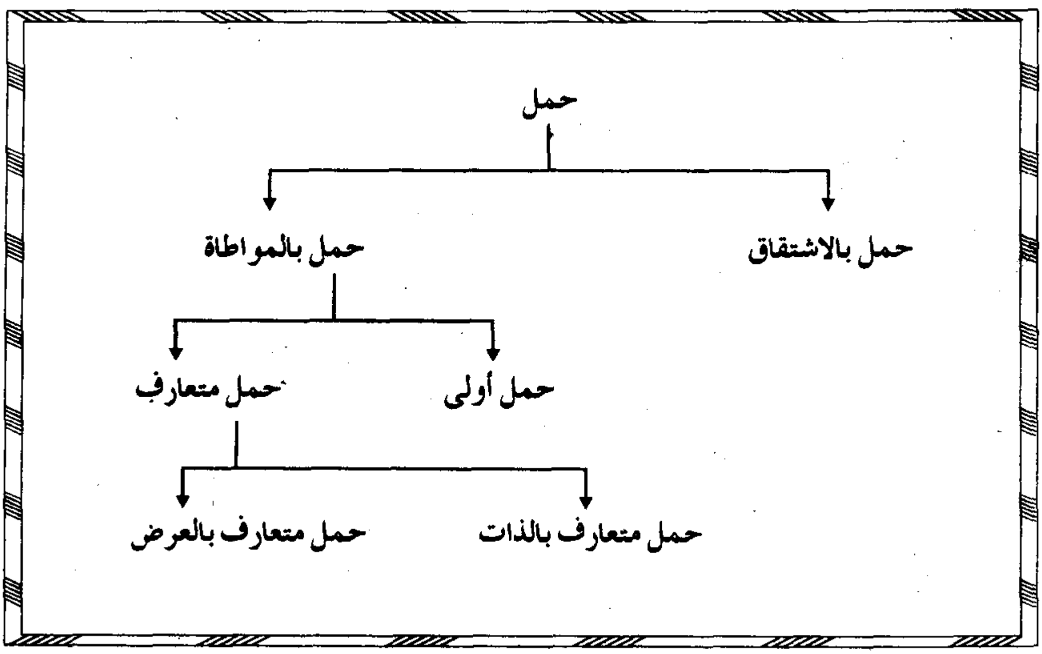
لزيد وخالدذومال يُسمّى الحمل بالاشتقاق ، وإنْ لم يكن كذلك بل يُحمل شيء على شيء بلاواسطة هذه الوسائط ، يقال له الحمل بالمواطاة نحو عمرو طبيب وبكر فصيح ، ثمّ الحمل بالمواطاة على قسمين حمل أولى وحمل متعارف .

تعريفهما:اعلم أنّ الحمل إنْ عنى به أنّ الموضوع بعينه المحمول ذاتاً ووجوداً، فسُمّى ذلك الحملُ الحمل الأوّلى مثل: الإنسان إنسان .

فإن قلت: إنّ الحمل الأولى لا تغاير فيه بين الموضوع والمحمول ، ولا بُدّ فى الحمل من التّغاير، كما عرفتَ فى تعريفه .

قلت: التّغائر فيه موجود فإنّ الإنسان المتعقّل مرّة أُولى مغاير للإنسان المتعقّل أُخرى ، وهذا القدر من التّغاير يكفى ، وإنْ اقتصر فيه على مجرّد اتّحاد فى الوجود ، لافى الذّات ، فسُمّى الحمل الشّائع المتعارف ، كقولنا: الإنسان نوع ، وهذاالقسم من الحمل هو المعتبر فى العلوم .

ثمّ الحمل المتعارف على قسمين حمل بالذّات وحمل بالعرض فإنْ كان المحمول ذاتياً ، فالحمل المتعارف بالذّات ، كقولنا: الإنسان حيوان ، وان كان المحمول عرضاً فالحمل المتعارف بالعرض ، كقولنا: الإنسان كاتب .



زمانہ اپنی ہر کروٹ میں لاکھوں رنگ بدلتا ہے
مگر اس کو بھی حسرت ہے کہ ہو گرگٹ نہیں سکتا
(حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ)

الہامی گرگٹ

یعنی

متنبی قادیان کے مختلف بہروپ

مرتبہ

مولانا ابوالبشیر صاحب عرفانی (علامہ مولوی فاضل)

صدر مجلس تحفظ ختم نبوت احمد پور شرقیہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ۔ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔ یعنی میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے مدعی نبوت ظاہر ہوں گے اور حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری نے فتح الباری میں ایک روایت امام بیہقی سے نقل کی ہے جس میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی تعداد ستر بتلائی گئی ہے ۔ دونوں روایتوں کو تطبیق دیتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں گرے پڑے احمق ، بے عقل اور دماغی توازن کھونے والے تو ستر کے قریب ہوں گے لیکن جن کا فتنہ امت کو پریشان کرے گا وہ تیس کے قریب ہیں ۔ ہمارا یقین ہے کہ مرزا قادیانی ان تیس دجالوں میں ایک ہے جس کے فتنے نے امت مسلمہ کو پریشان کر رکھا ہے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ فرمائے ۔ آمین ۔

قبل ازیں یہ رسالہ " الہامی گرگٹ " کے نام سے شائع ہوا تھا ۔ ہماری مجلس احمد پور شرقیہ کے امیر نے لکھا تھا فوری طور پر ایک ہزار طبع کرایا گیا تھا چند دنوں میں وہ ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اگرچہ اس موضوع پر ہمارے اکابر مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دعاوی مرزا کے نام سے ایسے ہی حضرت

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح نے بھی اسی نام سے لکھا تھا لیکن ہمارے محترم بھائی عرفانی نے اس میں جو دلچسپی پیدا کی وہ اس کے نام سے ظاہر ہے اب دوبارہ اسے لکھ کر ملتان سے شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلے یہ رسالہ اس وقت شائع کیا جا رہا تھا جب قادیانی فرقہ سرکاری طور پر مسلمان کہلاتا تھا مگر اس وقت سرکاری طور پر بھی قادیانی غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ قادیانی سربراہ مرزا غلام احمد کے درج ذیل عقائد باطلہ اور دعاوی کفریہ کی وجہ سے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ امت مسلمہ کے مسلّمہ بزرگ امام الائمہ سراج الامۃ حضرت نعمان بن ثابت الملقب بابی حنیفہ رح کا رو لنگ ہے جس کو شرح فقہ اکبر میں علامہ علی قاری رح نے بایں الفاظ نقل کیا ہے دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔ ترجمہ:۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالاتفاق دعوٰی نبوت کفر ہے (شرح فقہ اکبر)

قارئین کرام یہ سن کر تعجب کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادنی تک کئی لوگ مدعی نبوت "الوہیت"، مسیحیت، مہدویت اور مظہریت کے دعاوی کرنے والے گذرے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ خود متنبیٔ قادیان کے اُمتیوں میں چودہ عدد مدعیانِ نبوت و مہدویت ظاہر ہو چکے ہیں جن کے نام ہم پوری تفصیل کے ساتھ آخر کتاب میں سنہ وار درج کر رہے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ اور تعداد حسب ذیل ہے :۔

۱۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد تک ۳۱ ، افراد مدعی نبوت گذرے ہیں ۳۲ واں مرزا غلام احمد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی تک سات جھوٹے مدعی مسیحیت گذرے ہیں ان میں مرزا قادیانی آٹھواں

ہے۔

۲۔ نیز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مرزا قادیانی تک چار عدد خدائی کا دعویٰ کرنے والے گذرنے ہیں پانچواں مرزا غلام احمد ہے۔

۳۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی تک چار آدمی مظہر خدا ہونے کہ مدعی گذرے ہیں پانچواں مرزا غلام احمد قادیانی کا نمبر ہے۔

۴۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے مرزا قادیانی تک ۹۔ آدمی مدعی مہدویت گذرے ہیں ان میں دسواں نمبر مرزا قادیانی کا ہے۔

۵۔ ایسے ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے مرزا قادیانی تک چار اشخاص مامور من اللہ ہونے کے مدعی گذرے ہیں مرزا قادیانی کا نمبر پانچواں ہے۔

۶۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے مرزا تک ایک عدد مظہر فاطمہ ہے۔

کل تعداد ان کی ۶۱ ہوتی ہے۔

مرزا غلام احمد کے بعد سے سنہ ۱۹۸۳ء تک۔

۷۔ دس آدمی مدعی نبوت گذرے ہیں ان میں اکثر مرزا غلام احمد کے مرید ہیں

۸۔ ایسے ہی مرزا قادیانی سے اب تک مدعی مسیحیت ۲ ہیں۔

۹۔ ایسے ہی مرزا قادیانی کے بعد سے اب تک ۱۹۸۳ء تک مظہر یوسف ہونے کے مدعی دو ہیں۔

۱۰۔ نیز اسی طرح مرزا قادیانی کے بعد اب تک پیروان مرزا قادیانی سے دو عدد مامور من اللہ ہونے کے دعوے دار ہیں۔

١١- مزید مرزا قادیانی کے بعد سے اس وقت تک ١٩٨٣ء تک چار عدد مدعی مہدویت گزرے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

نوٹ :- یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ جتنے بھی جھوٹے مدعی نبوت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اب تک گذرے ہیں سب نے ایک دعویٰ کیا ہے۔ یا دو دعویٰ کئے ہیں لیکن ہمارے دور کے مسیلمہ پنجاب نے ستر دعاوی کئے ہیں چونکہ کسی ایک دعویٰ پر انہیں قرار نہیں اس لیے ہم نے اس رسالہ کا نام الہامی گرگٹ رکھا ہے جیسے گرگٹ رنگ بدلتا ہے ایسی ہی مرزا صاحب نے دعاوی بدلے ہیں۔ اس لیے ہم نے حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کا شعر اس پر فٹ کیا ہے۔

شعر زمانہ اپنی ہر کروٹ میں لاکھوں رنگ بدلتا ہے
مگر اس کو بھی حسرت ہے کہ ہو گرگٹ نہیں سکتا

(از سواطع الالہام)

مرتبہ :- سید ابوذر بخاری ملتان

احقر الانام
عبدالرحیم اشعر ناظم تبلیغ
مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
جنوری ١٩٨٤ء

یوں تو مہدی بھی ہو، عیسیٰ بھی ہو، مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اَوْفَوْا عَھْدَہٗ
اَمَّا بَعْدُ!

عقیدۂ ختم نبوت اسلام میں اساسِ دین کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تاویل اور ردّ وبدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں چنانچہ حضرات خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اسلام کی تیرہ ١٣ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی مدعی، نبوّت کو برداشت نہیں کیا گیا۔ دین مبین کی جس عمارت کو قرآن کریم ایسی مکمل کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فخر الاولین والآخرین، رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین، خاتم النبیّین کی ذاتِ گرامی سے کامل و اکمل کیا گیا تھا، تاریخ اسلام میں جب کبھی کسی کاذب اور دجّال نے اس طرف نگاہ اٹھائی تو عمائدین اسلام نے اس سے ظلّی و بروزی کا سوال کئے بغیر بدبخت کو ٹھکانے لگا دیا، اور ایسی زبان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

متنبی کادیان

اسلامی تاریخ میں یہ المناک حادثہ ہے کہ ایک جھوٹا مدعیٔ نبوت انگریزی دور میں "**انگریز کا خود کاشتہ پودا**" بن کر اٹھا۔ انگریز کے سایہ شفقت میں پروان چڑھا اور عقائد باطلہ ایجاد کر کے وہ گل کھلائے کہ الامان والحفیظ

کادیان ضلع گورداسپور کا ایک قصبہ ہے، ناظرین کرام یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ یہ جھوٹا مدعی نبوت مسلمہ پنجاب دراصل ایک دیہاتی زمیندار کا بیٹا تھا جو ابتداءً کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازمت کرتا تھا۔ پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لئے امتحان مختاری میں بیٹھا مگر بدقسمتی سے فیل ہو کر تلاش روزگار میں کچھ مدت سرگرداں رہا۔ پھر تبلیغ اسلام کے نام پر چندہ جمع کرنا شروع کر دیا اور مبلغ اسلام کا روپ دھار لیا۔ اور جب کچھ چندہ کی فراوانی ہوئی تو اور قدم بڑھا کر مبلغِ اسلام سے ترقی کر کے مجدّد دین ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب انگریز کی مہربانیوں سے حالات اور سازگار ہوئے تو رسول اور خاتم الانبیاء بن بیٹھا اپنی روحانیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے (العیاذ باللہ) بڑھ کر بتایا۔ کادیان کو رسولؐ کی تخت گاہ قرار دیا اور اپنی بیوی کو امُ المومنین کہلوایا۔ غرضیکہ تمام خصوصیات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ڈاکہ مارا۔ یہی نہیں بلکہ عقائد

باطلہ میں اور آگے بڑھے اور اپنے آپ کو خدا بلکہ خدا کا باپ کہلوانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ آخر عمر میں کرشن اوتار اور جے سنگھ بہادر بھی بن بیٹھا۔ چنانچہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ جسے مرزائی صاحبان صحیفۂ آسمانی خیال کرتے ہیں، ہمارے اس دعویٰ پر گواہ ہے:۔

" مارچ ۱۸۸۲ء میں مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا کہ انھیں الہام ہوا ہے اور اللہ تعالےٰ نے ایک مقصد تفویض کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا وہ مامور من اللہ ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں انھوں نے پھر ایک الہام کی بنا پر اپنے مؤیدین سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ۱۸۹۰ء کے اواخر میں مرزا صاحب کو پھر الہام ہوا کہ یسوع ناصری (عیسیٰ ابن مریم) نہ صلیب پر فوت ہوئے، نہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے، بلکہ جب وہ صلیب پر زخمی ہو گئے، تو ان کے شاگردوں نے انھیں اسی مجروح حالت میں صلیب پر سے اتار لیا اور ان کے زخموں کا علاج کیا۔ اس کے بعد وہ کشمیر چلے گئے اور وہیں طبعی موت مر گئے۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ وہ قیامت کے قریب اپنے اصلی جسم عنصری کے ساتھ دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ ان کے دوبارہ ظہور کا وعدہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم کے صفات و اخلاق رکھنے والا ایک اور شخص امت محمدیہ میں پیدا ہوگا۔

یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے اور مرزا غلام احمد ہی وہ مثیل عیسیٰ اور مثیل مسیح موعود واقع ہوئے ہیں۔ اس عقیدہ کی اشاعت پر مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ یہ اس عام مسلمہ عقیدہ کے منافی تھا کہ عیسیٰ ابن مریم جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے چنانچہ علمائے دین نے اس کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے "مہدی موعود" ہونے کا دعوےٰ بھی کیا اور اعلان کیا کہ میں ایسا مہدی نہیں جو جنگ و خونریزی میں مصروف ہو جاؤں بلکہ میں مہدی معقول ہوں اور دلائل و براہین کی قوت سے اپنے مخالفین کو مغلوب کروں گا۔ اس نئے دعویٰ سے مرزا صاحب کی مخالفت زیادہ بھڑک اٹھی اور علمائے دین ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر کرنے لگے۔ ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے ایک اور عقیدے کا اظہار کیا کہ آج کے بعد جہاد بالسیف کا قصہ ختم ہے اب جہاد اسی پر موقوف ہے کہ مخالف کو دلیل و برہان سے قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب نے ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور "ایک غلطی کا ازالہ" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں بتایا گیا کہ ختم نبوت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال

کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا، جو کسی نئی شریعت کا حامل ہو لیکن کسی غیر تشریعی نبی کا ظہور عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں مرزا صاحب نے سیالکوٹ کے ایک جلسہ عام میں "مثیل کرشن" ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔!"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت مقرر کردہ (زیر پنجاب ایکٹ ۲ ۱۹۵۴ء) برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء ص ۸، ۹

اس مختصر پمفلٹ میں مرزا صاحب کے چند دعاوی نمبروار خود ان کی تصانیف سے مع حوالہ صفحات نقل کئے گئے ہیں۔ حوالہ غلط ثابت کرنے والوں کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

چنانچہ اب مرزا صاحب کے دعاوی باطلہ اور عقائد کفریہ ملاحظہ ہوں۔

میں مبلغ اسلام مامور من اللہ اور مصلح ہوں

یہ عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی اور غربت اور تذلل و تواضع سے اصلاح کے لئے کوشش کرے۔ (خط مندرجہ مقدمہ براہین احمدیہ ص ۸۲

طبع اول

۲۔ **"میں مجدّد ہوں"**

وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدّد ہے وہ میں ہی ہوں (حقیقۃ الوحی ص۱۹۴، انجام آتھم ص۴۵ ، تریاق القلوب ص۱۳۶ ط۲ ، ازالہ اوھام خورد ص۱۵۴ ، کلاں ص۶۸ ط۵ حمامۃ البشریٰ ص۱۱۱ ، تحفہ کلاں ص۵۳)

۳۔ **"میں محدّث ہوں"**

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالےٰ کی طرف سے امّت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے۔
(توضیح المرام مطبوعہ لاہور ص۱۹، ازالہ اوھام ص۱۷۶ ، حمامۃ البشریٰ ص۵۳

۴۔ **"میں امام زماں ہوں"**

میں لوگوں کے لئے تجھے امام بناؤں گا۔ تو ان کا رہبر ہو گا اور وہ تیرے پَیرو !
(حقیقۃ الوحی ص۷۹۔ ضرورۃ الامام ص۲۶۔ کتاب البریہ ص۱۰۳ ۸۴)

۵۔ **میں ولی اللہ اور ولی الرحمٰن ہوں**

یا ولی اللہ کنت لا اعرفک اے خدا کے ولی ! میں اس سے پہلے تجھے نہیں پہچانتی تھی۔ اس کی

تفصیل یہ ہے کہ کشفی طور پر زمین میرے سامنے کی گئی اور اس نے یہ کلام کیا کہ میں اب تک تجھے نہیں پہچانتی تھی کہ تو ولی الرحمٰن ہے۔
(حاشیہ دافع البلاء ص۱۹، تحفہ خورد تحفہ کلاں ص۸)

۶۔ **"میں آئینہ خدا نمائی ہوں"**

خدا نمائی کا آئینہ میں ہوں۔ (نزول المسیح ص۸۴)

۷۔ **میں نبی اللہ، خاتم الخلفاء اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا دوسرا بازو ہوں !**

اور وہی ہوں جس کا نام سرور انبیاء نے "نبی اللہ" رکھا ہے اور اس کو سلام کہا ہے اور اس کو اپنا " دوسرا بازو" قرار دیا ہے اور خاتم الخلفاء ٹھہرایا ہے۔ (نزول المسیح ص۴۸ تریاق القلوب ص۱۵۸)

۸۔ **میں چینی الاصل ہوں**

اسی کشف کے مطابق میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب میں پہنچے۔
(حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۱۴)

۹- میں رجل فارسی ہوں

لنالہ رجل من فارس کا مصداق میں ہوں۔
(تحفۂ گولڑویہ ص ۲۹، تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۷، تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۴۵ ط ربوہ، طق ص ۱۴۸/۱۲۷)

۱۰- میں برلاس مغل ہوں

ہمارے خاندان کی قومیت ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قوم کے برلاس مغل ہیں
(تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۴۵ ربوہ، طق ص ۱۲۷)

۱۱- میں سیّد ہوں

سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسب سادات میں سے تھیں۔
(نزول المسیح حاشیہ ص ۴۸۔ تریاق القلوب ص ۱۵۸ حاشیہ ص ۱۴۵)

۱۲- میں معجون مرکّب ہوں

میں اپنے خاندان کی نسبت کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ وہ ایک شاہی خاندان ہے اور بنی فارس اور بنی فاطمہ کے خون سے ایک معجون مرکب ہے۔

(تریاق القلوب ص ۱۵۹، طق ص ۱۲۷، ص ۱۳۹)

۱۳- میں سلمان ہوں

چنانچہ وہ عزّو جلّ ایک اپنی وحی میں جو حکایتاً عن الرسول ہے، میرا نام سلمان رکھتا ہے۔
(نزول المسیح حاشیہ ص ۵، طق ص ۴۹)

۱۴- یسوع کا ایلچی ہوں

جناب ملکہ معظمہ کے حضور میں یسوع کی طرف سے ایلچی ہو کر باادب التماس کروں۔
(تحفۂ قیصریہ ص ۳۳، طق ۲۴)

۱۵- میں حسین سے بہتر ہوں

(الف) میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو اس حسین سے بہتر ہے۔
(دافع البلاء ص ۲۹، تحفی خورد، تحفی کلاں ص ۱۳ نزول المسیح ص ۵۲)
(ب) کربلائے است سیر ہر آنم ؛ صد حسین است در گریبانم
(نزول المسیح ص ۹۹)

۱۶- میں مسیح موعود ہوں

تواتر سے اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو

ہی مسیح موعود ہے۔
(اربعین ۲ ص ۲۷، ص ۳۲ - اعجاز احمدی ص ۷، تریاق القلوب ص ۱۵۵ طبع ربوہ)

۱۷- **میں مہدی ہوں**

مجھے مسیح اور مہدی بنایا گیا۔ (نجم الہدیٰ حاشیہ ص ۷)
نوٹ : یہ دعویٰ مرزا صاحب کی اکثر کتب میں موجود ہے۔

۱۸- **میں حارث مددگار مہدی ہوں**

واضح ہو کہ یہ پیشین گوئی جو ابو داؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام کا...... نکلے گا جو آلِ رسول کو تقویت دے گا۔ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ پیشین گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشین گوئی۔ جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہو گا، در اصل یہ دونوں پیشین گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔
(ازالہ اوہام خورد ص ۷۹، کلاں ص ۳۵ ط ۵)

۱۹- **میں ملہم ہوں**

خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔
(تریاق القلوب ص ۱۵۵، ط ربوہ، قادیان ص ۱۳۶)

۲۰- **میں شفیع ہوں**

آج تمہارے لئے بجز اس مسیح کے اور کوئی شفیع نہیں۔
دافع البلاء ص ۲۵/۲۶

۲۱- **میں مسیح موعود سے بہتر ہوں**

خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔
(دافع البلاء ص ۲۷، تختی خورد، کلاں ص ۱۳)

۲۲- **میں مریم بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں**

براہین احمدیہ میں اوّل خدا نے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اس میں صدق کا روح پھونکنے کے بعد اس کا نام عیسیٰ رکھا۔
(حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۳۳، ص ۳۳۹، انجام آتھم ص ۹۸ کشتی نوح ص ۶۶ ربوہ، قادیان ۴۵، تریاق القلوب ص ۱۵۵ نزول المسیح حاشیہ ص ۶)

۲۳- **میں مسیح ابن مریم ہوں**

وَسَمَّانِي الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (میرا نام مسیح ابن مریم رکھا)

(انجام آتھم ص ۷۵، حقیقۃ الوحی ص ۳۳۹ و ص ۱۹۴ و حاشیہ ص ۷۲)

۲۴۔ میں ابن مریم سے بہتر ہوں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو، اس سے بہتر غلام احمد ہے۔
(ق ۲۰، دافع البلاء ص ۳۹، درثمین اردو ص ۶۴)

۲۵۔ میں بیت اللہ ہوں

خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ رکھا۔
(تذکرہ ط ۲ ص ۳۵، حاشیہ اربعین ۴ ص ۱۶)

۲۶۔ میں حجر اسود ہوں

یکے پائے من بوسید، من گفتم کہ حجر اسود منم (میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔
(حاشیہ اربعین ۴ ص ۱۶، الاستفتاء حقیقۃ الوحی ص ۴۱ تذکرہ ط ۲ ص ۳۶)

۲۷۔ میں رسول ہوں

سچّا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

دافع البلاء کلاں تختی ص ۱۱، تختی خورد ص ۲۳، حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲، ۱۰۷،

انجام آتھم ص ۶۲

۲۸۔ میں مظہر انبیاء ہوں

جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے۔ خدا تعالےٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرا۔
(حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۷۲)

۲۹	میں آدم ہوں
۳۰	میں شیث ہوں
۳۱۔	میں نوح ہوں
۳۲	میں ابراہیم ہوں
۳۳	میں اسحٰق ہوں
۳۴۔	میں یعقوب ہوں
۳۵۔	میں یوسف ہوں
۳۶۔	میں موسیٰ ہوں

۳۷ **میں داود ہوں**

۳۸ **میں سلیمان ہوں**

۳۹ **میں یحییٰ ہوں**

۴۰ **میں ظلی محمد اور احمد ہوں**

(الف) میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔

(حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۷۲)

(ب) چنانچہ آدمؑ ابراہیم، نوح، موسیٰ، داؤد، سلیمان یوسف، یحییٰ، عیسی وغیرہ یہ تمام نام براہین احمدیہ میں میرے رکھے گئے اور اس صورت میں گویا تمام انبیاءؑ گذشتہ اس امت میں دوبارہ پیدا ہو گئے۔

نزول المسیح حاشیہ ص۴

۴۱ **میں محمد ہوں**

۴۲ **میں احمد ہوں**

۴۳ **میں مصطفٰے ہوں**

۴۴ **میں مجتبےٰ ہوں**

(الف) خدا تعالےٰ نے آج سے چھبیس برس پہلے میرا نام براہین احمدیہ میں محمد اور احمد رکھا ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۷۔ ایک غلطی کا ازالہ ص۱۰ تا ۱۱، ۱۶)

(ب) اگر میں کوئی علیحدہ شخص نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہوتا تو خدا تعالےٰ میرا نام محمد اور احمد اور مصطفٰے اور مجتبیٰ نہ رکھتا۔ (پھر فرمایا) ہر بات میں وجود محمدی میں مجھے داخل کر دیا۔ (نزول المسیح حاشیہ ص۵)

۴۵ **میں احمد مختار ہوں**

آدمم نیز احمد مختار ، در برم جامۂ ہمہ ابرار

(نزول المسیح ص۹۹)

۴۶ **اِسْمُہٗ اَحْمَد کا مصداق میں ہی ہوں**

اور جیسا کہ آیت ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا گویا وہ اس کا ایک ہاتھ ہو گا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا اور وہ حضرت مسیح کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۲ ، تحفہ کلاں ص۳۲ طبع ربوہ)

۴۷۔ **میں رحمۃ للعالمین ہوں**

(مرزا صاحب کو الہام ہوا) وقال وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین یعنی وگفت ترا از بہر ہمیں عرض فرستادم کہ بر تمام جہانیاں رحمت کنیم۔

(انجام آتھم ص۷۸)

۴۸۔ **میں خاتم الانبیا ہوں**

کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص۱۰-۱۴-۱۵)

۴۹ **میں صاحب شریعت نبی ہوں**

ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے

مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

(اربعین ۴ ص۶)

۵۰ **میں تمام انبیاء سے افضل ہوں سوائے آنحضرت کے**

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے۔ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی ہے۔ اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۶ ۔ یہ اشعار مندرجہ نزول المسیح ص۹۹، ۱۰۰)

۵۱ **میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں**

اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔

(اعجاز احمدی ص۷۱)

نیز تحفہ گولڑویہ ص۴۰ ط ربوہ ص۹۶ پر آنحضرت کے معجزات کی تعداد تین ہزار لکھی ہے اور براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۶ پر اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ بتائی ہے۔

۵۲ **میں فرشتہ ہوں**

۵۳ **میں میکائیل ہوں**

۵۴ **میں خدا کی مثل ہوں**

اور بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آگیا ہے اور دانی ایل نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں۔ خدا کی مانند۔

(اربعین ۳ حاشیہ ۳۵ ۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ۲۵)

۵۵ **میں مظہر خدا ہوں**

میرا آنا خدا کے کامل جلال کے ظہور کا وقت ہے۔ (آگے فرماتے ہیں) انسانی مظہر کے ذریعہ اپنا جلال ظاہر کرے گا۔

(حقیقۃ الوحی ۱۵۴)

۵۶ **میں خدا کا بیٹا ہوں**

(الف) انت منی بمنزلۃ ولدی۔ (الاستفتار ۸۲)

(ب) انت منی بمنزلۃ اولادی۔ (اربعین ۴ ۲۳)

(ج) اسمع ولدی (البشریٰ ج ۱ ۴۹)

۵۷ **میں خدا کا نطفہ ہوں**

انت من مائنا وھم من فشل ۔ مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ فشل سے۔

(اربعین ۲ ۳۹ ، اربعین ۳ ۲۱)

(نوٹ) عربی لغت میں "ماء" سے مراد نطفہ ہے، قرآن مجید میں ہے:۔

(الف) ھوالذی خلق من الماء بشراً (الآیۃ) اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا۔

(ب) فلینظر الانسان مم خلق ، خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب پس چاہیئے کہ دیکھے انسان کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا وہ پانی اچھلنے والے سے پیدا کیا گیا جو کہ باپ کی پیٹھ اور ماں کی چھاتیوں سے نکلتا ہے۔

اور بھی کئی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "ماءً" سے مراد نطفہ ہے۔ کتب تفاسیر میں اس کی تشریح موجود ہے اگر مرزا صاحب کے الہام میں "ماءً" سے مراد تقویٰ یا طہارت کا پانی مراد لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب عربی لغت سے قطعاً ناواقف تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپکو خدا کا نطفہ کہا ہے (از مرتب)

۵۸ **میں خدا کا باپ ہوں**

انا نبشرک بغلام حلیم مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو حق اور بلندی کا مظہر ہوگا، گویا خدا

آسمان سے اترے گا۔ تذکرہ ط۲ صـ۶۴۶

(انجام آتھم صـ۶۲)

(نوٹ) : جب مرزا صاحب کا بیٹا خدا ہوا، تو مرزا صاحب یقیناً خدا کے باپ ہوں گے۔ (از مرتب)

۵۹ میں خدا کی بیوی ہوں

جناب مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

عـ۱ میرا خدا سے ایک نہانی تعلق ہے جو نا قابل بیان ہے۔
(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۶۳ طبع ربوہ

اس ناقابل بیان حالت کو قاضی یار محمد صاحب بی او ایل پلیڈر نے اپنے ٹریکٹ نـ۳ موسومہ "اسلامی قربانی" صـ۱۲ پر بالفاظ مرزا اس طرح تحریر کیا:

عـ۲ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالےٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔ سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے۔

عـ۳ بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالےٰ تجھے اپنے انعامات دکھائے گا جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے۔

ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے [1]
(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۱۴۳)

۶۰ میں صفت کن کا مالک ہوں

(الہام ہے) انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول له کن فیکون (اے مرزا) تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔
تذکرہ صـ۵۲۵، ۶۵۶، ط۲ صـ۸۲۶ (حقیقۃ الوحی صـ۱۰۵)

۶۱ میں محیی اور ممیت ہوں

واعطیت صفة الافناء والاحیاء من الرب الفعال اور مجھ کو فانی کرنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے اور یہ صفت خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ملی ہے۔
(خطبہ الہامیہ صـ۵۵/۵۶، طبع ربوہ)

---

[1] مندرجہ بالا تینوں حوالے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ مرزا صاحب کا خدا سے تعلق پنہانی میاں بیوی کا تعلق ہے۔ جس کا آپ نے اپنے مرید خاص کے سامنے اظہار فرمایا اور مخلص مرید نے اس ملفوظ کو شائع کر کے حق تبلیغ ادا کیا۔ نیز یہ الفاظ کہ حیض تحلیل ہو کر بچہ بن گیا ہے۔ وہ بچہ بھی اطفال اللہ کے بمنزلہ ہے اس کا صاف ترجمہ خدا کے بیٹے کی طرح ہے کیونکہ یہ حیض اور بچہ مرزا صاحب میں تھا اس لئے مرزا صاحب اپنے خدا کی بیوی ٹھہرے خود ہی قاضی صاحب فرماتے ہیں:
کہ سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے۔

۶۲ میں الاعلیٰ ہوں

وانت اسمی الاعلیٰ (مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ الاعلیٰ میرا نام ہے۔)

(تذکرہ ط ۲ صـ۳۳۵، اربعین صـ۲، صـ۳۴)

۶۳ میں خدا کا جانشین اور خلیفہ ہوں

میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔ (کتاب البریہ صـ۸۳، ط ربوہ ط ا صـ۱۰۲)

۶۴ میں خالق ہوں

میں نے پہلے تو آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہیں تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اسکی ترتیب و تفریق کی اور میں نے دیکھا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔

(کتاب البریہ صـ۸۵، آئینہ کمالات اسلام صـ۵۶۵، ۵۶۴ ط ا صـ۷۹، ط ربوہ)

۶۵ میں تمام انسانوں کو نجات دینے والا ہوں

اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے

مدار نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سُنے۔

(اربعین ع۴ حاشیہ صـ۶)

۶۶ میں خُدا ہوں

میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں (پھر فرماتے ہیں) اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہوئی (پھر فرماتے ہیں) میری اپنی عمارت گر گئی اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی اور الوہیت بڑے زور کے ساتھ مجھ پر غالب ہوئی (اس کے بعد لکھتے ہیں) اور اس حالت میں، میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا، جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاءِ حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا انا زیّنا السماء الدّنیا بمصابیح پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہو گئی اور میری زبان پر جاری ہوا۔ اردتُ ان استخلف فخلقتُ آدم۔ انّا خلقنا الانسان فی احسن تقویم

یہ الہامات ہیں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے میری نسبت میرے پر ظاہر ہوئے۔

(کتاب البریہ صـ۸۵ تا ۸۷، آئینہ کمالاتِ اسلام صـ۵۶۳)

۶۷ **میں رُدّر گوپال ہوں**

چنانچہ جو ملک ہند میں کرشن نبی گزرا ہے جس کو رُدّر گوپال بھی کہتے ہیں۔ (یعنی فنا کرنے والا اور پرورش کرنے والا) اس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے۔

(تذکرہ ط ۲ صـ۳۴۴، تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵)

۶۸ **میں کرشن ہوں**

پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵)

۶۹ **میں آریوں کا بادشاہ ہوں**

یہ دعوےٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵

۷۰ **میں امین الملک جے سنگھ بہادر ہوں**

تذکرہ ایڈیشن ۱۹۳۵ء صـ۶۳۶ میں ہے کہ :-

۸ ستمبر ۱۹۰۶ء بوقت فجر کئی الہام ہوئے ان میں سے ایک الہام یہ بھی ہے :- "امین الملک جے سنگھ بہادر"

۷۱ **کرم خاکی ہوں**

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں !
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۹۷)

حرفِ آخر

مرزائی صاحبان (لاہوری اور قادیانی) سے اپیل کی جاتی ہے کہ مرزا صاحب کے الہامات اور دعووں کے بعد مل کر مشورہ کریں اور پھر ایک مشترکہ اعلان کریں کہ مرزا صاحب کون تھے اور کیا تھے؟ تاکہ ان کا صحیح مقام متعین ہو سکے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ط

ابوالبشیر عرفانی

خادم

مجلس تحفظ ختم نبوت

احمد پور شرقیہ

(بہاولپور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جھوٹے مدعیان نبوت مسیحیت، مہدویت کی آج تک کی تعداد

نام کنیت	شہر یا ملک	سن	دعویٰ	نمبر شمار	نام کنیت	شہر یا ملک	سن	دعویٰ
صاف بن صیاد	مدینہ منورہ	سنہ ۲ھ	نبوت	۱۸	علی بن محمد بن عبدالرحیم	بحرین	سنہ ۲۴۹ھ	نبوت
اسود بن کعب	یمن	سنہ ۶ھ	نبوت	۱۹	یہود بن ابان	"	سنہ ۲۶۰ھ	" "
طلیحہ بن خویلد اسدی	خیبر (مدینہ)	سنہ ۹ھ	نبوت	۲۰	ابوالعباس	قاہرہ	سنہ ۲۹۸ھ	"
مسیلمہ کذاب	یمامہ	سنہ ۱۰ھ	نبوت	۲۲	عبیداللہ بن احمد کرویہ	مصر	سنہ ۳۰۱ھ	"
سجاح بنت حارث	الجزیرہ	سنہ ۱۳ھ	نبوت	۲۳	مادطی	سوڈان	سنہ ۳۱۶ھ	"
مختار ابن عبید ثقفی	کوفہ	سنہ ۶۳ھ	نبوت	۲۴	ابو محمد حامیم	افریقیہ	سنہ ۳۱۳ھ	"
بیان بن سمعان تمیمی	کوفہ	سنہ ۹۶ھ	نبوت	۲۵	احمد بن کیال	افغانستان	سنہ ۳۱۶ھ	"
ابو منصور عجلی	کوفہ	سنہ ۱۲۰ھ	نبوت	۲۶	تنجیت (عورت)	افریقیہ	سنہ ۳۱۸ھ	"
مغیرہ بن سعید عجلی	کوفہ	سنہ ۱۲۹ھ	نبوت	۲۷	جوع (")	"	سنہ ۳۲۳ھ	"
صالح بن طریف	اندلس	سنہ ۱۳۰ھ	نبوت	۲۸	الحاکم فاطمی خلیفہ	قاہرہ	سنہ ۴۱۰ھ	خدا
محمد بن فضلاس الخطابی	کوفہ	سنہ ۱۳۳ھ	نبوت	۲۹	حمزہ زوزنی	مصر	سنہ ۴۱۱ھ	نبوت
اسحاق اخرس	مراکش	سنہ ۱۳۵ھ	نبوت	۳۰	سکون بن نالق	قاہرہ	سنہ ۴۲۶ھ	مظہر خدا
حرب بن عبداللہ	بغداد	سنہ ۱۳۸ھ	مسیح موعود	۳۱	اصغر بن ابوالحسن ثعلبی	حران	سنہ ۴۲۹ھ	مسیح موعود
حکیم مقنع	"	سنہ ۱۴۸ھ	نبوت	۳۲	بہافرید بن ماہ فرودین	نیشاپور	سنہ ۴۴۲ھ	نبوت
استادسیس	ایران	سنہ ۱۵۳ھ	"	۳۳	ابوعبداللہ بن شباس	صیمرہ	سنہ ۴۵۰ھ	خدا
بابک خرمی	بغداد	سنہ ۲۰۱ھ	خدا	۳۴	ابن تومرت	مراکش	سنہ ۴۵۰ھ	مہدی موعود
ابو عیسیٰ بن یعقوب	اصفہان	سنہ ۲۱۸ھ	نبوت	۳۵	محمد بن عبداللہ عاضد	قاہرہ	" "	" "

نمبر شمار	نام کنیت	شہر ملک	سن	دعویٰ
۳۶	حسین بن عمران	عراق	سنہ ۲۸۳ھ	نبوت
۳۷	ابوالحسن علی عنبر شمیم	بغداد	سنہ ۲۸۰ھ	خدا
۳۸	محمود احمد گیلانی	عراق	سنہ ۶۰۰ھ	نبوت
۳۹	قطب الدین احمد	افریقہ	سنہ ۶۵۵ھ	״
۴۰	رشید الدین ابوالحسن سنان	شام	سنہ ۶۵۷ھ	مظہر خدا
۴۱	احمد بن ہلال	دمشق	سنہ ۷۸۰ھ	نبوت
۴۲	سید محمد جونپوری	ہندوستان	سنہ ۸۴۰ھ	مہدی موعود
۴۳	بایزید عبداللہ انصاری	״	سنہ ۹۵۵ھ	نبوت
۴۴	جان محمد فرہی	سندھ	سنہ ۸۸۷ھ	مسیح موعود
۴۵	شیخ محمد فرہی	״	سنہ ۸۹۵ھ	״
۴۶	احمد بن عبداللہ عباسی	مراکش	سنہ ۹۷۰ھ	مہدی موعود
۴۷	میر محمد نور بخش	گجرات	سنہ ۹۸۰ھ	״
۴۸	احمد بن علی محیرتی	یمن	سنہ ۱۰۴۰ھ	״
۴۹	محمد بن عاصم ازنک	کردستان	سنہ ۱۰۷۰ھ	״
۵۰	محمد بن عبداللہ	ترکی	سنہ ۱۰۷۵ھ	״
۵۱	سیوی یا سیاتائی	״	سنہ ۱۰۷۷ھ	مسیح موعود
۵۲	میر محمد حسین مشہدی	ایران	سنہ ۱۰۹۸ھ	״
۵۳	علی محمد باب	״	سنہ ۱۲۴۰ھ	مامور من اللہ
۵۴	قرۃ العین (عورت)	״	سنہ ۱۲۵۰ھ	مظہر فاطمہ
۵۵	صبح ازل	ایران	سنہ ۱۲۵۰ھ	مامور من اللہ
۵۶	بہاء اللہ	״	سنہ ۱۲۷۰ھ	״
۵۷	ملا محمد علی بار فروشی	״	سنہ ۱۲۷۲ھ	״
۵۸	موسیٰ شاہ بخاری	ایران	سنہ ۱۲۹۰ھ	من مظہر اللہ
۵۹	محمد احمد سوڈانی	سوڈان	سنہ ۱۸۸۰ء	مہدی موعود
۶۰	مرزا غلام احمد قادیانی	قادیان	سنہ ۱۹۰۱ء	مہدی، نبی
۶۱	چراغ دین	جموں کشمیر	سنہ ۱۹۰۳ء	نبوت
۶۲	عبداللہ تیماپوری	حیدرآباد	سنہ ۱۹۰۳ء	״
۶۳	عبداللہ ٹیواری	چیچہ وطنی	سنہ ۱۹۰۷ء	״
۶۴	احمد سعید قادیانی	سمبڑیال	سنہ ۱۹۷۷ء	نبوت
۶۵	احمد نور سرفروشی	قادیان	سنہ ۱۹۱۸ء	״
۶۶	یحییٰ عین اللہ	صوبہ بہار	سنہ ۱۹۲۰ء	״
۶۷	خواجہ اسمٰعیل	لندن	سنہ ۱۹۳۰ء	״
۶۸	منشی ظہیر الدین اروپی	گوجرانوالہ	سنہ ۱۹۰۶ء	مظہر یوسف
۶۹	عبداللطیف گنچوری	گجرات	سنہ ۱۹۱۰ء	مہدی موعود
۷۰	نبی بخش قادیانی	معراجکے	سنہ ۱۹۱۱ء	مامور من اللہ
۷۱	فضل احمد چنگا	راولپنڈی	سنہ ۱۹۲۳ء	مسیح موعود
۷۲	موتھی عرف کارڈیلی	لاطینی امریکہ	سنہ ۱۹۲۶ء	نبوت
۷۳	صدیق دیندار	حیدرآباد	سنہ ۱۹۱۰ء	متعدد دعاوی
۷۴	عالی جاہ محمد	امریکہ	سنہ ۱۹۵۲ء	مہدی موعود
۷۵	بشارت احمد	ملوکھیا کلوٹی	سنہ ۱۹۷۷	مہدویت
۷۶	محمود مروا	نائجیریا	سنہ ۱۹۸۱ء	نبوت
۷۷	محمد علی	شیخوپورہ غازی چک	سنہ ۱۹۸۲ء	״
۷۸	غلام فرید	کنگہ ہزارہ	سنہ ۱۹۸۳ء	״
۷۹	بشیر احمد	خیرپور سندھ	سنہ ۱۹۸۳ء جنوری	مہدویت